تذکرہ
صوفیائے سندھ

اعجاز الحق قدوسی

www.maktabah.org

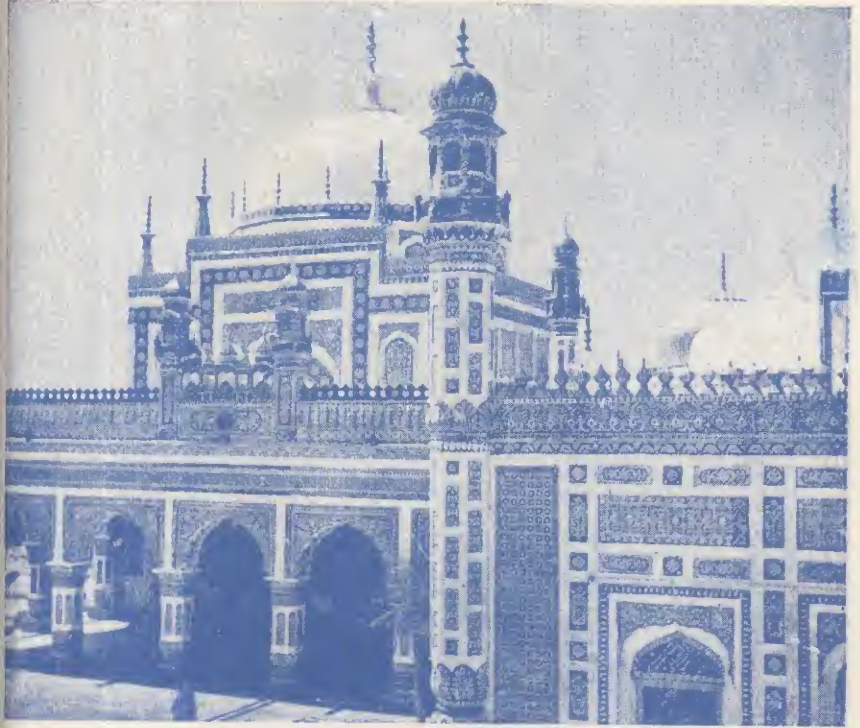
www.maktabah.org

www.maktabah.org

www.maktabah.org

www.maktabah.org

صبا بخاک مزارش سلام ما برسان
کہ چشم خفتہٗ ارباب سند را بکشاد



سندھ کے جلیل القدر صوفی ، عظیم المرتبت شاعر اور سندھی زبان و ادب کے محس
حضرت شاہ عبد اللطیف بھٹائی کی درگاہ
واقع بھٹ شاہ
(بشکریہ سندھی ادبی بورڈ

www.maktabah.org

تذکرہ

صوفیائے سندھ

اعجاز الحق قدوسی

اردو اکیڈمی سندھ
بندر روڈ — کراچی

www.maktabah.org

(جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ)

کتابت ———— عزیز آفاقی
مطبوعہ سپر آرٹ انگریور پریس۔ کراچی
بار اول دسمبر ۱۹۵۹ء
تعداد ایک ہزار

قیمت:۔ سات روپے

پنجاب آفس
اردو مرکز
گنپت روڈ۔ لاہور

www.maktabah.org

اُن خوشگوار یادوں

اور

لامحدود محبّتوں کے نام

جو

آغا بدرِ عالم دُرّانی سابق اسپیکر سندھ اسمبلی

اور

مبین الحق صدّیقی ممبر سنیٹ، کراچی یونیورسٹی

سے وابستہ ہیں

جو دِلوں کو فتح کرلیں وہی فاتحِ زمانہ

اعجاز الحق قدوسی

www.maktabah.org

www.maktabah.org

تعارُف

مسلمانوں کے عروج وزوال اور اسلام کی تبلیغ واشاعت کی ساری داستان تاریخِ تصوّف سے مرتّب کی جاسکتی ہے۔ اربابِ تصوّف نے نہ تو شمشیر و سناں استعمال کی اور نہ ننگی تلواریں لے کر اسپ تازی پر سوار منگولوں کی طرح ملکوں کو تباہ و برباد کرتے پھرے۔ ان کا طریقہ سب سے الگ تھا۔ وہ محبّت' انسانیت' مساوات، روا داری، حسنِ اخلاق اور وسیع النظری سے لوگوں کے دلوں میں محبّت اور سچائی کے جذبات پیدا کر کے ان کی زندگیوں کی کایا کلپ کر دیتے تھے ——

ہر سچّا انقلاب پہلے انسان کے دل و دماغ میں پیدا ہوتا ہے اور بعد میں وہ خارجی رُوپ میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور وہ انقلاب جو اس کے برعکس شروع ہوتا ہی بہت جلد سراب بن کر رہ جاتا ہے۔ تصوّف کی تاریخ انسان کے دل و دماغ کے انقلاب کی تاریخ ہے۔ عرفانِ ذات اور خود آگاہی سے انسان 'حقیقت' کو سمجھنے لگتا ہے اور جب عرفانِ ذات کے ذریعہ انسان حقیقت کو 'دیکھنے' بھی لگے تو یہ وہ درجہ ہوتا ہے جہاں سے فلسفہ اور عمل ساتھ ساتھ انسان کی شخصیت سے پیدا ہونے لگتے ہیں۔ ابن سینا جب نیشاپور میں حضرت ابوسعید ابوالخیر سے ملے تو دورانِ ملاقات میں انھوں نے کہا کہ "جو کچھ میں جانتا ہوں وہ آپ دیکھتے ہیں"۔ یہ فقرہ بظاہر بہت معمولی سا دکھائی دیتا ہے لیکن عرفانِ ذات کی اس عظیم ترین بلندی کی طرف اِشارہ کرتا ہے جہاں 'حقیقت'، فرد کی 'ذات' کا جزو بن جاتی ہے۔ شیخ علی ہجویری نے 'کشفُ المحجوب' میں عرفانِ ذات کی اسی عظمت کو 'حقیقت' کی آخری منزل قرار دیا ہے۔ مولانا روم نے اس مسئلہ پر یوں روشنی ڈالی ہے کہ :-

www.maktabah.org

"شریعت ہمچوں شمع است کہ راہ می نماید۔ چوں درراہ آمدی ایں رفتنِ تو طریقت است وچوں بہ مقصود رسیدی آں حقیقت است۔"

تصوّف تلاشِ حقیقت کے عمل کا نام ہے۔ علمِ باطن تصوّف کی بنیاد رہی اور عشق ومحبت اس کا اصل مقام۔ علم اور عمل، عرفانِ ذات اور خودآگاہی کے ذریعہ حقیقت تک پہنچنا تصوّف کی معراج ہے۔

ابتدا میں تصوّف پر خالص شریعت کا غلبہ تھا لیکن جیسے جیسے اسلام مختلف ملکوں میں پھیلتا گیا ویسے ویسے مختلف اثرات طریقت میں شامل ہوتے ہو گئے اور انھیں اثرات نے نئے نئے تصورات کی شکل اختیار کر کے مختلف سلسلوں کی بنیا دڈالی۔ کوئی نقشبندیہ کہلایا اور کوئی قادریہ اور چشتیہ کہلایا۔ ہندوستان اور مشرقِ وسطیٰ میں تصوّف پر ہندی ویدانت اور نوافلاطونی فلسفہ کا اثر بھی نظر آتا ہے۔ اس طرح تصوّف نے ہر ملک و قوم کے مزاج، اس کے رسم ورواج اور فلسفہ سے اچھے اور کارگر عناصر لے کر اور اس میں زندگی کی نئی رُوح پھونک کر اسے ذہنِ انسانی کے فہم سے قریب تر کر دیا اور اس میں ایسی کشش وگیرائی پیدا کر دی کہ تصوّف ایک تحریک کی شکل اختیار کر گیا جس نے انسانی قلوب پر حکمرانی کر کے بڑے بڑے سلاطین کو اپنے آستانے پر جھکنے پر مجبور کیا۔ مولانا روم کے والد مولانا بہاء الدین یکتائے روزگار تھے۔ امیر وغریب ان کے حلقہ بگوش تھے — محمّد خوارزم شاہ بھی اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ ایک دن جو پہنچا تو دیکھا کہ سینکڑوں ہزاروں کا مجمع لگا ہے۔ دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ امام رازی ساتھ تھے۔ فرمانے لگے " اگر اس کا تدارک ابھی نہ کیا گیا تو پھر مشکل پڑے گی۔" خوارزم شاہ نے قلعہ اور خزانے کی کنجیاں بھجوادیں اور کہلا بھیجا کہ اسبابِ سلطنت میں سے صرف یہی میرے پاس رہ گئی ہیں وہ آپکی نذر ہیں۔ اربابِ تصوّف کا یہی وہ اثر تھا جس سے وہ لوگ شاہِ وقت کے مقابلے میں ایک نئی قوت بن گئے تھے۔ اربابِ تصوّف کا یہ کمال رہا ہے کہ انھوں نے عرفانِ ذات اور داخلیت پر زور دینے کے باوجود کبھی تصوّف کو نہ تو منفی رجحانات کا حامل بننے دیا اور نہ کبھی فراریت اور ترکِ دنیا کی طرف مائل کیا اور جب اقتدارِ زمانہ سے اس میں منفی

www.mukhtabah.org

اندازِ فکر اور ترکِ دُنیا کا تصور داخل ہوا تو اس کا یہ اثر زائل ہو گیا اور اس کی قوت ضعیف ہو گئی۔ عیسائی تصوّف میں خیال اور ہستی کو الگ الگ رکھ کر دیکھا اور سمجھا گیا ہے۔ اسپینوزا سے لیکر ہیگل تک سارے عیسائی فلسفیوں کے ہاں یہی رُجحان ملتا ہے۔ انیسویں صدی میں کیرک گارڈ نے خیال اور ہستی کو ایک دوسرے میں جذب کرنے کی کوشش کی لیکن اسلامی فلسفۂ تصوّف شروع ہی سے خیال و ہستی کو لازم و ملزوم سمجھتا رہا ہے اور اس نے خیال کو عمل کے ساتھ متصف سمجھا ہے اور تصوّف کو شریعت کی طریقت سمجھ کر پروان چڑھایا ہے۔ اسلامی تصوّف میں شروع ہی سے فعال قوت کا احساس ہوتا ہے

فرد، عرفانِ ذات کے ذریعہ خود کو کامل بنا کر حقیقت تک پہنچنے کی سعی کر سکتا ہے۔ لیکن اگر گردوپیش، ماحول، دنیوی معاملات اور انسانیت کو نظر انداز کر کے "ہیچ آفت نہ رسد گوشۂ تنہائی را" کی روشنی میں زندگی بسر کی جائے تو ایسے میں عرفانِ ذات سے انسانیت کو کیسے مستفیض کیا جا سکتا ہے اور 'اصل حقیقت' تک کیسے پہنچا جا سکتا ہے ؟ تصوّف کی تخلیقی قوتوں کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ تصوّف نے فلسفہ کو ایک نئی آگاہی اور نیا شعور عطا کیا اور اس کے سامنے بہت سے ایسے مسائل لا کھڑے کئے جن پر برسوں ذہنِ انسانی غور و فکر کرتا رہا۔ وحدت الوجود، جبر و اختیار، ہستی مطلق، فنا و بقا وغیرہ فلسفۂ تصوّف ہی کے مرہونِ منت ہیں۔

سنہ ۷۵۰ء میں خلافت بنو امیہ سے بنو عباس میں پہنچ گئی اور دار الخلافہ دمشق کے بجائے بغداد قرار پایا۔ اسی زمانے میں عربوں کا نیا دارالسلطنت سندھ کے قریب ہو گیا۔ اس سے سندھ کی زندگی میں گہما گہمی پیدا ہو گئی اور اسلامی علما، حکما، اور بزرگانِ دین مختلف علاقوں سے سمٹ کر یہاں جمع ہونے لگے۔ تاریخ شاہد ہے کہ کچھ ہی عرصہ بعد بوعلی سندھی جیسے بزرگ ہمیں اس سرزمین میں نظر آنے لگتے ہیں۔ بوعلی سندھی وہی بزرگ ہیں جن کے متعلق مولانا جامی نے حضرت بایزید کے حوالہ سے 'نفحات الانس' میں لکھا ہے کہ "میں نے علم توحید اور فنا بوعلی سندھی سے سیکھے اور اسلامی توحید بوعلی سندھی نے مجھ سے سیکھی۔" محمود غزنوی کے حملوں کے بعد سے مسلمانوں

www.maktabah.org

کی آمد و رفت کا سلسلہ اور بڑھ گیا اور جب شہاب الدین محمد غوری نے دہلی پر قبضہ کیا اور یہاں مسلمانوں کی با قاعدہ حکومت مستحکم ہوگئی تو مشرق وسطیٰ اور وسطی ایشیا وغیرہ سے بھی علماء اور مفکرین وغیرہ آکر جمع ہونے شروع ہو گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب وسطی ایشیا میں منگولوں کے حملوں نے ہر طرف تباہ کاری مچا رکھی تھی۔ اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ برصغیر کے ہر گوشے میں صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین اپنے حسنِ اخلاق رواداری اور انسان دوستی کے ذریعہ اشاعتِ اسلام کرتے نظر آرہے ہیں۔

مولانا اعجاز الحق قدوسی کی یہ کتاب سندھ کے ان صوفیائے کرام کے بارے میں ہے جنھوں نے اپنے اپنے زمانے میں اپنے اپنے طور پر انسانیت کا درس دیا اور رواداری انسان دوستی و محبت سے ذہن انسانی کو بدل کر اشاعتِ اسلام کی سعادت حاصل کی۔ سندھ میں طریقت کے تین سلسلے ہیں :- قادریہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ۔ اس کتاب میں خاص طور پر انہی تین سلسلوں کے بزرگوں کے حالات درج کیے گئے ہیں۔ اردو میں اب تک کوئی کتاب اس طور پر اس موضوع پر نہیں لکھی گئی تھی۔ قدوسی صاحب کی یہ کوشش قابلِ ستائش ہے۔

جمیل جالبی

۵ نومبر ۱۹۵۹ء

---

www.maktabah.org

فہرست مضامین

مضمون — صفحہ

www.maktabah.org

www.maktabah.org

www.maktabah.org

www.maktabah.org

www.maktabah.org

www.maktabah.org

www.maktabah.org

[illegible]

www.maktabah.org

مآخذ

۱	تحفۃ الکرام فارسی	میر علی شیر قانع ٹھٹوی
۲	لُبِ تاریخ سندھ	خان بہادر خداداد خاں
۳	تاریخِ سندھ	میر معصوم بھکری
۴	حدیقۃ الاولیاء قلمی	سید عبد القادر
۵	ذخیرۃ الخوانین قلمی	شیخ فرید بھکری
۶	ہیئت العالم قلمی	شیخ اعظم بن شیخ محمد شفیع ٹھٹوی
۷	تحفۃ الطاہرین	شیخ اعظم بن شیخ محمد شفیع ٹھٹوی
۸	مقالات الشعراء	میر علی شیر قانع ٹھٹوی
۹	حواشیِ مکلی نامہ	مرتبہ سید حسام الدین راشدی
۱۰	معارف الانوار	محمد صالح بن ملا زکریا ٹھٹوی
۱۱	تذکرۃ المراد	شیخ حسین صفائی ٹھٹوی
۱۲	تذکرہ مشاہیر سندھ قلمی	مولینا دین محمد وفائی مرحوم
۱۳	مرغوب الاحباب قلمی	نظر علی
۱۴	منشور الوصیت	میاں نور محمد کلہوڑا
۱۵	تحفۃ الکرام (سندھی)	مترجمہ مخدوم امیر احمد
۱۶	دراسات اللبیب	مخدوم محمد معین ٹھٹوی
۱۷	تکملۂ مقالات الشعراء	مخدوم ابراہیم خلیل

www.makaabah.org

۱۸	برہان پور کے سندھی اولیا،	سید مطیع اشرف راشد برہانپوری
۱۹	رسالہ نئین زندگی	(شہید نمبر) سندھی
۲۰	رسالہ مہران	سندھی ادبی بورڈ
۲۱	روزنامہ اخبار مہران (سندھی)	(شاہ صدر نمبر)
۲۲	بزم صوفیار	سید صباح الدین
۲۳	موج کوثر	شیخ اکرام
۲۴	اخبار الاخیار	شیخ عبدالحق
۲۵	مظہرِ شاہجہانی قلمی	میرک یوسف
۲۶	دلیل الذاکرین قلمی	حاجی پھنور
۲۷	خزینۃ المعرفت قلمی	سید علی گوہر حسینی
۲۸	تاریخ مشائخ چشت	خلیق نظامی
۲۹	سیرت سید احمد شہید	مولانا غلام رسول مہر
۳۰	ترجمان نامہ	سید جمال الدین شرازی قنوی
۳۱	لطائف القدوسی	شیخ رکن الدین
۳۲	تاریخ اسلام	

www.maktabah.org

پیش لفظ

جناب سید حسام الدین راشدی صاحب

مولانا اعجاز الحق قدوسی ۱۹۵۲ء میں ہمارے ادارے "سندھی ادبی بورڈ" میں اس لئے مقرر ہوئے تھے، کہ "تاریخ سندھ" کے سلسلہ میں ہم جس مواد کی نشاندہی کریں، وہ اس کو سلیقے سے نقل کرکے فائلوں میں منسلک کرتے جائیں۔ خیال یہی تھا کہ مولانا اپنے ہمکاروں ہی کی طرح دفتری اوقات تک، سندھ اور اس کی تاریخ سے سروکار رکھیں گے۔ جہاں وقت ختم ہوا اور یہ دوسرے غیر علمی مشاغل میں مصروف رہ کر زندگی جیسی قیمتی چیز کو صرف بلکہ ضائع کرتے رہیں گے۔ لیکن معاملہ بالکل برعکس نکلا۔ ایک عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ دفتر میں رہنے سے ان کا مطمع نظر یا مقصد فقط تنخواہ حاصل کرنا نہیں ہے۔ بلکہ وہ زندگی کے قیمتی اوقات کو دفتر سے باہر رہ کر بھی، علمی مشاغل اور مصروفیتوں میں صرف کرتے ہیں۔

مولوی صاحب چونکہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کے جلیل القدر خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں، اس لئے ایک بہت بڑا علمی پس منظر اُن کی پشت پر ہے۔ خدا جانے

www.makhtabah.org

یہ اس کا اعجاز ہے ، یا میرے عزیز وطن ، یعنی سرزمینِ سندھ کی تاریخی ، علمی ، ادبی اور رُوحانی ماضی کی کشش تھی کہ مولوی صاحب نے ہمارے دفتر سے متعلق ہونے کے بعد اسی سرزمین کی تاریخ اور ماضی کی علمی ، ادبی اور دینی عظمتوں کو اُجاگر کرنے کے لئے اپنے آپ کو مخصوص کرلیا - اس سلسلہ کی سب سے پہلی کڑی "سندھ کی تاریخی کہانیاں" ہے - جو شائع ہوتے ہی اپنی دلچسپی اور دلآویزی کی وجہ سے ، قبولِ عام کا شرف حاصل کر چکی ہے - سندھ کے فارسی گو شعراء پر انھوں نے ایک کتاب مرتب کی ہے جو عنقریب منظرِ عام پر آئے گی - "جدید تاریخ سندھ" کی تدوین بھی ان کے پیشِ نظر ہے - تصوف چونکہ ان کا خاندانی ورثہ ہے ، اور ذاتی طور پر وہ خود بھی اسی طرف میلان رکھتے ہیں ، اس لیئے اس ذوق کی تسکین کے لیئے انھوں نے " تذکرۂ صوفیائے سندھ " بڑی کاوش ، تحقیق اور تلاش سے مرتب کیا ہے - جس کو آئندہ صفحات میں ناظرین ملاحظہ فرمائیں گے - ان کی یہ کتاب سندھ کے مختلف سلسلوں کے اکابر صوفیائے کرام سے متعلق ہے - جن کی ذات گرامی ، گفتار و کردار ، فکر و عمل ، حق پرستی اور صداقت کا ایک اعلیٰ ترین نمونہ ہے -

---

سندھ کو ہند و پاک کے گوشے گوشے پر نہ صرف اس لئے برتری حاصل ہے کہ یہ خطہ قدیم ترین تہذیب اور تمدن کا حامل ہے ، بلکہ افضلیت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ جس صدی میں عرب کے ریگ زار میں کلمۂ توحید کی صدا گونجی ،

www.maktabah.org

یمن اسی صدی میں ہی اس سرزمین نے بھی اُس صدا پر لبیک کہہ کر اپنے آپ کو اسلام کے آغوش میں ڈال دیا۔ اسلام نے جو دینی اور دنیوی نعمتیں اپنے ماننے والوں کو بخشیں اُن کے حصول میں بھی یہ ملک اور اس ملک کی قوم، ہند و پاک میں سب سے پہلے پیش پیش رہی۔

جس زمانے میں تصوف کی داغ بیل عرب میں پڑی، اسی دَور میں یہاں بھی اس کی نشو و نما ہوئی۔ بہت سے اکابر صوفیا اور جلیل القدر بزرگ انہیں ابتدائی صدیوں میں یہاں پیدا ہوئے جن کی کشش اور جذب نے دوسرے ممالک کے صوفیائے کرام کو بھی فوراً ہی اپنی طرف متوجہ کرلیا۔

عرب، عراق اور عجم سے جو صوفیائے کرام ہندوستان اور پاکستان کی طرف آئے۔ ان میں سے زیادہ تر یہاں سے ہوتے ہوئے پھر دوسرے گوشوں کی طرف عازم ہوئے۔ اور کتنے اہل اللہ تو ایسے بھی ہیں جو یہاں آتے ہی یہاں کے ہوگئے، شیخ ترابی شیخ نوح بھکری اور شیخ عثمان مرندی اسی خاک میں پیوست ہوئے۔ خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ، جب ہندوستان تشریف لائے، تو وہاں جانے سے پیشتر اپنے مرشد حضرت عثمان ہارونی کی معیت میں سندھ پہنچے، اور سیوہن میں رہ کر وہاں کے عارف کامل شیخ صدرالدین محمد احمد سیوستانی سے سلوک کے مقامات طے کیے۔ اس واقعہ کی یادگار کے طور پر حضرت ہارونی علیہ الرحمۃ کے چلہ کشی کا حجرہ ابھی تک سیوستان کی پہاڑی پر

موجود ہے۔ حضرت خواجہ فرید گنج شکر اپنے پیر و مرشد حضرت بختیار کاکی کی ہدایت پر جب علومِ ظاہری و باطنی کے لئے عازم سفر ہوئے تو آپ سیوستان میں بھی تشریف لائے۔ یہاں اس دَور کے شیخ کبیر حضرت اوحد الدین اور یہاں کے کئی دوسرے اولیائے کبار سے ملاقاتیں کیں اور بہت کچھ اُن سے حاصل کیا۔ شیخ زکریا سندھی اور شیخ عصارہ سیوستانی، آپ ہی کے دو سندھی خلفاء ہیں۔ سلسلۂ چشتیہ کے لعل شب چراغ حضرت شیخ نصیر دہلوی بھی یہاں تشریف لائے۔ وہ اُس وقت یہاں موجود تھے، جب سلطان محمد تغلق نے ٹھٹھہ کے قریب وفات پائی۔ سلطنتِ ہند کا تاج فیروز کے سر پر آپ ہی نے یہاں رکھا اور یہیں سے آپ حضرت قطب الدین کی ملاقات کو، ہانسی تشریف لے گئے۔ حضرت جلال الدین سُرخ بخاری جب اپنے وطن سے نکلے تو سب سے پہلے بھکر پہونچے، اور وہاں کے جید صوفی حضرت سید بدرالدین کی صاحبزادی سے عقد کیا۔ اسی بی بی کے بطن سے سید احمد کبیر تولد ہوئے، جن کے صاحبزادے حضرت مخدوم جہانیان جہاں گشت ہیں۔ حضرت جہانیان جہان گشت رحمۃ اللہ علیہ کا اس سرزمین سے بہت ہی گہرا تعلق رہا ہے۔ سلطان فیروز اور سلاطینِ سندھ کے درمیان آپ ہی کی کوششوں سے صلح ہوئی اور آپ کے دو صاحبزادے سید صدر الدین اور سید ناصر الدین بھی بھکر میں مدفون ہوئے حضرت شیخ بابو تاج الدین بھکری جو اپنے دَور کے کامل ولی

www.maktabah.org

ہیں، آپ ہی کے خلیفہ ہیں ۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ ، حضرت سہروردی کی فرمائش پر جب عراق سے نکلے تو سب سے پہلے حضرت شیخ نوح بھکری سے ملاقات کے لئے بھکر پہنچے ۔ لیکن شیخ پہلے ہی وفات پا چکے تھے ۔ اس لئے ملتان گئے لیکن سندھ میں آتے جاتے رہے ۔

اگر اس طرح کے واقعات تاریخ سندھ سے جمع کئے جائیں تو ہند و پاک کا شاید ہی کوئی صوفی اور بزرگ نکلے جو سندھ نہ آیا ہو اور جس کا سندھ کی سرزمین کے ساتھ کسی نہ کسی وجہ سے تعلق خاطر نہ ہو ۔

سندھ کا یوں تو ہر قصبہ اور قریہ ، بلکہ یوں کہیئے کہ چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ تصوف اور عرفان ، رشد اور ہدایت کا مرکز رہا ہے ۔ لیکن خاص طور پر قدیم شہروں میں الور ، دیبل سیوستان ، منصورہ ، ٹھٹھہ ، بھکر وغیرہ اور جدید شہروں میں روہڑی ، ریل ، لکھوی ، متعلوی ، ہالا ، لواری ، ٹلٹی اور بوبک وغیرہ کو اس سلسلہ میں ہمیشہ سے مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے ۔ اور یہی شہر تھے ، جو عرفان و تصوف ، اصلاحِ اخلاق اور تزکیۂ نفس کے سرچشمہ بنے رہے ، اور سندھ میں سماجی انقلاب لانے کا باعث ہوئے ۔ اور یہیں کی خانقاہیں تھیں جن کے نظامِ اصلاح و تربیت نے نہ صرف اخلاقی قدروں کو بلند کیا ، بلکہ ایمان اور عمل کی قوتوں کو اُجاگر کرکے خدا شناسی کی فضا قائم کی ، اور معصیت کے تمام سوتوں کو خشک

کردیا۔ آج کے گئے گزرے دور میں بھی جب کوئی ان شہروں میں پہنچتا ہے تو جو قلبی سکون، ذہنی راحت اور روحانی طمانیت وہاں میسر آتی ہے وہ اور کہیں ملنی مشکل ہے۔ اور یہ ساری برکت اسی گزرے ہوئے زمانے کی وجہ سے ہے۔

سندھ میں صوفیائے کرام اور اولیاء اللہ کے تذکرے کتنے کہاں کہاں اور کب کب لکھے گئے اس کا کچھ علم نہیں۔ سندھ کے علمی ذخائر ہر قرن اور ہر دور میں تباہ و برباد ہوتے رہے اس لئے نہ تو پورے تذکرے محفوظ رہے اور نہ ان کی نشاندہی آج کسی تاریخ سے ہوسکتی ہے۔ آج تک جو اس سلسلہ کی کتابیں ملتی ہیں یا جن کے نام مل سکے ہیں وہ یہ ہیں :-

۱	تذکرہ اولیائے سندھ	علامہ قاضی محمود ٹھٹوی
۲	حدیقۃ الاولیاء	عبدالقادر ٹھٹوی
۳	تحفۃ الطاہرین	شیخ اعظم ٹھٹوی
۴	تحفۃ الکرام جلد سوم	میر علی شیر قانع ٹھٹوی
۵	معیار سالکان طریقت	"
۶	طومار سلاسل	"
۷	تذکرۃ المراد	شیخ حسین صفائی ٹھٹوی
۸	معارف الانوار	محمد صالح بن ملا زکریا ٹھٹوی سنہ ۱۱۴۰ھ
۹	حیات محمد ہاشم	میاں غلام محمد ٹھٹوی
۱۰	فردوس العارفین	بلوچ خان تالپور سنہ ۱۲۰۱ھ

www.maktabah.org

۱۱	مرغوب الاحباب	نصر علی تالپور	سنہ ۱۲۷۳ھ
۱۲	صقال الضمائر	خواجہ محمد سعید	سنہ ۱۳۰۳ھ
۱۳	لطیفۃ التحقیق	سید رفیق علی پشنگی	سنہ ۱۱۲۰ھ
۱۴	الجواہر البدائع	بلال	سنہ ۱۳۲۱ھ
۱۵	عمدۃ المقامات	خواجہ فضل اللہ	
۱۶	زبدۃ المقامات	خواجگان نقشبندیہ	
۱۷	انیس المریدین	خواجہ حسن جان نقشبندی	
۱۸	انساب الانجاب	"	
۱۹	مونس المخلصین	خواجہ شاہ آغا	
۲۰	حالات بزرگانِ سیوستان		
۲۱	حالات بزرگان صدیقی سیوستان		
۲۲	تذکرہ مشائخ سیوستان	عبدالغفور سیوستانی	
۲۳	رسالہ سیر قلندری	خضر علی سیوستانی	
۲۴	گلشن اولیاء		(۱۲ صدی)
۲۵	اولیائے سیوستان		
۲۶	دلیل الذاکرین	حاجی بھور	
۲۷	کوس فخریہ		
۲۸	قلندر نامہ		
۲۹	انوار قلندری	حالات مشائخ بکیرائی	(بعد سنہ ۱۲۸۳ھ)
۳۰	اذکار قلندری	"	
۳۱	تذکرۂ مخادیم کھڑا		

۳۲ مناقب غوثیہ — مشتاق متعلوی
۳۳ مناقب السادات — قاضی ہدایت اللہ بن میاں محمود بن میاں سعید متعلوی سنہ ۱۳۱۵ھ
۳۴ کواکب السعادات — مشتاق متعلوی
۳۵ لطائف لطیفی — میر عبدالحسین سانگی
۳۶ بیان العارفین — داروغہ کھر
۳۷ گلزارِ ابرار — غوثی مانڈوی
۳۸ ارشاد الطالبین — غلام رسول قریشی ہالائی
۳۹ سوانح حیات شاہ عثمان فراشی
۴۰ سوانح سید حیدر سنائی
۴۱ ملفوظات حضرت پیر محمد راشد
۴۲ ملفوظات حضرت پیر محمد صبغۃ اللہ راشدی

مولانا قدوسی نے ، یہ کتاب ، ماخذوں کی کمی اور فقدان مواد کے باوجود بڑی محنت ، تلاش اور ممکن حد تک تحقیق کے ساتھ مرتب کی ہے ۔ قلمی مواد ، مطبوعہ مواد جو حاصل ہونا ممکن تھا ، اس کو حاصل کیا ، پڑھا اور اس سے اپنے مطلب کی چیزیں لے کر بڑی عمدگی اور سلیقے سے اس تذکرے کی تکمیل کی ہے ۔ جس کے لئے وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ اور خاص طور پر اس لئے بھی وہ ہم سب پڑھنے والوں کے شکرگزاری کے مستحق ہیں کہ اردو زبان میں سندھ کے صوفیا پر کتاب لکھنے میں اولیت انھوں نے کی ۔

www.maktabah.org

مجھے یقین ہے کہ اُردو داں طبقہ ، جو سندھ کو سمجھنے اور جاننے کا خواہشمند ہے ، اس کے لئے یہ کتاب بے حد مفید اور معاون ہوگی ، اور اُمید کرتا ہوں کہ مولانا کی دوسری کتابوں کی طرح ، یہ کتاب بھی شائع ہوتے ہی قبولِ عام حاصل کرے گی ۔ آمین ۔

حسام الدین راشدی
کراچی ۔ ۲۵ر فروری ۱۹۵۵ء

www.maktabah.org

www.maktabah.org

مقدّمہ

اسلام کے آفتاب نے ہندوستان میں جس سرزمین کو سب سے پہلے منور و تاباں بنایا وہ سندھ ہے۔ سندھ کو ہماری علمی اور مذہبی تاریخ میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے، یعنی اُس زمانے میں جب کہ عرب میں علوم کا نشو و نما ہو رہا تھا، ہندوستان میں سندھ اسلامی حکومت کے زیرِ نگیں ہونے کی وجہ سے مرکز علم و فضل بن رہا تھا۔ اسی زمانے میں سندھ کے مشہور شہر منصورہ، دیبل اور بھکر علومِ اسلامیہ کے گہوارہ بنے ہوئے تھے۔

ساتھ ہی ساتھ علم عمل کے سانچے میں ڈھل رہا تھا، اور اس خطۂ ارضی میں وہ مردانِ حق آگاہ جنم لے رہے تھے جو عملی تصوف کا ایک اعلیٰ نمونہ تھے۔

سنہ ۱۷۱ھ میں سب سے پہلے صوفی جن کا اجمالی تذکرہ صاحب تحفۃ الکرام نے کیا ہے، وہ حاجی ترابی ہیں، جو عہد بنو عباس میں یہاں کسی معززِ عہدے پر فائز ہوکر آئے، اور تبع تابعین میں سے تھے۔

اس کے بعد تصوف کے جو سلسلے ہمیں سندھ میں ملتے ہیں وہ سہروردیہ، قادریہ اور نقشبندیہ ہیں۔ انھیں تین سلسلے کے بزرگوں نے یہاں خانقاہیں قائم کرکے رشد و ہدایت کے فیضان

www.makhtabah.org

کو عام کیا اور صدیوں ان کی خانقاہیں معرفتِ الٰہی ، تزکیۂ نفس اور پاکیزگیٔ اخلاق کی تعلیم کا مرکز بنی رہیں ، لیکن عجیب بات ہے کہ سندھ کی ایک مستقل اور قدیم تاریخ تصوف ہونے کے بعد بھی ہمیں فارسی اور اُردو کے قدیم تذکروں میں سندھ کے صوفیائے کرام کے متعلق جو مواد ملتا ہے ، وہ اس قدر ناکافی ہے کہ یہاں کی تاریخ تصوف اور صوفیا کے متعلق ہماری معلومات کچھ زیادہ آگے نہیں بڑھتی اور نہ ابھی تک صوفیائے سندھ کا کوئی تذکرہ اُردو میں مدون ہوا ہے کہ جو اس کمی کو پورا کر سکے ۔

اس بنار پر میں نے اس کتاب میں سندھ کے مشاہیر صوفیائے کرام کے حالات کو ایک خاص ترتیب سے سہل اور سلیس اُردو میں یک جا کر دیا ہے ۔ اِس کتاب میں جن صوفیائے کرام کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ انھیں مندرجہ بالا تین سلسلوں سے تعلق رکھتے ہیں ۔

واقعات کے انتخاب میں حتی الامکان اس کی کوشش کی گئی ہے کہ ان بزرگوں کی سوانح حیات کے ساتھ ساتھ اُن کی تبلیغی اور اصلاحی کوششیں سامنے آسکیں ۔ اس کے علاوہ اُن کی اخلاقی زندگی کے مختلف پہلو جو مجھے مل سکے ۔ میں نے انھیں اس میں خصوصیت سے شامل کیا ہے کہ اسلاف کی زندگی کا یہ پہلو سیرت و کردار کی تشکیل میں سب سے زیادہ موثر ثابت ہوتا ہے ۔

ماخذ کے حوالے ہر جگہ فٹ نوٹس میں دیئے گئے ہیں ، اور تقریباً ہر جگہ ضروری معلوماتی فٹ نوٹس کا اضافہ کر دیا ہے ۔ تاکہ اس کتاب کے پڑھنے والے کو کسی جگہ ذہنی اُلجھن واقع نہ ہو ۔

www.maktabah.org

مجھے اعتراف ہے کہ قارئین کو اِن بزرگوں کے حالات میں یہ کمی محسوس ہوگی کہ میں اس تذکرے میں اکثر بزرگوں کے سلسلۂ طریقت کو متعین نہ کرسکا۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ سندھ کے قدیم تذکرے جو اس کتاب کے لکھتے وقت میرے پیش نظر رہے ہیں، اُن میں اکثر بزرگوں کے متعلق یہ پہلو تشنہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ میرے خیال میں یہ کمی مکمل طور پر اس وقت تک دور نہیں ہوسکتی جب تک کہ سندھ کے مشہور مؤرخ و تذکرہ نگار میر شیر علی قانع ٹھٹھوی کی کتاب "طومارِ سلاسل" شائع نہ ہوجائے۔ جس میں انھوں نے سندھ کے تمام صوفیا کے شجروں کو نہایت کاوش سے مرتب کیا ہے۔

اس کے علاوہ اس کتاب کا سب سے بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ سندھ میں نئے آباد ہونے والے مہاجرین کو سندھ کی قدیم ثقافت تہذیب و تمدن، روایات اور یہاں کی تاریخ سے واقف کرایا جائے تاکہ یہاں کے نئے بسنے والوں اور قدیم باشندوں میں تعارف، ہم آہنگی اور خوشگوار ربط پیدا ہو۔

میں نے اس تذکرے کو حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے کہ اس میں پڑھنے والے کو زیادہ سہولت ہوتی ہے، اور اپنے حسبِ منشا بغیر دقت کے ہر بزرگ کے حالات کو آسانی سے نکالا جاسکتا ہے۔

احسان ناشناسی ہوگی اگر میں آخر میں اپنے مخلص ترین دوست محقق سندھ سید حسام الدین صاحب راشدی کا شکر گزار نہ ہوں کہ اُنھوں نے اپنے کتب خانے سے نہایت ہی نایاب اور نادر ماخذ کہ جن کے بغیر اس کتاب کی تکمیل ناممکن تھی بڑی فراخدلی سے عنایت

www.maktabah.org

فرماکر مجھے اپنا رہینِ منت بنا لیا اور ہر مشکل موقع پر اپنی وسیع تاریخی معلومات اور گراں قدر مشوروں سے باوجود اپنی بے پناہ مصروفیتوں کے مستفید فرمایا، پھر مزید کرم یہ فرمایا کہ اس کتاب پر ایک بصیرت افروز پیش لفظ لکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ان کا یہ مخلصانہ تعاون میرے شاملِ حال نہ ہوتا تو شاید اس کتاب کی تکمیل میرے لئے مشکل ہوتی۔

میں جناب محترم ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ پروفیسر سندھ یونیورسٹی کا بھی شکر گزار ہوں کہ موصوف نے حضرت پیر محمد راشد کے حالات اس کتاب کے لئے روانہ فرمائے کہ جن کے بغیر اس کتاب میں تشنگی محسوس ہوتی۔

میں اپنے عزیز دوست زیڈ۔ ایچ۔ انصاری سول ایجنٹ شیفر پین پاکستان کراچی کا بھی ممنون ہوں کہ اس سے قبل انھوں نے "سندھ کی تاریخی کہانیاں" لکھتے وقت اس کے لئے شیفر کا ایک خوبصورت قلم عنایت فرما کر مجھے صاحب قلم بنایا تھا اور اس کتاب کے لکھتے وقت اپنی علمی دلچسپیوں کی بدولت بعض مطبوعہ بیش قیمت کتابوں سے نوازا کہ جن کے حوالے کی اس کتاب میں بیحد ضرورت تھی اور جو میرے لئے بیحد کار آمد ثابت ہوئیں۔

میں اپنے عزیز دوست جمیل جالبی کا بھی ممنون ہوں کہ اس کتاب کی تکمیل کے متعلق ان کے تقاضے اور اشتیاق، سمندِ ناز پہ اور ایک تازیانہ ثابت ہوئے۔ ورنہ خدا جانے یہ مسودہ کب تک معرضِ التوا میں پڑا رہتا۔

یکم جنوری ۱۹۵۸ء　　　　اعجاز الحق قدوسی

کراچی

www.maktabah.org

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

ہندوپاکستان کے پہلے صوفی و درویش

(۱)

شیخ ابوتراب

معروف

حاجی ترابی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی سیاست اور سماج کو جن اصولوں پر منظم کیا تھا، اُس کے اہم اجزا اخوت و مساوات و عدل تھے، اُس نظام میں حاکم و محکوم کا کوئی فرق نہ تھا، بلکہ حکومت کا سارا کام مسلمانوں کے مشورے سے ہوتا تھا، یہ وہ عادلانہ نظام تھا، جس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی، آپ کے بعد خلفائے راشدینؓ نے بھی نظامِ خلافت کو اُسی نہج پر ترتیب دیا جو رسول اکرم نے چھوڑا تھا، خلافتِ راشدہ کے بعد بنی اُمیّہ

www.maktabah.org

کے عہد میں جب خلافت کی جگہ ملوکیت نے اپنے پرے جمائے تو اِس دَور میں عہدِ خلفائے راشدین کی خصوصیات ختم ہوگئیں، مذہب اور سیاست کے راستے جُدا جُدا قرار دیئے گئے، اور اسلامی اجتماعی زندگی کا نظام بالکل بدل کر رکھ دیا گیا، حکومتِ بنی امیہ کی بے راہ روی کو دیکھ کر بہت سے بزرگوں نے اپنا تعلق حکومت سے منقطع کرلیا، اور ان بزرگوں کے حکومت کے دائرے سے نکل جانے کی وجہ سے حکومت کے نظام میں ایک ایسا خلا پیدا ہوا جو پھر پُر نہ ہوسکا انھیں بزرگوں نے سب سے پہلے تصوف کے مرکز قائم کئے، اور انھیں بزرگوں کا شمار صوفیا کے پہلے طبقے میں ہوتا ہے۔

صوفیا کا پہلا طبقہ ٦٦١ء میں وجود میں آیا، اور تاریخِ تصوف کے مرتب کرنے والوں نے پہلے طبقے کا زمانہ ٦٦١ء سے ٨٥٠ء تک مقرر کیا ہے، صوفیا کے پہلے طبقے میں جن بزرگوں کا شمار ہوتا ہے اُن میں حضرت اویس قرنیؒ، حضرتِ خواجہ حسن بصری، حضرتِ مالک بن دینار، حضرت فُضَیل بن عیاضؒ وغیرہ مشہور ہیں، صوفیا کے پہلے طبقے نے اجتماعی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے تصوف کے پہلے مرکز کوفے اور بصرے میں قائم کئے، جہاں بنی اُمیّہ کے گورنروں کے ظلم و ستم انتہائی عروج پر تھے، اِن مراکز میں خشیت الٰہی، پاکیزگیِ نفس، توبہ و استغفار، تربیت اخلاق و عبادت و ریاضت پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا تھا، یہی بزرگ عوام سے ربط پیدا کرکے اُن کی اسلامی تربیت کا سب سے بڑا ذریعہ بنے۔

انھیں میں بعض بزرگ ایسے بھی تھے۔ جنھوں نے بادشاہوں کو اُن کی بے راہ روی پر ٹوکا، اور ان کی سطوت و شوکت کو چیلنج کیا کہ اگر وہ اپنے آپ کو اسلامی سانچے میں نہیں ڈھالیں گے تو ان کی زندگی ایک عذاب بن کر رہ جائے گی، ان بزرگوں میں حضرت امام ابوحنیفہ، حضرتِ امام سفیان ثوری، حضرتِ فضیل

www.maktabah.org

بن عیاض وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ایک سوال لیکن ہندو پاکستان کے رہنے بسنے والے مسلمانوں کے سامنے یہ سوال خود بخود آتا ہے کہ اُس وقت جب کہ سنہ ۱۶۱ء میں صوفیا کا پہلا طبقہ وجود میں آیا، ہندوستان میں بھی اُس زمانے میں کوئی بزرگ تھا یا نہیں کہ جس کا شمار طبقہ اوّل کے صوفیاء میں کیا جا سکے، قبل اس کے کہ اس سوال پر غور کیا جائے، یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ہندوستان میں سب سے پہلے تصوف کا جو سلسلہ چھٹی صدی ہجری میں حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے ذریعہ سے پھیلا وہ سلسلۂ چشتیہ ہے، جس کے نام لیوا آج بھی سارے ہندو پاکستان میں موجود ہیں، سلسلۂ چشتیہ کے بعد جو سلسلہ حضرت خواجہ بہاءالدین زکریا ملتانی کے ذریعہ سے اِسی صدی میں ہندوستان پہنچا وہ سلسلۂ سہروردیہ ہے، پندرھویں صدی عیسوی کے وسط میں سلسلۂ قادریہ شاہ نعمت اللہ قادری کے ذریعہ سے ہندوستان پہنچا، اکبر کے زمانے میں ہندوستان میں حضرت خواجہ باقی باللہ نے سلسلۂ نقشبندیہ کی بنیاد رکھی، اور حضرت مجدد الف ثانی سرہندی کے ذریعہ سے یہ سلسلہ ہندوستان میں خوب پھیلا، چھٹی صدی ہجری سے پہلے ہمیں اگرچہ ہندوستان میں باقاعدہ تصوف کا کوئی سلسلہ نہیں ملتا، لیکن یہ حقیقت مسلم ہے کہ چھٹی صدی ہجری سے پہلے بھی ہندوستان میں تصوف کا ذوق موجود تھا، اور انفرادی طور پر بعض بزرگ تزکیۂ نفس اور اصلاحِ باطن میں معروف تھے، لیکن ہندو پاکستان میں یہ شرف بھی سندھ کو حاصل ہے کہ ہندوستان کے پہلے صوفی اور درویش شیخ ابو تراب اِسی سرزمین میں محوِ خواب ہیں، جو دوسری صدی ہجری کے پہلے صوفی ہیں، اور ہندو پاکستان کی تاریخ تصوف میں بھی پہلے صوفی ہیں، اگرچہ آپ کے حالات ہمیں تفصیل سے نہیں ملتے لیکن جو کچھ

www.maktabah.org

بھی ملتے ہیں ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

آپ کا نام شیخ ابو تراب تھا، لیکن آپ مشہور حاجی ترابی کے لقب سے تھے۔ شیخ ابو تراب بنی عباس کی حکومت کی جانب سے سندھ کے بعض حصوں پر حاکم مقرر ہوئے تھے۔ شیخ ابو تراب کا شمار تبع تابعین میں ہے۔

آپ نے شہید ہو کر وفات پائی، آپ کا مزار مبارک موضع گجھ اور موضع کوری کے درمیان جو ٹھٹھہ سے ۱۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے زیارت گاہ خاص و عام ہے، مزار مبارک کے گنبد پر جو کتبہ نصب ہے اُس میں سنہ تعمیر ۱۷۱ھ ہجری درج ہے۔[۱]

---

[۱] شیخ ابو تراب کے حالات کی تمام تفصیل تحفۃ الکرام جلد سوم صفحہ ۲۵۳ سے ماخوذ ہے۔

www.maktubah.org

(۲)

درویش احمد و محمد

حالات یہ دونوں بھائی سندھ کے مشہور صوفی و درویش مخدوم اسحاق[۱] کے صاحبزادے تھے، اور ہالہ کندی کے رہنے والے تھے[۲] تمام تذکرہ نگاروں نے ان دونوں بھائیوں کا تذکرہ یکجا کیا ہے، اور ان دونوں بھائیوں کی عظمت و بزرگی میں ہر ایک رطب اللسان ہے، حدیقۃ الاولیا میں ہے۔

ولدانِ محمد اسحاق ازجملہ اولیائے کبار و بزرگواران نامدار بودہ اند و در ہالہ کندی سکونت داشتند۔

مخدوم محمد نے علوم ظاہری کی تکمیل کرکے تزکیہ نفس اور صفائی باطن کی طرف توجہ کی اور مختلف ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد صاحب ولایت و کشف ہوئے، اُن کے روحانی ارتقا کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آپ اکثر اوقات حالت مراقبہ میں عالم ملکوت کی سیر کرتے تھے، اور اس منزل کو تصرف کا ادنیٰ مقام سمجھتے تھے، مخلوقِ خدا کی خدمت اور حاجت برآری کے لئے آپ اکثر حکام و بادشاہوں کے پاس جاتے، اُن کی سفارش فرماتے اور لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرتے تھے۔

مخدوم احمد نے گوشۂ عزلت و تنہائی کو اختیار فرمایا تھا وہ ہمیشہ لوگوں سے

---

[۱] مخدوم اسحاق بھٹی قوم سے تھے، اور شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے خاندان میں مرید تھے صاحبِ فضل و کمال تھے، تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۴۸

[۲] ہالہ کندی ضلع حیدرآباد سندھ میں واقع ہے۔

www.maktabah.org

علاوہ ازیں ذکر الٰہی و عبادتوں اور ریاضتوں میں مشغول رہتے، کبھی کبھی حلقۂ ذکر و سماع میں تشریف لے جاتے، ان حلقوں میں شریک ہو کر آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہوتی تھی، یہ بھی اپنے وقت کے اولیاء کبار میں شمار ہوتے تھے۔

صاحب حدیقۃ الاولیاء کی روایت ہے کہ ایک متشرع عالم باعمل دور سے آپ کی بزرگی و ولایت کا شہرہ سن کر آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا، جب وہ ہالہ کندی میں پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ آپ سماع کی طرف بیحد مائل ہیں، اور اپنا وقت وجد و حال میں گذارتے ہیں، یہ سن کر اُسے آپ سے سوءِ ظن پیدا ہوا اور اُس نے مخدوم کی ملاقات سے گریز کیا، اتفاقاً ایک دن راستے میں اس کی ملاقات مخدوم احمد سے ہو گئی، آپ نے بڑھ کر بڑی خندہ پیشانی سے اس سے معانقہ کیا اور بہت دیر تک اس سے استفسارِ حالات فرماتے رہے، پھر آپ نے نہایت خندہ پیشانی سے فرمایا کہ آپ نے جو میرے حلقہ سماع کے متعلق سُنا ہے یہ سماع نہیں جو شریعت میں منع ہے، بلکہ یہ حلقہ تو ماتم کدہ اور حلقۂ تعزیت ہے، کسی دن آپ بھی تشریف لائیے، چنانچہ آپ کے اس ارشاد کے بعد ایک دن وہ عالم آپ کے حلقہ سماع میں شریک ہوا، اور حلقۂ سماع میں اس پر گریہ و زاری کی عجیب کیفیت طاری ہوئی، اور وہ رقص کرنے اور نعرے لگانے لگا، جب حلقہ ختم ہوا تو لوگوں نے اُس سے پوچھا کہ یا تو آپ کو اس حلقہ میں شرکت سے اس قدر انکار تھا، اور اب تم شریک ہوئے تو اس طرح کہ آپ کو کسی چیز کا ہوش نہ رہا، اُس نے جواب دیا کہ بات یہ ہے کہ اس حلقۂ سماع میں شریک ہونے کے بعد مجھ پر ایک بیخودی اور جذبۂ شوق کی عجیب کیفیت طاری ہو گئی اور مجھ پر عالم بالا کی راہیں کھل گئیں، میں نے دیکھا کہ مخدوم احمد کی پیشانی عرش کو چھو رہی ہے، اس مشاہدۂ حال کے بعد مجھے بالکل اپنا ہوش نہ رہا، اُس کے بعد وہ عالم صاحب

www.maktabah.org

حال اور اہلِ کشف میں سے ہوئے۔

اتباعِ شریعت مخدوم احمد شریعت و سنّت کے اتباع میں بیحد کوشش کرتے اور نہایت ہی متبع شریعت تھے، جس کا پتہ درویش زکریا کے ایک خواب سے چلتا ہے جو ایک خاص واقعہ کے ضمن میں انھوں نے دیکھا تھا، وہ واقعہ یہ تھا کہ مخدوم احمد کے استاد مولانا عبدالرشید[1] نے مخدوم سے فرمایا تھا کہ ایک سال کے بعد اہلِ درد میں سے ایک شخص تم سے ملے گا کہ جس کی وجہ سے تم پر بیحد خوف طاری ہوگا، لیکن انشاء اللہ انجام بہتر ہوگا، کہتے ہیں کہ ایک سال کے بعد ایک مجذوب آپ کے پاس آیا اور اُس نے آپ سے کہا کہ میرے لئے پانچ ٹکڑے لاؤ، مخدوم احمد نے اپنے خادم کو اشارہ فرمایا کہ مجذوب جو سامان مانگ رہا ہے اس کے لئے لائے، چنانچہ خادم نے پانچ روٹیاں مجذوب کے سامنے لاکر رکھیں، مجذوب نے اُن کو کھانے کے بعد مخدوم سے اعتراضاً کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمھیں ہمارے کام میں شرم آئی، اِسی لئے تم اپنی جگہ سے نہ اُٹھے، اور اپنے خادم کو حکم دیا، اس لئے یہاں سے جہاں بھی بھاگ سکتے ہو بھاگ جاؤ ورنہ اچھا نہیں ہوگا، مخدوم پر مجذوب کی یہ بات سُن کر خوف طاری ہوا اور وہ اُٹھ کر اپنے عبادت کے حجرے میں آئے، حجرے میں وہ جس طرف بھی دیکھتے تھے ہر طرف اُن کو مجذوب شیر پر سوار حملہ کرتا ہوا دکھائی دیتا تھا، جس سے اُن کی دہشت اور بڑھ گئی، پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ خلوت و جلوت، گھر میں اور باہر غرض کہ ہر جگہ مجذوب کی شکل اُن کو نظر آتی تھی، اور ایک لمحہ کے لئے بھی یہ شکل غائب نہیں ہوتی تھی، جس کی وجہ سے آپ نہایت افسردہ رہتے تھے، چند روز اسی طرح گزرے، ایک دن مخدوم زکریا جو آپ کے

---

[1] تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۹۴ پر مذکور ہے کہ مولانا عبدالرشید سے مخدوم احمد نے علوم ظاہری و باطنی دونوں حاصل کئے تھے۔

بھتیجے علی الصباح مخدوم کی خدمت میں پہنچے، اور انھوں نے مخدوم سے عرض کیا کہ رات میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ اُس دیوانے مجذوب سے فرما رہے ہیں کہ مخدوم ہماری شریعت کے ادب کو خصوصیت سے ملحوظ رکھتا ہے، اور تم اُس سے دشمنی رکھتے ہو، ابھی جاؤ اور اس سے معافی چاہو، ابھی یہ بات ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ وہ مجذوب دوڑتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے معافی کا خواستگار ہوا آپ نے اُسے معاف فرما دیا۔

شاہانِ وقت کو ملاقات کا اشتیاق آپ کے زہد و ورع، تقویٰ و تقدس کی شہرت عالمگیر تھی، یہاں تک کہ فرماں روایانِ وقت مخدوم احمد سے ملاقات کو اپنی سعادت اور خوش قسمتی سمجھتے تھے۔

ایک دفعہ آپ کے بھائی مخدوم محمد کسی ضرورت سے ٹھٹھہ تشریف لے گئے، اس وقت ٹھٹھہ میں سمہ خاندان کے بادشاہ جام نظام الدین نندا[1] کی حکومت تھی، جام نظام الدین نندا کو جب مخدوم محمد کی تشریف آوری کی خبر معلوم ہوئی تو اُس نے نہایت عزت و احترام سے آپ کو بلایا، اور عرض کیا کہ مجھے آپ کے بھائی مخدوم احمد سے ملاقات کا بیحد اشتیاق ہے، میں اب آپ کو اُس وقت تک نہ جانے دوں گا تاوقتیکہ میری ملاقات مخدوم احمد سے نہ ہو جائے، مخدوم محمد نے جام نندا سے فرمایا کہ اس خیال کو چھوڑیئے کیونکہ مخدوم احمد کی وہ بے نیاز شخصیت ہے کہ جسے میری اور تمہاری دونوں کی پروا نہیں، لیکن عالم کشف میں مخدوم احمد اس واقعہ سے مطلع ہوئے، اور اُسی وقت ٹھٹھہ پہنچ کر جام نظام الدین نندا کے پاس تشریف لے گئے، جام نظام الدین نندا نے قدمبوسی کی سعادت حاصل کر کے

---

[1] جام نظام الدین نندا سمہ خاندان کا سب سے بہترین فرمانروا تھا جو ۸۶۶ھ میں تخت پر بیٹھا اور ۹۱۴ھ میں وفات پائی (معصومی صفحہ ۷، فٹ نوٹ مقالات الشعراء صفحہ ۳۵۴)۔

اپنے اغراض و مقاصد بیان کیے اور دعا کا طالب ہوا، آپ نے اُس کی ہر بات پر انشاء اللہ فرمایا، جام نے آپ کے تشریف لے جانے کے بعد اپنے مصاحبین سے کہا کہ میں اب تک جن لوگوں سے بھی دعا کا طالب ہوا ہوں اُنھوں نے بہت سی باتیں کیں لیکن مخدوم نے سوائے انشاء اللہ کے ایک لفظ بھی زبان سے نہیں فرمایا، مجھے یقین ہے کہ یہ کام پورے ہوں گے۔

وفات مخدوم احمد وفات سے کچھ پہلے ایک روز حلقۂ سماع میں شریک ہونے کے لئے ہالہ کنڈی سے قلعۂ نیرن[1] کوٹ تشریف لائے، اور وجد و ذکر میں مشغول ہو گئے، اتفاقاً ذاکر نے پُرسوز سے ایک بیت نہایت خوش الحانی سے پڑھنا شروع کیا، اُس کے سننے سے آپ پر وجد و حال کی کیفیت طاری ہوئی، اور اسی عالت میں آپ نے وصال فرمایا۔

آپ کا سنہ وفات ۹۳۴ھ[2] ہجری ہے، یہ مرزا شاہ حسن ارغون[3] کا زمانہ تھا، لاش قلعہ نیرن کوٹ سے ہالہ کنڈی لائی گئی اور وہیں مدفون ہوئے جنازے کے لانے والوں کا بیان ہے کہ جب ہم آپ کے جنازے کو اٹھاتے تھے تو ہم کو ذکر جلی کی آواز آتی تھی، اور جب کسی منزل پر جنازے کو رکھ دیتے تو

---

[1] حیدرآباد سندھ کا سابقہ نام نیرن کوٹ ہے۔

[2] تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۴۸ پر آپ کا سنہ وفات ۹۳۰ھ ہجری مذکور ہے۔

[3] مرزا شاہ حسن ارغون، ارغون خاندان کا دوسرا بادشاہ تھا جو ۹۲۸ھ میں اپنے والد شاہ بیگ کی وفات کے بعد نصر پور میں تختِ حکومت پر بیٹھا، شاہ حسن ارغون نہایت ہی شجیع اور صاحب علم و فضل فرمانروا تھا، شاعر بھی تھا، اور غالباً اپنی شجاعت کی وجہ سے سپاہی تخلص کرتا تھا، ۱۲ ربیع الاوّل ۹۶۲ھ کو دوشنبہ کے دن میرزا شاہ حسن ارغون نے موضع علی پوترہ میں وفات پائی، اُس کی لاش ٹھٹھہ لائی گئی اور مکلی میں دفن کی گئی (معصومی صفحہ ۱۱۱ تا ۱۹۲ سے یہ حالات ماخوذ ہیں)

www.maktabah.org

یہ آواز بند ہو جاتی۔[۵۱]

مخدوم احمد کی اولاد مخدوم احمد کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے مخدوم فتح اللہ نے مسند رشد و ہدایت کو آراستہ کیا اُن کے بعد اُن کے صاحبزادے مخدوم احمد ثانی سجادہ نشین ہوئے، مخدوم احمد ثانی کی وفات کے بعد اُن کے فرزند مخدوم عبدالحمید نے جو اپنے اکابر کے صحیح جانشین تھے اس مسند کو زینت بخشی، مخدوم عبدالحمید کے تین صاحبزادے مخدوم حسین مخدوم ابراہیم اور مخدوم عبدالرؤف تھے۔[۵۲]

مخدوم محمد کی اولاد مخدوم محمد کے تین صاحبزادے مخدوم یوسف، مخدوم محمد صادق اور مخدوم یعقوب تھے، آپ کے یہ تینوں صاحبزادے اہلِ دل اور صاحبِ حال بزرگ تھے۔[۵۳]

---

۵۱ مخدوم احمد و محمد کے یہ تمام حالات حدیقۃ الاولیا رقلمی مملوکہ سندھ یونیورسٹی صفحہ ۹۵، ۹۶، ۱۰۱-۱۰۲-۱۰۳-۱۰۴-۱۰۵-۱۰۹-۱۱۰-۱۱۱-۱۱۲ سے ماخوذ ہیں۔

۵۲ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۴۸

۵۳ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۴۹

www.maktabah.org

(۳)

مخدوم اسمٰعیل سومرہ

حالات مخدوم اسمٰعیل سومرہ سندھ کے جلیل القدر صوفیا میں شمار ہوتے ہیں، بچپن سے اور وفات تک آپ ہمیشہ ریاضتوں، مجاہدوں اور عبادتوں میں مصروف رہے، اور مقام فنا فی اللہ سے گذر کر درجۂ بقا باللہ تک واصل ہوئے۔

جود و سخا فیاضی و بخشش آپ کا امتیازی وصف تھا، قدرت نے آپ کو مال و دولت سے نوازا تھا، داد و دہش میں بھی آپ کا ہاتھ وسیع اور دستر خوان بھی وسیع تھا لوگوں کو حسبِ پسند عمدہ سے عمدہ کھانے کھلاتے، اور خود اُسی دستر خوان پر جو کی روٹی بغیر سالن کے نوش فرماتے۔

مستحقین، حفاظ اور طلبا علم دین کے باقاعدہ وظائف مقرر کئے تھے تاکہ وہ سکون و اطمینان سے تعلیم حاصل کر سکیں، کوئی حاجت مند آپ کے دروازے سے خالی ہاتھ نہ جاتا تھا۔

ذکر الٰہی ذکر الٰہی اور عبادت آپ کا محبوب ترین مشغلہ تھا، آپ کا سارا وقت عبادت میں گزرتا تھا، خود بھی بیحد متبع شریعت تھے، اور دوسروں کو شریعتِ اسلامیہ کے پابند بنانے کی انتہائی سعی فرماتے تھے۔

خدمتِ خلق خدمت خلق آپ کا خاص شعار تھا آخر عمر میں جب کہ ضعفِ پیری کی وجہ سے کمر جھک چکی تھی اور آپ چلنے پھرنے سے معذور ہو چکے

www.maktabah.org

تھے، یہاں تک کہ سواری پر بھی سوا ہونے پر قادر نہ تھے اُس وقت بھی آپ چادر میں بیٹھ جاتے اور اپنے خادموں سے ارشاد فرماتے کہ مجھے اُٹھا کر لوگوں کے دروازوں پر لے چلو، خادم اُٹھا کر آپ کو دور دور لے جاتے آپ وہاں پہنچ کر لوگوں سے اُن کی ضرورتیں اور حاجتیں پوچھتے اور اُن کو پورا کر کے واپس تشریف لے آتے۔

تلاوتِ کلام اللہ تلاوتِ کلام اللہ سے آپ کو غیر معمولی عشق تھا، عباداتِ الٰہی سے جو وقت بچتا اُسے تلاوتِ قرآن مجید میں صرف فرماتے۔

وفات مخدوم اسمٰعیل سومرہ نے ۹۹۸ھ میں وفات پائی، اور قلعہ الکھم نامی گاؤں میں مدفون ہوئے[۵۱]۔

خلفا مخدوم اسمٰعیل سومرہ کے خلفا میں مخدوم اسحاق خاص شہرت رکھتے ہیں مخدوم اسحاق کا اصل وطن گجرات تھا، یہ گجرات سے آکر قلعہ الکھم میں مقیم ہوئے اور مخدوم اسمٰعیل سومرہ کی عقیدت و بیعت کا شرف حاصل کیا[۵۲]۔

---

۵۱ مخدوم اسمٰعیل سومرہ کے حالات حدیقۃ الاولیا (قلمی) صفحہ ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹ سے ماخوذ ہیں، تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۶۲ پر آپ کا سنہ وفات ۹۹۱ھ مذکور ہے۔
۵۲ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۲۴۔

www.maktabah.org

(۴)

مخدوم آدم نقشبندی

معروف بہ

مخدوم آدو

نام و نسب آپ کا اسم گرامی آدم لقب مخدوم آدو ہے، آپ کے والد محترم کا اسم گرامی عبدالاحد ہے آپ کا سلسلۂ نسب حضرت ابو بکر صدیقؓ سے جا ملتا ہے، آپ کے اجداد میں دو بھائی تھے، بڑے بھائی کا نام عبدالباری تھا، اور چھوٹے بھائی کا نام عبدالخالق، بڑے بھائی عبدالباری ۴۱۱ھ میں ٹھٹھہ سے جا کر "کچھ" میں آباد ہو گئے اور چھوٹے بھائی عبدالخالق ٹھٹھہ میں رہے، سلطان محمود غزنوی[1] نے جب سندھ پر قبضہ کیا تو عبدالخالق کے علم و فضل و زہد و ورع سے متاثر ہو کر ان کو شاہی اعزازات سے نوازا، انھیں کی اولاد سے مخدوم آدم ہیں، مخدوم آدم کا سلسلۂ نسب حضرت عبدالخالق تک یہ ہے۔

مخدوم آدم بن مخدوم عبدالاحد بن عبدالرحمن بن عبدالباقی بن محمد بن احمد بن آدم بن عبدالہادی بن محسن بن علی بن محمد بن عبدالخالق

---

[1] محمود بن سبکتگین ۳۸۷ھ میں غزنی کے تخت پر بیٹھا، خلیفہ قادر باللہ عباسی نے اس کو یمین الدولہ اور امین الملت کا خطاب دیا، اس نے اپنی جدوجہد سے دریائے ستلج سے لے کر بحر قزوین اور ماوراء النہر سے لے کر عراق و بلوچستان تک ایک وسیع سلطنت قائم کی، ۴۲۱ھ میں محمود غزنوی نے وفات پائی (تاریخ اسلام مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، جلد ۳، صفحہ ۴۱۴ و ۴۱۵)

سندھ کے سلسلۂ نقشبندیہ میں مخدوم آدم پہلے بزرگ ہیں۔

بیعت مخدوم آدم بادشاہ عالمگیر[1] کی یہ شہرت سُن کر کہ وہ علوم و معارف کا قدرداں ہے، اور علماء و حفاظ کے ساتھ نہایت حسنِ سلوک سے پیش آتا ہے اس تصور سے کہ شاہی حکم سے اُن کا کچھ یومیہ یا روزینہ مقرر ہو جائے گا علماء کی ایک جماعت کے ساتھ ٹھٹھہ سے دہلی تشریف لے گئے، اتفاقاً آپ کی ملاقات سب سے پہلے حضرت مجدد الف ثانی کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم[2] نقشبندی سے ہوئی، خواجہ محمد معصوم نے ایک ہی نظر میں آپ کے جوہر قابل اور علمی استعداد کا اندازہ فرمالیا، اور آپ کے ساتھ نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آئے، اپنے پاس ٹھیرایا اور فرمایا اگر تم کو پسند ہو تو میرے بچوں کو تعلیم دو، اور میں اُس کے عوض تمھارے اور تمھارے وابستگان کے اخراجات کا کفیل ہوں گا، آپ نے اسے منظور فرمالیا، اور آپ حضرت خواجہ محمد معصوم کے صاحبزادوں کی تعلیم میں مصروف ہو گئے۔

شیخ عبدالرحیم گرہوری کا بیان ہے کہ ابتداءً مخدوم آدم کو حضرت خواجہ محمد معصوم سے عقیدت نہ تھی، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اُس زمانے میں ٹھٹھہ سے ملتان تک پورے سندھ میں آپ کے ہم پایہ کوئی عالم نہ تھا، علم و فضل کا کمال عقیدت نیازمندی سے بے نیاز تھا، ایک روز حضرت خواجہ محمد معصوم نے نہایت شفقت سے اُن سے قرآن مجید کی اس آیت والطور ؕ وکتاب مسطور ؕ فی رق منشور ۝

---

[1] دورِ حکومت ۱۰۶۹ھ تا ۱۱۱۸ھ (مقالات الشعراء صفحہ ۲۰)

[2] حضرت خواجہ محمد معصوم حضرت مجدد الف ثانی کے تیسرے صاحبزادے ہیں، آپ کی ولادت ۱۱ شوال ۱۰۰۷ھ میں ہوئی، آپ نے ۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ میں وفات پائی (مرغوب الاحباب قلمی تذکرہ حضرت خواجہ معصوم)

www.maktabah.org

والبیت المعمور[۱] کے معنی پوچھے، مخدوم آدم نے نہایت ہی توجہ اور وضاحت سے آیت کے معنی بیان فرمائے، عین اُس وقت جب کہ وہ آیت کے معنی بیان فرما رہے تھے، آپ نے اپنی توجہ باطنی سے اُن پر عرفان و عقیدت کی راہیں کھولیں، خواجہ محمد معصوم کی نگاہِ کیمیا اثر کا یہ کرشمہ تھا کہ مخدوم آدم نے اسی وقت آپ کے زمرۂ عقیدتمندوں میں داخل ہو کر آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔

ریاضت و مجاہدے ایک طویل عرصہ تک مخدوم آدم اپنے شیخ کی خدمت میں رہ کر مختلف قسم کی ریاضتیں اور مجاہدے کرتے رہے، تقریباً سات سال تک آپ پر استغراق کی کیفیت طاری رہی، یہ کیفیت اس قدر مکمل تھی کہ اس زمانے میں جو خطوط آپ کے پاس وطن سے آتے تھے، آپ اُن کے لفافوں کو اس اندیشے سے کھولتے تک نہ تھے کہ کہیں اُن میں کوئی ایسی بات نہ ہو جو سکونِ خاطر میں برہمی پیدا کر کے استغراق کی کیفیت کو زائل کر دے۔

خلافت ان ریاضتوں اور مجاہدوں کی تکمیل کے بعد آپ کے شیخ حضرت خواجہ محمد معصوم نے آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ اب تم اپنے وطن جا کر رشد و ہدایت کے فرائض انجام دو کہ منتہائے تصوف یہی ہے کہ بھٹکے ہوئے انسانوں کا رشتہ خدا سے جوڑا جائے، مخدوم آدم نے عرض کیا کہ تعمیلِ ارشاد میرا فرض ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ سندھ میں اس قدر مشائخ کرام ہیں کہ اُن کے ہوتے ہوئے میری طرف کون رجوع کرے گا، آپ کے شیخ نے فرمایا جاؤ سارا سندھ بھی اگر مشائخ سے بھرا ہوا ہو تو اس کی پروا نہ کرو، چنانچہ جب آپ سندھ میں تشریف لائے، طالبانِ حق دور دور سے آپ سے فیض حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوتے،

---

[۱] یہ تمام تفصیل مرغوب الاحباب قلمی در نسب اقطاب مرتبہ نظر علی تصنیف ۱۲۷۳ھ ہجری تذکرہ حضرت مخدوم آدم سے ماخوذ ہے۔

بڑے بڑے علماء اور مشائخین آپ کی خدمت میں حاضری کو اپنی سعادت سمجھتے تھے، اور آپ کی خانقاہ ہر وقت طالبانِ حق سے معمور رہتی تھی۔

اپنے ہمعصروں کی توقیر مخدوم آدم باوجود علوِ مرتبت اور افزونیِ مدارج کے اپنے ہمعصر بزرگوں کی بڑی عزت و توقیر کرتے تھے، چنانچہ ایک دوسرے بزرگ مخدوم آدم بن اسحاق[۱] جو آپ کے ہم نام اور ہمعصر تھے، آپ اُن کی انتہائی تعظیم کرتے اور لوگوں سے کسرِ نفسی کی بنا پر کہتے کہ مجھے بجائے آدم کے آدو کہا کرو، اس لئے کہ ایک شہر میں دو آدم کیسے ممکن ہو سکتے ہیں۔

فضائل سلسلۂ نقشبندیہ میں، آپ بہت بڑے صاحب کمال اور عالی مقامات پر فائز سمجھے جاتے ہیں، بہت سے تاریک دلوں نے آپ کی مشعلِ ہدایت سے روشنی پائی، اور ایک بڑی جماعت نے آپ کی برکت سے ہدایت حاصل کی۔

مشہور ہے کہ ملا آخوند یوسف آپ کی مسجد کا امام تھا، اور بغیر آپ کے تشریف لائے ہوئے نماز شروع نہیں کرتا تھا؛ ایک دن مخدوم آدم بن اسحاق کے بیٹے میاں ابو بکر صدر —— نماز با جماعت ادا کرنے کے لئے مسجد

---

[۱] مخدوم آدم بن اسحاق کا شمار سندھ کے جلیل القدر اولیاء میں ہوتا ہے، مشہور ہے کہ جب مخدوم آدم بن اسحاق حج کے لئے بیت اللہ حاضر ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ مرد اور عورتیں ایک ہی طرف سے اکٹھے حرم میں داخل ہوتے ہیں، مخدوم آدم کو یہ بات پسند نہ آئی، انھوں نے مکے کے ذمہ دار لوگوں سے کہا کہ حرم میں مرد اور عورتوں کا داخلہ ایک ہی جگہ سے بیک وقت مناسب نہیں، بلکہ مردوں اور عورتوں کے لئے علیٰحدہ علیٰحدہ دن مقرر ہونے چاہئیں، لوگوں کو ان کی یہ بات ماننے میں تامل ہوا لیکن رات کو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ رسول اکرم فرماتے ہیں کہ مخدوم آدم کے کہنے کے مطابق عمل کیا جائے، چنانچہ اس کے بعد سے مردوں اور عورتوں کے لئے حرم میں داخلے کے لئے علیٰحدہ علیٰحدہ دن مقرر ہوئے (تحفۃ الطاہرین صفحہ ۶۶ و ۶۷ و تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۰۵)۔

www.maktabah.org

میں آئے، دیکھا کہ نماز ہو چکی ہے، انھوں نے امام مسجد کو ڈانٹ کر کہا کہ تم سوائے مخدوم آدم کے کسی دوسرے آدمی کی پروا نہیں کرتے، اگر تم اپنی اس حرکت سے باز نہ آئے تو ہم تم کو اس مسجد کی امامت سے معزول کر دیں گے، امام مسجد بہت ہی ملول اور رنجیدہ ہو کر حضرت مخدوم آدو کی خدمت میں حاضر ہوا اور روتے ہوئے سارا واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں، جاؤ اور اپنے مکان کے بالاخانے پر بیٹھ کر تلاوتِ قرآن مجید میں مشغول ہو جاؤ، تم دیکھوگے کہ ابو بکر صدر خود تمھارے دروازے پر آئیں گے، لیکن خوب یاد رکھو جب تک تم اُن سے اپنے معاملے کا صحیح تصفیہ نہ کر لو ہرگز صلح نہ کرنا، آپ کے ارشاد کے مطابق، امام مسجد اپنے بالاخانے پر تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہوئے، اور اُدھر میاں ابو بکر پیٹ کے شدید درد میں مبتلا ہوئے، لیکن وہ فوراً ہی سمجھ گئے کہ یہ درد کس وجہ سے ہے، فوراً پالکی میں سوار ہو کر امام کے دروازے پر پہنچے، اور رونے لگے، لیکن امام مسجد اپنی تلاوت میں مصروف رہا، جب میاں ابو بکر صدر کا رونا حد سے بڑھا، تو امام مسجد نے اُن کو اس شرط پر معافی دی کہ وہ اُن کو چھ مہینے کی تنخواہ پیشگی اور خلعت وسند مجدداً عطا کریں گے جب وہ اس پر راضی ہو گئے تو امام مسجد نے کچھ پڑھ کر پانی پر پھونکا اور وہ اُن کو پینے کے لیے دیا، اُسی وقت اُنھوں نے خدا کے فضل سے شفا پائی[1]

وفات حضرت مخدوم آدم نے ٹھٹھہ میں وفات پائی، آپ کا مزار مبارک ٹھٹھہ کے مشہور قبرستان مکلی میں زیارت گاہ خاص وعام ہے۔

اولاد مخدوم آدم کے دو صاحبزادے مخدوم فیض اللہ اور مخدوم اشرف تھے، دونوں صاحبزادے علم وفضل، زہد وورع، تقوی وتقدس سے ممتاز تھے۔

---

[1] یہ تمام تفصیل تحفۃ الطاہرین صفحہ ۸۰، اور تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۳۹ سے ماخوذ ہے۔

www.maktabah.org

مخدوم آدم نے اپنی وفات کے وقت مخدوم فیض اللہ کو اپنا جانشین بنایا چند دن کے بعد، یہ دونوں صاحبزادے سرہند میں بھی حاضر ہوئے اور وہاں سے فیوض و برکات حاصل کیے، اور اپنے وطن (سندھ) میں واپس ہو کر اپنے والد محترم کے طریقہ پر رشد و ہدایت میں مصروف ہوگئے، افسوس ہے کہ اپنی والد کی وفات کے پانچ سال بعد دونوں نے عالم نوجوانی میں ایک سال کے فاصلے سے وفات پائی، اور اپنے والد کے مزار کے پہلو میں مشرقی جانب، مدفون ہوئے[۵۱]۔

مخدوم اشرف کے صاحبزادے مخدوم محمد کا سجع یہ مصرع تھا۔ ع

محمد، اشرف اولادِ آدم

خلفاء آپ کے خلفاء اور مریدین میں شیخ ابوالقاسم، شیخ ابراہیم روہڑدی، سید فتح محمد اور شیخ انس مشہور رہیں، مخدوم صابر دو لهاری نے بھی آپ سے استفادہ کیا تھا۔

---

۵۱ مرغوب الاحباب قلمی تذکرہ حضرت شیخ آدم، تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۳۵ پر ہے کہ مخدوم آدم کے جانشین ان کے صاحبزادے مخدوم اشرف ہوئے۔

(۵)

مخدوم ابوالقاسم

معروف

حضرت نقشبندی صاحب

نام۔ لقب۔ کنیت آپ کا اسم گرامی ابوالقاسم، لقب نورالحق تھا، جو آپ کے پیرومرشد شاہ سیف الدین قدس سرہ نے دیا تھا لیکن آپ پورے سندھ میں "حضرت نقشبندی صاحب" کے نام سے معروف و مشہور ہوئے، نقشبندی صاحب سے آپ نے اس وجہ سے شہرت پائی کہ ابتداءً سندھ میں سلسلۂ نقشبندیہ کا وجود نہ تھا، بلکہ سارے سندھ میں طریقۂ قادریہ اور سہروردیہ پھیلا ہوا تھا، سلسلۂ چشتیہ کا اگرچہ سندھ میں موجود تھا، لیکن وہ بھی زیادہ شایع نہ تھا، اس وقت سندھ میں صرف نقشبندیہ سلسلے کے ایک بزرگ حضرت مخدوم آدم نقشبندی تھے مگر لوگ سلسلۂ نقشبندیہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے،

مخدوم ابوالقاسم نقشبندی جب سرہند سے خرقۂ خلافت حاصل کرکے سندھ تشریف لائے تو آپ نے اس سلسلے کو سندھ میں عام کرنے کی عظیم ترین جدوجہد کی، آپ روزانہ مزدوروں، معماروں، لکڑی بیچنے والوں اور سبزی فروشوں کو طلب فرماتے اور طریقۂ نقشبندیہ کی تعلیم دیتے شام کو جب یہ لوگ

www.maktabah.org

رخصت ہونے لگتے تو ہر ایک کو اُن کی روزانہ کی اُجرت کے مطابق رقم عطا فرماتے، آہستہ آہستہ تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ سب لوگ آپ کے پاس جمع ہونے لگے، یہ لوگ آپس میں کہا کرتے کہ یہ سلسلہ بھی نیا ہے، اور یہ طریقہ تعلیم بھی نیا ہے، جب یہ سلسلہ سندھ میں عام ہوگیا، اور لوگوں کا شعور بیدار ہوگیا تو حضرت مخدوم نے یہ طریقہ عطا مسدود فرمادیا، اور آپ "نقشبندی صاحب" کے نام سے مشہور ہوگئے۔[1]

مخدوم ابو القاسم کے والد کا نام درس ابراہیم تھا، اُن کے بزرگ ابتدا ہی سے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے خاندان کے مرید معتقد تھے، مخدوم کے خاندان میں سب سے پہلے درس ابراہیم ٹھٹھہ تشریف لائے، اور ٹھٹھہ ہی میں وفات پائی۔[2]

تعلیم و تربیت ابتداءً حضرت مخدوم ابو القاسم نے قرآن مجید حفظ کیا پھر علوم ظاہریہ کی تکمیل کی، پھر آپ علوم باطنیہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

شروع میں آپ چند روز سندھ کے مشہور بزرگ حضرت شیخ مخدوم آدم قدس سرہ کی خدمت میں رہے اور اُن سے فیض حاصل کرتے رہے، اسی زمانے میں ایک روز حضرت شیخ مخدوم آدم نے مخدوم ابو القاسم کے جوہرِ قابل کو پرکھ کر فرمایا میاں صاحبزادے! تم میں نہایت عمدہ صلاحیت ہے، اگر تم سرہند چلے جاؤ تو شاید وہاں تم اپنی بلند استعداد کے مطابق استفادۂ فیوض و برکات کرسکو، شیخ آدم کی زبان مبارک سے یہ نوید سُن کر آپ میں سرہند شریف کے لئے ایک کشش پیدا پیدا ہوئی، اور آپ فوراً سرہند روانہ ہوگئے۔

---

[1] تکملۂ مقالات الشعرا مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ صفحہ ۱۸۴ و ۱۸۵۔

[2] تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۳۶۔

www.maktabah.org

حضرت شاہ سیف الدین سے ملاقات

جب حضرت مخدوم ابوالقاسم سرہند پہنچے تو اُس وقت حضرت شاہ سیف الدین جو حضرت مجدد الف ثانی[۱] کے پوتے ہوتے ہیں، حضرت مجدد صاحب کے مزار پر حاضری دینے کے لئے پالکی کے انتظار میں تھے، ابھی مخدوم ابوالقاسم چند قدم کے فاصلے پر ہی تھے کہ انھوں نے آپ کو دور سے دیکھ کر فرمایا "دادا صاحب آپ کی سفارش فرماتے ہیں!" یہ سنتے ہی حضرت مخدوم ابوالقاسم فوراً ہی قدم بوس ہوئے، حضرت شاہ سیف الدین نے فرمایا کہ تم ہمارے ساتھ زیارت کو چلا کرو، چنانچہ آپ کا معمول ہوگیا کہ آپ ہمیشہ حضرت شاہ سیف الدین کے ساتھ، حضرت مجدد الف ثانی کے مزار پر حاضر ہوتے۔

---

[۱] حضرت مجدد الف ثانی کا اسم گرامی احمد، لقب بدرالدین، کنیت ابوالبرکات اور عرف امام ربّانی تھا، آپ کے والد کا نام شیخ عبدالاحد تھا، جو حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے، حضرت مجدد الف ثانی کی ولادت باسعادت ۲۶ جون ۱۵۶۴ء کو سرہند میں ہوئی، ابتداً حضرت مجدد نے اپنے والد ماجد سے تعلیم حاصل کی، پھر سیالکوٹ میں مولانا کمال کشمیری سے تعلیم حاصل کی، اور حدیث و تفسیر کی تعلیم قاضی بہلول بدخشانی سے حاصل کی، حصول تعلیم کے بعد ایک عرصہ تک آپ اکبر آباد میں مقیم رہے، اکبر آباد سے واپسی پر آپ کی شادی تھانیسر کے ایک رئیس شیخ سلطان کی صاحبزادی سے ہوئی، ۱۰۰۸ھ میں آپ نے حضرت خواجہ محمد باقی باللہ سے بیعت کی، اور ریاضتوں و مجاہدوں کے بعد خلافت سے سرفراز ہوئے، خلافت کے بعد آپ اپنے شیخ کے ارشاد پر لاہور میں ارشاد و ہدایت کرتے رہے، ۱۰۱۲ھ میں اپنے شیخ کی وفات کے بعد آپ نے اپنے وطن سرہند میں ارشاد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا، ۱۶۱۹ء میں آپ کی مجددانہ فیوض و برکات سارے ہندوستان اور ہندوستان کے باہر پھیل چکے تھے، جہانگیر نے آپ کو ظالمانہ طریقے پر ایک سال تک قلعۂ گوالیار میں قید رکھا، آخر اپنی غلطی پر نادم ہو کر معافی کا خواہاں ہوا، اور آپ کو رہا کر دیا، آخر میں جہانگیر آپ کا بے حد معتقد ہوگیا تھا، ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ کو آپ واصل الی اللہ ہوئے، آپ کا مزار مبارک سرہند میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے (ماخوذ از موجِ کوثر)

www.maktabah.org

بیعت مختصر یہ کہ سلوک و طریقت کے تمام منازل آپ نے حضرت شاہ سیف الدین سے طے کیے اور آپ ہی کے دستِ حق پرست پر بیعت کی،

اس سلسلے تین مرتبہ حضرت مخدوم ابو القاسم سرہند حاضر ہوئے، اور اپنے مرشد سے اکتسابِ فیوض باطنی کرتے رہے۔

مُرشد کا ارشاد تیسری مرتبہ جب آپ اپنے پیر سے رخصت ہونے لگے، تو حضرت شاہ سیف الدین نے ارشاد فرمایا کہ میاں اب ہمارا تمہارا معاملہ بالکل یکساں ہوگیا، اب تم سندھ جاکر ہمارے طریقے کو پھیلاؤ، مخدوم ابو القاسم نے نہایت ادب سے عرض کیا کہ مجھے کیا عذر ہوسکتا ہے، لیکن قرآن مجید میں ہے کہ فاوبھم کالحجارۃ او اشدُّ قسوۃ، یعنی بعض آدمیوں کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں، فرمایا ہاں بلاشبہ ایسا ہی ہے، تم سندھ کے کسی ایک عالم کی طرف توجہ دو۔

پیر کے ارشاد کی تعمیل چونکہ اُس وقت سندھ میں اپنے علم و فضل، تقویٰ تقدس کے اعتبار سے میاں عبدالباقی واعظ[۱] ساکن متعلوی مشہور تھے، مخدوم ابو القاسم نے سرہند میں بیٹھے ہوئے اُن پر توجہ کی، اس وقت میاں ابو القاسم وعظ فرما رہے تھے، لوگوں کا بیان ہے کہ اُن پر ایک ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ وہ اپنے آپ میں نہ رہے، اس کی اطلاع جب شاہ سیف الدین اور مخدوم ابو القاسم کو سرہند پہنچی تو شاہ سیف الدین نے مخدوم ابو القاسم سے فرمایا کہ تم نے اپنی توجہ کا کرشمہ دیکھا، جاؤ اب سندھ میں تم سے رشد و ہدایت کے سر چشمے پھوٹیں گے، وہاں پہنچ کر دین کو حیاتِ نو بخشو، مخدوم ابو القاسم نے عرض کیا۔ مجھے تعمیل ارشاد میں

---

[۱] میاں عبدالباقی واعظ۔ مخدوم ابو القاسم کے فیض یافتگان میں تھے، اور اپنے دور کے مشہور واعظ تھے، اُن کے مواعظ و تذکیر سے بہت سے لوگوں نے ہدایت پائی (تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۷۶)

www.maktabah.org

عذر نہیں، لیکن جب کہ طالبانِ حق کی آمد و رفت میرے پاس کثرت سے ہوگی، اُن کے اخراجاتِ خورونوش کا کیا انتظام ہوگا؟ فرمایا آؤ، تاکہ میں تمھیں عملِ قرطاس سکھادوں کاغذ کو کاٹ کر مٹھی میں لو، خدا کے حکم سے تم روپیہ یا ریال یا اشرفی جس چیز کا خیال تم دل میں کرو گے مٹھی کھولنے کے بعد اس کو پاؤ گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ نے مخدوم ابوالقاسم کو تسخیر ہوا کا عمل بھی بتایا تھا یعنی ہوا میں ہاتھ مارتے تھے اور جو چاہتے تھے مٹھی میں آجاتا تھا۔

سندھ میں پہنچنے کے بعد حضرت مخدوم ابوالقاسم نے بہت سے بھٹکے ہوئے انسانوں کا رشتہ خدا سے جوڑا، لوگوں کو نیکیوں اور بھلائیوں کی طرف بلایا، برائیوں اور بداخلاقیوں سے روکا، یہاں تک کہ سندھ کے علاوہ دور دور سے لوگ طالبِ حق بن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور راہِ سعادت پاکر واپس جاتے تھے۔

نظامِ اصلاح و تربیت

حضرت مخدوم ابوالقاسم کے اصلاح و تربیت کا نظام کسی خاص طبقے یا جماعت سے متعلق نہ تھا، بلکہ آپ کے رشد و ہدایت کا ابرِ گہربار خاص و عام دونوں کو فیض یاب کرتا تھا، اور دونوں طبقے کے لوگ آپ کی ذاتِ بابرکات سے مستفید ہوتے تھے تحفۃ الطاہرین میں ہے کہ۔

آں ذاتِ ملک صفات خورشیدِ مرحمت بود کہ بر خلق می تافت، وسحابِ رحمت بود کہ عالم از رشحۂ عنایتش فیض می یافت، ہزاراں مردم بیمن نظر فیض اثرِ وی بمسلک دل راہ بردند و بشغل ذکر خفی بدرجۂ تحقیق رسیدند۔[۵۱]

---

[۵۱] تحفۃ الطاہرین شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ صفحہ ۱۸۔

تحفۃ الکرام میں ہے کہ

از اجلِ مشائخ صاحب حال و قال برآمدہ، بفیض متکاثر رسانیدہ، صحبتش گم گشتگان بادیۂ ضلالت را بشاہراہِ نجات فائز کردے، بسیار بزرگ از خدمتش بمقصد رسیدند۔[۵۱]

استجابتِ دعا بیحد مستجاب الدعوات تھے، ٹھٹھہ کے گورنر نواب سیف اللہ خاں[۵۲] کا ایک مصاحب حضرتِ مخدوم محمد معین ٹھٹھوی سے چھپی ہوئی دشمنی رکھتا تھا، اور آپ کو اذیت پہنچانے کی فکر میں لگا رہتا تھا، اُس کی خفیہ کوشش یہ تھی کہ کوئی ایسی ترکیب کی جائے کہ جس سے نواب سیف اللہ خاں مخدوم محمد معین کے خلاف ہو جائے، لیکن اس کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوتی تھی، ایک دن اُس نے نہایت چالاکی سے علاقہ چاچکان[۵۳] کی فوجداری کی خدمات کے احکام نواب سے اپنے لیئے حاصل کر لئے، کیونکہ اس علاقے میں مخدوم محمد معین کی جاگیر واقع تھی، جس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ وہاں پہنچ کر مخدوم محمد معین کی جاگیر کو نقصان پہنچائے، اور اس حد تک ویران کرے کہ کبھی آباد نہ ہو سکے، مخدوم محمد معین کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ اپنے پیر و مرشد مخدوم ابوالقاسم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور تمام واقعہ بیان کیا، آپ اُس وقت وضو فرما رہے تھے، واقعہ سنتے ہی لوٹا آپ کے ہاتھ سے چھوٹ کر گرا اور ٹوٹ

---

۵۱ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۳۶

۵۲ نواب سیف اللہ خاں ذالحجہ ۱۱۳۷ھ میں ٹھٹھہ کا گورنر مقرر ہوا، اُس نے ٹھٹھہ کے نظم و نسق کو بہترین طریقہ پر چلایا، اور شہر کو پُررونق بنایا، اُس نے ۱۱۴۳ھ میں فتق میں مبتلا ہو کر وفات پائی، اور ٹھٹھہ کے مشہور قبرستان "مکلی" میں جلوہ گاہِ امامین میں مدفون ہوا، اس کی تاریخ وفات اس مصرعہ سے نکلتی ہے:-
ع "دستِ دے بادامن آلِ رسول" (تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۰۲)۔
۱۱۴۳ھ

۵۳ چاچک تعلقہ بدین میں ایک موضع ہے، اور ایک قوم بھی ہے، اس موضع کے اطراف کو "پرگنہ چاچکان" اور "علاقہ چاچکان" کہتے ہیں (تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۶۵)۔

www.maktabah.org

گیا، آپ مخدوم محمد معین کی طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا کہ مطمئن رہو اُس بد اندیش کا انجام بھی ایسا ہی ہوگا، چنانچہ جیسے ہی وہ فوجداریِ چاچکان کے احکام لے کر روانہ ہوا، ابھی وہ گھوڑے پر سوار ہو کر شہر سے نکلا ہی تھا، اور دریا کے گھاٹ سے آگے گزرنے بھی نہ پایا تھا کہ اچانک اس کا گھوڑا اچراغ پا ہوا، اور وہ گھوڑے سے گرا، گھوڑا اُس کو زمین پر پٹک کر اس حال میں بھاگا کہ اُس کا ایک پاؤں رکاب میں تھا، اور گھوڑا دوڑ رہا تھا، یہاں تک کہ اُسی حالت میں اُس نے دم توڑ دیا۔

مریدین وخلفا

آپ کے مریدین وخلفار کی تعداد کثیر ہے، تکملۂ مقالات الشعرا کے فٹ نوٹس میں سید حسام الدین صاحب راشدی نے "طومار سلاسل" کے حوالے سے آپ کے مریدین وفیض یافتگان کے حسب ذیل اسمائے گرامی دیئے ہیں۔

(۱) مخدوم محمد معین ٹھٹھوی

(۲) محمد مقیم ولد سعد اللہ، ساکن جھیجہ

(۳) میاں محمد یعقوب سمہ، ساکن قریہ کبر

(۴) شیخ یحییٰ عرب جنھوں نے مدینۂ طیبہ میں اس طریقے کا احیا کیا)

(۵) سید سلطان شاہ ہندی

(۶) میاں حبیب، مشہور بمیت پوترہ

(۷) میاں عبدالوالی، برادر عبدالباقی واعظ الگھی

(۸) حاجی کمال اودھیجہ

(۹) مخدوم ضیاء الدین دانشمند معروف ٹھٹھوی

(۱۰) میاں نور محمد سہارہ

(۱۱) سید ناصر ولد سید نعمت اللہ شکر اللّٰہی، شیرازی

www.maktabah.org

(۱۲) سید عبداللہ ولد سید نعمت اللہ شکراللٰھی، شیرازی
(۱۳) مخدوم عنایت اللہ بصیر، واعظ ٹھٹھوی
(۱۴) میر مرتضیٰ ولد میر کمال الدین خاں رضوی
(۱۵) سید رحمت اللہ عرف سید متو، شکراللٰھی، شیرازی
(۱۶) میاں عبدالباقی واعظ، ساکن الگھم ومتعلوی
(۱۷) عبدالرحیم سومرہ
(۱۸) مخدوم میدنہ نصرپوری
(۱۹) درس بلال، ساکن پران
(۲۰) میاں محمد، نواسہ مخدوم آدم نقشبندی

معیار السالکین میں بھی آپ کے دو تین خلفاء کا تذکرہ موجود ہے جو بندر سورت میں رہ کر سلسلۂ نقشبندیہ کے فروغ و ترقی میں مصروف تھے۔

میاں ابوالحسن خشت والہ جو عمرکوٹ کے قریب کہیں رہتے تھے، اور بزرگوں سے نہایت عقیدت رکھتے تھے، ان کی عادت تھی کہ جس شہر میں کسی بزرگ کا تذکرہ سنتے اُن کی خدمت میں حاضر ہوکر ایک ماہ یا دو ماہ یا ایک چلّہ گذارتے اور فیض حاصل کرتے تھے، جب مخدوم ابوالقاسم کے فیوض و برکات کا چرچا سندھ میں عام ہوا تو یہ بھی ایک چلّہ گزارنے کے لئے آپ کی خدمت میں پہنچے، آپ نے تین چار روز کے بعد ان کو روانگی کی اجازت دے دی، اور خلافت عطا فرما کر حکم دیا کہ اپنے بزرگوں کے طریقے کے مطابق دین کو پھیلائیں، جب یہ اپنے وطن واپس لوٹے، تو اہل وطن ان سے ملنے کے لئے آئے اور انھوں نے ان سے کہا کہ آپ کی عادت تو یہ ہے کہ آپ جب کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو ان کے پاس ایک یا دو چلے گزارتے ہیں، شاید آپ کا وہاں دل نہیں لگا، اسی لئے

www.maktabah.org

آپ جلد واپس تشریف لے آئے، میاں ابوالحسن نے کہا افسوس ہے کہ یہ تم کیسی فضول باتیں کر رہے ہو، حقیقت یہ ہے کہ ان کے یہاں کی ایک دو گھڑی دوسروں کے یہاں تمام عمر کے رہنے سے بہتر ہے، وہ چیز کہ جس کی مجھے تلاش تھی، اور جسے میں ہر دروازے پر ڈھونڈتا تھا اُس بارگاہ میں میں نے تین چار روز میں حاصل کر لی۔

منقول ہے کہ ایک شخص نے درگاہِ حضرت پیر پٹھا میں تصوف کے کسی خاص مقام کے حصول کے لئے ایک چلّہ کھینچا، جب چالیسویں رات ہوئی، تو عالم مراقبہ میں حضرت پیر پٹھا نے اس سے فرمایا کہ بابا نہ اس زمانے میں لوگوں کی وہ طلب ہے، اور نہ وہ طلب کرنے والے ہیں، تم جس مقام کے طالب ہو کر آئے ہو وہ تمھیں بغیر محنت کے کیسے حاصل ہو سکتا ہے، بیچارہ بددل اور ملول ہو کر وہاں سے لوٹا، اور مخدوم ابوالقاسم کی شہرت سن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، تھوڑے ہی دن میں تصوف کے جس مقام کا وہ طالب تھا، اُس سے بلند تر مقامات پر فائز ہوا، ایک روز اس نے تنہائی میں حضرت مخدوم ابوالقاسم سے درگاہ حضرت پیر پٹھا پر چلّہ کھینچنے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ حضرت پیر قدس سرہٗ نے تو ایسا فرمایا تھا، اور میں آپ کی خدمت میں رہ کر چند ہی دن میں اُس مقام سے کہیں بالاتر گذر چکا ہوں، آپ نے فرمایا بیشک بابا پیر قدس سرہ نے جو تم سے فرمایا تھا وہ صحیح ہے جو کچھ بھی انسان کو حاصل ہوتا ہے، محنت سے حاصل ہوتا ہے، مگر یہاں خدا کی رحمت کا بحرِ بے پایاں جوش میں آیا ہوا ہے جو ہر خشک زمین کو سیراب کر رہا ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہب ایک دوسری چیز ہے، اور کسب ایک اور چیز، کا سب خواہ درزی ہو یا دھوبی اگر تم اس سے سوال کرو کہ تم ایک لاکھ روپیہ جمع کر سکتے ہو، وہ بغیر تامل کے جواب دے گا کہ میرے لئے یہ ناممکنات میں سے ہے، لیکن وہ شخص

www.maktabah.org

جس کو بادشاہِ وقت نے طلب کرکے اپنی مہربانی سے ایک وقت میں دس لاکھ روپیہ دے دیا ہو، اگر اس سے یہی سوال کیا جائے تو وہ جواب دے گا کہ اگر خدا چاہے تو یہ ایک منٹ میں ممکن ہے۔

حجرۂ حضوری خانقاہ کے جس حجرے میں آپ کا قیام تھا وہ حجرۂ حضوری کہلاتا تھا، حجرۂ حضوری کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک رات عشا کے بہت دیر بعد، آپ کے حجرے سے دو آدمیوں کے آہستہ آہستہ باتیں کرنے کی آواز آرہی تھی، خانقاہ کے فقیروں نے یہ سمجھا کہ شاید شہر کے عمائدین میں سے کوئی آیا ہے جس سے آپ باتیں فرما رہے ہیں۔ تھوڑی دیر میں آپ حجرے سے برآمد ہوئے، اور تازہ وضو کیا، اور خانقاہ کے ایک فقیر سے فرمایا کہ حجرے میں سے ہماری دستار لاؤ، فقیر حجرے سے دستار لینے کے لئے گیا، لیکن جب وہ اندر داخل ہوا تو اُسے حیرانی ہوئی کہ حجرے میں کوئی دوسرا آدمی موجود نہیں تھا، وہ بہت دیر تک حیران رہا کہ حجرے میں کوئی موجود نہیں، آخر یہ دوسری آواز کس کی تھی۔ کچھ دن بعد اسی خادم نے راز میں اس کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے تھے، اس وقت سے آپ کے حجرے کا نام حجرۂ حضوری پڑ گیا۔

وفات ۷ رشعبان ۱۱۳۸ھ کو حضرت مخدوم ابوالقاسم واصل الی اللہ ہوئے، سالِ تاریخ وفات اس شعر کے مصرعۂ ثانی سے نکلتا ہے۔

بسالِ وصلِ او ہاتف بگفتہ مدد
ابوالقاسم سراسر نورِ حق بود

۱۱۳۸ھ

فضائل طریقہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ حضرت شاہ ضیاء الدین الحق صاحب سرہندی نے فرمایا کہ جب میں نے یہ سنا کہ شیخ جیہ چراغ نکلی ہیں، تو

www.maktabah.org

اس خاک کے ذرّوں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے اک صاحب اسرار



مزار مخدوم ابوالقاسم نقشبندی
واقع مکلی - ٹھٹھہ
جن سے سندھ میں سلسلہ نقشبندیہ کو غیرمعمولی فروغ حاصل ھوا
(بشکریہ سندھی ادبی بورڈ)

www.maktabah.org



کتبہ مزار حضرت مخدوم ابوالقاسم نقشبندی
واقع قبرستان مکلی - ٹھٹھہ
(بشکریہ سندھی ادبی بورڈ)

www.maktabah.org

مجھے خیال ہوا کہ آپ کے مزار مبارک کی زیارت کرنی چاہیے، چنانچہ انہوں نے مکلی حاضر ہوکر شیخ جیہ کے مزار کی زیارت کی پھر فرمایا بیشک آپ "چراغ مکلی" ہیں، جب انہوں نے حضرت مخدوم ابوالقاسم کے مزار کی زیارت کی تو فرمایا کہ یہ بزرگوار مکلی کے خورشید ہیں، اور خورشید کے سامنے چراغ کی کیا حقیقت ہے۔

شاہ ضیاء الدین الحق پھر ایک مرتبہ سندھ تشریف لائے، اور جب آپ مخدوم ابوالقاسم کے مزار مبارک پر حاضر ہوئے تو دیر تک مراقبہ کیا، پھر فرمایا یہ تو سرہند کی خانقاہ ہے۔

آپ کی بزرگی وفضیلت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ آپ کے شیخ شاہ سیف الدین کے پاس جب سندھ کے بڑے بڑے علما اور اولیا خط لکھتے اور کچھ دریافت کرتے تو آپ تحریر فرماتے کہ خدا کی طرف سے خطۂ سندھ مخدوم ابوالقاسم کے حوالے ہے، جو کچھ پوچھو اُن سے پوچھو۔[1]

سندھ کے عظیم المرتبت عالم مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی آپ سے بیحد عقیدت رکھتے تھے، اور ہر روز آپ کی نشست گاہ میں جاروب کشی کو اپنی سعادت سمجھتے تھے، اور آپ سے توجہ وتلقین کے طالب رہتے تھے۔[2]

شاعری آپ کا ایک شعر صاحب مرغوب الاحباب نے اپنے تذکرہ میں نقل کیا ہے، جسے ہم یہاں تبرکاً نقل کرتے ہیں ؎

ہر لوحِ دل جو تختۂ تعلیم کو دکال
ہر حرفِ آرزو کہ نوشتم خراب شد[3]

---

[1] مخدوم ابوالقاسم کے تمام حالات تکملۂ مقالات الشعراء باب الخا ربضمن خلیل سے ماخوذ ہیں۔
[2] تکملۂ مقالات الشعراء مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ صفحہ ۴۴۔
[3] مرغوب الاحباب قلمی۔ تذکرہ مخدوم ابوالقاسم۔

www.maktabah.org

اولاد | مخدوم ابوالقاسم کی اولاد میں میاں احمد رُشد وہدایت کا آفتاب بن کر چمکے، لیکن افسوس ہے کہ عالمِ جوانی ہی میں آپ نے وفات پائی۔[1]

خوش درخشید ولے لمعۂ مستعجل بود

---

[1] تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۳۶

www.maktabah.org

(٦)

درویش اسحاق

معروف

بہ اسحاق پوتہ

حالات درویش اسحاق صاحبِ حال اور باکرامت بزرگ تھے، اپنا سارا وقت عبادتوں، ریاضتوں اور مجاہدوں میں گزارتے، سخاوت و فیاضی کا یہ حال تھا کہ جو کچھ اُن کے پاس ہوتا خدا کی راہ میں دے دیتے یہاں تک کہ اگر کچھ بھی نہ ہوتا اور کوئی سائل و مسکین آپ کے دروازے پر آجاتا تو اپنی چادر یا تہبند اس کو دے دیتے، لیکن اُس کو خالی ہاتھ نہ جانے دیتے۔

صائم الدہر تھے، اور آخر عمر میں ایک ہتیلی بھر اجواین سے روزہ افطار کرتے۔

وفات ایک روز فجر کی نماز پڑھ رہے تھے، عین سجدے کی حالت میں آپ نے وفات پائی۔

مزار آپ کا مزار ٹھٹھہ کے مشہور قبرستان مکلی میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔[1]

---

[1] تحفۃ الطاہرین مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ صفحہ ۴۹ و ۵۰

(۷)

شیخ ابراہیم

حالات آپ کا نام شیخ ابراہیم تھا، اپنے زہد و تقدس کی وجہ سے اولیا و صوفیا میں ممتاز تھے، ہمیشہ جنس غلّے سے کھانے سے پرہیز کرتے اور ذکر الٰہی میں مشغول رہتے، یہاں تک کہ آپ کو کھانے پینے کی چیزوں میں میٹھے اور کھٹّے کی لذّت معلوم نہ تھی۔

جس بیماری میں کہ آپ نے وفات پائی، آپ کی لڑکی نے ایک دن آپ کے لئے گیہوں کی ایک روٹی اس میں گھی اور شکر ڈال کر پکائی، اور اپنے والد کے سامنے لے کر آئیں تاکہ آپ اُسے نوش فرمائیں، شیخ ابراہیم نے پوچھا یہ کیا ہے؟ اُنہوں نے کہا کہ گیہوں کی روٹی ہے جس میں گھی اور شکر پڑی ہوئی ہے، فرمایا اے میرے آنکھوں کے نور اب جب کہ میری زندگی کا آفتاب غروب ہونے کے قریب ہے، اور میرے عمر بھر کے روزے کے افطار کا وقت قریب آچکا ہے، تم چاہتی ہو کہ میں اپنے عمر بھر کے روزے کو اِن دو تین میٹھے لقموں کی وجہ سے کہ جن کی لذت ایک منٹ سے زیادہ نہیں توڑ دوں، اور مشاہدۂ ابدی کی حلاوت کی چاشنی سے محروم رہوں، یہ ممکن نہیں۔

مزار وفات کے بعد موضع شکر یاری میں مدفون ہوئے۔[۱]

---

[۱] حدیقۃ الاولیا ر قلمی صفحہ ۲۱۶ - ۲۱۷ - ۲۱۸ - ۲۲۴ و تحفۃ الکرام صفحہ ۱۴۵ ؛ جلد ۳۔

www.maktabah.org

(۸)

مخدوم بلال تلٹی

نام و وطن اسمِ گرامی بلال تھا، آپ موضع تلٹی[ا] کے رہنے والے تھے۔ شاہ حسن[۲] ارغون کے ہمعصر تھے۔

ملاقات و ہمنشینی مخدوم بلال، حقائق و معارف آگاہ مخدوم جمعہ کے ہمنشین تھے، اور اُن سے انتہائی مخلصانہ تعلقات رکھتے تھے[۳]، مخدوم جمعہ اپنے وقت کے جید عالم اور بڑے متقی و متدین بزرگ تھے۔

علومِ ظاہری مخدوم بلال علوم ظاہری میں بھی بڑا بلند مرتبہ رکھتے تھے، اور لوگ اُن کے تبحرِ علمی سے استفادہ کرتے تھے، صاحبِ تحفۃ الکرام میر علی شیر قانع ٹھٹوی نے لکھا ہے

"از اجلۂ عارفانِ، واصلِ بحق در علمِ ظاہر شانے عظیم داشتہ"

میر معصوم بھکری نے اپنی مشہور کتاب تاریخ معصومی میں لکھا ہے۔

"در وادیِ تقوی و زہد شبیہ و نظیر نداشتہ در علمِ حدیث و تفسیر مہارتِ تامہ داشتہ و صاحبِ مقاماتِ ارجمند بود"

---

[۱] تلٹی ضلع دادو کا ایک موضع ہے۔ [۲] مرزا شاہ حسن ارغون سندھ میں ارغون خاندان کا دوسرا بادشاہ تھا، یہ ۹۲۸ھ میں اپنے والد شاہ بیگ ارغون کی وفات کے بعد نصر پور میں تخت نشین ہوا، اور ۹۶۲ھ میں اس نے موضع علی پوترہ میں وفات پائی (معصومی صفحہ ۱۹۲)

[۳] مخدوم جمعہ کا مزار تلٹی میں واقع ہے (تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۵۰)

www.maktabah.org

عبادت ایامِ طفلی ہی سے آپ کو عبادت کا ذوق و شوق تھا، ہمیشہ تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتے، تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ ساری عمر آپ نماز و روزے میں مصروف رہے[1]، ریاضتوں اور مجاہدوں کی یہ کیفیت تھی کہ رات کو آپ پانی سے بھرے ہوئے ایک بڑے طشت میں بیٹھ کر ذکر و شغل کرتے، ذکر و شغل کی وجہ سے پانی میں ایک جوش پیدا ہو جاتا، اور پانی چکی کی طرح گھومنے لگتا، اور پانی میں یہ جوش اس وقت تک باقی رہتا تھا تاوقتیکہ صبح کو وہ پانی دریا میں نہ پھینک دیا جاتا[2]۔

رُشد و ہدایت لیکن اس زہد، عبادت اور ریاضت کے باوجود آپ رشد و ہدایت کے فرائض سے کبھی غافل نہ ہوئے، عوام کی مذہبی اور روحانی تعلیمات کی طرف آپ کی خاص توجہ تھی، عبادت و ریاضت کے بعد آپ کو جو کچھ وقت ملتا، آپ اپنے وقت کا بڑا حصہ پند و موعظت میں صرف کرتے، اور عوام کی اخلاقی و معاشرتی حالت سنوارنے کی کوشش کرتے[3]۔

بزرگوں کی عقیدت گذشتہ بزرگوں سے غیر معمولی عقیدت رکھتے، اور اُن کے مزار پر حاضری و زیارت کو اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھتے تھے۔

ایک دفعہ آپ سلطان العارفین حضرت مخدوم لعل شہباز قلندرؒ کی زیارت کے لئے کشتی میں بیٹھ کر سیون تشریف لے جا رہے تھے، کشتی کا ملاح جیسا کہ اِن لوگوں کی عادت ہوتی ہے، گالی گلوچ و خرافات بکنے میں مصروف تھا، لوگ اُس کی یاوہ گوئی اور بیہودہ سرائی سے تنگ آکر بار بار اُس کو روکتے تھے مگر وہ کسی کی نہ سنتا تھا، اور برابر اپنی بکواس میں لگا ہوا تھا، جب معاملہ حد سے بڑھا اور وہ کسی

---

[1] تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۶۱ [2] تحفۃ الطاہرین صفحہ ۳۱ [3] معصومی صفحہ ۱۹۸

www.maktabah.org

طرح خاموش نہ ہوا تو مخدوم بلال اپنی جگہ سے اٹھے اور اپنی ٹوپی ملاح کے سر پر رکھ دی، ٹوپی کا سر پر رکھنا ہی تھا کہ ایک عجیب و غریب تبدیلی ملاح میں پیدا ہوئی لوگوں نے دیکھا کہ وہی ملاح جو طرح طرح کی بکواس کر رہا تھا ٹوپی کے سر پر رکھتے ہی یکایک قرآنی آیات کے معارف اور احادیث نبوی کی توضیحات کرنے لگا، کشتی میں بیٹھنے والا ہر فرد اس تبدیلی پر حیران تھا، یہاں تک کہ سفر پورا ہو گیا کشتی سے اترتے وقت مخدوم نے اپنی ٹوپی اس کے سر پر سے اتار لی، ملاح کی پھر وہی حالت عود کر آئی حسبِ عادت پھر وہ اپنی بکواس میں مصروف ہو گیا۔[1]

وفات مخدوم بلال نے ارغون خاندان کے پہلے بادشاہ شاہ بیگ ارغون[2] کے ایک سال بعد ۹۲۹ھ میں وفات پائی، آپ کا مزار "مکلی" میں درگاہ شیخ حماد جمالی کے عقب میں واقع ہے۔[3] باغبان

خلفاء و مریدین حضرت مخدوم بلال کے خلفاء میں مخدوم رکن الدین مشہور بہ مخدوم متو امتیازِ خاص رکھتے ہیں۔ مخدوم متو حضرت ابوبکر صدیق کی اولاد سے تھے، ہمیشہ اوراد و وظائف و عبادات میں مصروف رہتے، مسندِ ارشاد پر بیٹھے تو ان کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، معصومی میں لکھا ہے کہ:۔

"سالکانِ طریق زہد و تقویٰ و طالبانِ منہاج رشاد و ہدیٰ[4] نسبت

---

[1] یہ واقعہ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۴۱ و معصومی جزسیوم صفحہ ۱۹۹ پر مختلف الفاظ کے ساتھ منقول ہے۔

[2] شاہ بیگ خاندان ارغون کا پہلا بادشاہ ہے جس نے ۹۲۶ھ میں قندھار سے آکر سندھ کو فتح کیا۔ ۹۲۸ھ میں جب کہ وہ گجرات کے فتح کرنے کے ارادے سے سفر کر رہا تھا، راستے میں بیمار ہوا، ۲ شعبان ۹۲۸ھ کو اس نے راستہ ہی میں وفات پائی۔ اس کی لاش بھکر لائی گئی، اور تین سال کے بعد اس کے تابوت کو مکہ معظمہ بھیجا گیا، جہاں وہ جنت المعلیٰ نامی قبرستان میں مدفون ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا میرزا شاہ حسن ارغون سندھ کا فرمانروا ہوا۔ (معصومی ۱۲۷)

[4] تحفۃ الطاہرین

[3] معصومی جزسیوم صفحہ ۱۹۹۔

www.maktabah.org

باو در غایت ارادہ بودند و اعتماد بر سلوک او نمودند۔"

علومِ ظاہری میں بھی یگانۂ عصر اور صاحبِ تالیف و تصنیف تھے، آپ کی تصانیف میں شرح اربعین، شرح کیدانی اور بعض دوسرے رسائل مشہور ہیں۔

مخدوم رکن الدین نے ۹۴۹ھ شاہ حسن بیگ ارغون کے زمانہ میں ٹھٹھہ میں وفات پائی، مخدوم بلال کے تربیت یافتگان میں مورخین نے سید حیدر ساکن موضع سن کا بھی تذکرہ کیا ہے، جو بارہ سال کی عمر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آپ کے فیض تربیت سے روحانی مراتب کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہوئے، سید حیدر نے ۹۳۷ھ میں وفات پائی[1]۔

شاعری مخدوم بلال شاعری سے بھی دلچسپی رکھتے تھے، ان کی ایک رباعی صاحبِ مقالات الشعراء نے نقل کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ تصوّف کے دقیق نکات کو انتہائی دل آویزی و دلکشی کے ساتھ پیش کرتے ہیں، فرماتے ہیں۔

ذرراہِ خدا ز سر قدم باید ساخت — سرمایۂ اختیارِ خود می باید باخت
کفر است بخود نمائی بردن بجہاں — از خویش بروں شدہ سویش بباید تاخت[2]

---

[1] مقالات الشعراء مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ صفحہ ۹۲ ۔ [2] معصومی صفحہ ۲۰۶

www.maktabah.org

(۹)

درویش برکیہ کا تیار

حالات آپ کا نام شیخ برکیہ آپ کے والد کا نام شاہو کا تیار تھا، اپنے زہد و تقویٰ میں غیر معمولی شہرت رکھتے تھے، مخدوم احمد و محمد ابن حضرت اسحاق ہالہ کندی کے ہمعصر تھے، صاحب حدیقۃ الاولیار نے اپنے تذکرے میں ان الفاظ سے آپ کو متعارف کرایا ہے۔

آن عارفِ محقق و مجذوبِ حق، والیِ کشور ولایت، سالکِ سالکِ حقیقت، سردفترِ مجاہدانِ راہ ترک و فنا، سالارِ روندگان بوادیِ مخالفت نفس و ہوا رانفس کامل، صاحبِ حال اہلِ دل، قدوۂ ابرارِ روزگار، زبدۂ احرار نامدار یعنی شیخ برکیہ ولد شاہو کا تیار از جملہ بزرگوارانِ نامدار و مشائخِ کبار و سالک و مجذوب بود۔

مجاہدات درویش برکیہ کا تیار نے ابتدا ہی سے نہایت سخت مجاہدات کئے تھے، جو مشکل ہی سے دوسرا شخص کر سکتا ہے، میر علی شیر قانع ٹھٹھوی نے تحفۃ الکرام میں لکھا ہے کہ

درا وائل احوالِ ریاضات شاقہ کشیدہ

حدیقۃ الاولیار میں ہے کہ

کہ در اوائل حال ریاضتِ بیشمار و مجاہدات بسیار کشیدہ

www.maktabah.org

(عباداتِ شاقہ و اعمالِ دقیقہ از وجود انجامیدہ)

سرما کے شدید موسم میں جب کہ شدتِ برودت سے پانی جم جاتا تھا، شیخ برکیہ کا تیار ایک چادر اوڑھ کر دریا کے کنارے تشریف لے جاتے، اور غسل فرما کر اُسی بھیگی ہوئی چادر میں نماز میں مشغول ہو جاتے یہاں تک کہ نماز پڑھتے پڑھتے وہ چادر آپ کے بدن پر خشک ہو جاتی، پھر آپ غسل فرماتے اور نماز میں مشغول ہو جاتے اسی طرح صبح ہو جاتی تھی۔

موسم گرما میں جب کہ سورج کی تمازت شباب پر ہوتی تھی، اور آفتاب کی حرارت سے چشموں کا پانی کھولنے لگتا تھا، اور پرندے گرمی کی شدت سے ہوا میں اڑتے ہوئے گر پڑتے تھے، آپ چٹیل صحراؤں میں تشریف لے جاتے، اور تپتے ہوئے ریت پر نماز میں مشغول ہو جاتے، اس کی وجہ سے آپ کا جسم جُھلس گیا تھا۔

آپ کے تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ روزے بڑی کثرت سے رکھتے تھے، اور ایک روزہ تو سولہ سال کے بعد آپ نے افطار فرمایا[۱]۔

ایک روز فرمایا کہ میں نورِ الٰہی کے مشاہدہ میں مستغرق تھا کہ میں نے ایک غیبی آواز سُنی کہ کوئی کہتا ہے کہ اسے برکیہ بندہ ہونا چاہتے ہو؟ میں نے کہا نہیں، پھر آواز آئی کہ ملازم ہونا چاہتے ہو، میں نے کہا نہیں، پھر میں نے سُنا کہ کوئی کہتا ہے کہ نہ بندہ ہونا چاہتے ہو نہ ملازم آخر کیا چاہتے ہو، میں نے کہا میں کچھ

---

[۱] ایک روزہ کا سولہ سال کے بعد افطار کرنا بظاہر امکان سے باہر ہے، یہ صومِ وصال کی صورت ہوگی کہ افطار کے وقت برائے نام کچھ کھا لیتے ہوں گے، اور دوسرے دن پھر روزہ رکھ لیتے ہوں گے، شاید دیکھنے والوں نے اپنے عدمِ علم کی وجہ سے اسے ایک روزے سے تعبیر کر لیا ہے، (مؤلف)

www.maktabah.org

ہوں ہی نہیں، اس لئے کچھ نہیں چاہتا، میرے اس جواب کے بعد قدرت کا ہاتھ مجھے اپنی پیٹھ پر محسوس ہوا، اور یہ مجھے عرفان کی دولت بخشی گئی۔[1]

مزار | آپ نے موضع کاتیار[2] میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

---

[1] یہ واقعہ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۶۱ پر مذکور ہے، باقی تمام واقعات حدیقۃ الاولیاء قلمی صفحہ ۱۸۸ تا ۱۹۹ سے ماخوذ ہیں۔

[2] موضع کاتیار تعلقہ نصرپور میں واقع ہے۔

www.makhtabah.org

(۱۰)

حضرت شیخ پٹھا دیبلی

نام و نسب آپ قوم اپلان سے تھے۔ آپ کا اصل نام حسین، لقب شاہ عالم کنیت ابوالخیر ہے۔ والد کا نام راجبار اور والدہ کا نام سلطانی (بنت مراد بن شرفو) ہے۔ لیکن سارے سندھ میں آپ "شیخ پٹھا" کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب حسین بن راجبار بن کاھہ بن سخیرہ ہے۔ قانع کا بیان ہے کہ مشہور بزرگ شاہ جمیل گرناری (سید عبدالہادی بن سید عبدالعطاس بھی آپ کی بیعت میں داخل تھے اور اُن کا مقبرہ حضرت شیخ پٹھا کے مقبرے کے پاس واقع ہے۔

بزرگی و عظمت شیخ پٹھا سندھ کے قدیم بزرگوں میں سے ہیں کہ جن سے اس ملک میں ہدایت و عرفان کا نور پھیلا، صاحب تحفۃ الکرام نے اُن کی بزرگی اور کمال کا اعتراف علامہ قاضی محمود کے ان الفاظ کو نقل کرتے ہوئے کیا ہے۔

اقدم اولیا، واکرم واصلان راہ خدا می باشد در تعریفش چہ قدم کسی راہ رود کرشمہ از ذوالا مقاماتش بدفتر نگنجد، در اکثر سند ہمچو صاحب کمالی کم برخواستہ۔

بیعت حضرت شیخ پٹھا موضع آری[۱] کے قریب ایک پہاڑ کے غار میں، جہاں آج

---

[۱] موضع آری ٹھٹھہ سے دکن کی جانب تقریباً میل ڈیڑھ میل کے فاصلے پر واقع ہے، مخدوم ملا آری ایک بزرگ تھے جو حضرت سید علی کلاں شیرازی کے ارادت مندوں میں تھے۔ یہ موضع ابتداءً ان ہی بزرگ کے نام سے موسوم ہوا لیکن آجکل یہ موضع پیر پٹھا کے نام سے موسوم ہے۔

تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۸۱ و تحفۃ الطاہرین صفحہ ۹) فٹ نوٹ (۱) مرتبہ آغا بدر عالم دُرّانی

آپ کا مزار پُر انوار واقع ہے، عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے، ایک دفعہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی شاہ عثمان شہباز کے ساتھ اس پہاڑ پر سے گذرے آپ نے اپنے مکاشفہ سے اُس جوہرِ قابل کو محسوس کیا جو لعل کی طرح اس پہاڑ میں مستور تھا، آپ نے شیخ پتھا کو اس غار سے نکال کر اپنے دستِ حق پرست پر بیعت کیا، اور چند ہی دن میں حضرت شیخ بہاء الدین کی نگاہِ فیض اثر نے شیخ پتھا کو آسمانِ ولایت کا آفتاب بنا دیا۔

اس کے بعد آپ کی ذات سے ہدایت و عرفان کے سندھ میں وہ چشمے جاری ہوئے کہ ہزاروں تشنگانِ معرفت نے آپ سے سیرابی حاصل کی۔

سندھ میں اُردو کا پہلا فقرہ

اردو کا سب سے پہلا فقرہ جو آٹھویں صدی ہجری ۷۶۲ھ میں سندھ میں بولا گیا، وہ تاریخ فیروز شاہی میں محفوظ ہے اور اس کی قدامت کو دیکھتے ہوئے بعضوں کو یہ گمان ہوا ہے کہ اردو نے سب سے پہلے سندھ ہی کی سرزمین میں جنم لیا ہے تاریخ فیروز شاہی میں ہے کہ جب پہلی مرتبہ سلطان فیروز شاہ تغلق[1]

[1] سلطان فیروز شاہ سلطان محمد شاہ تغلق کا بھتیجا تھا، ۷۵۲ھ میں اس کی تاج پوشی سلطان محمد تغلق کی وفات کے بعد دریائے سندھ کے کنارے ہوئی، سلطان محمد تغلق چونکہ ٹھٹھہ کو فتح نہ کر سکا تھا، اسلئے سلطان فیروز نے ۷۶۲ھ میں ٹھٹھہ کو فتح کرنے کے لئے حملہ کیا، اس وقت سندھ کا فرماں روا سمہ خاندان کا ایک شخص جام بابنیہ تھا، جام بابنیہ نے بھی فیروز شاہ کے حملے کی خبر سن کر اپنی فوج تیار کی، دونوں فوجوں میں زبردست مقابلہ ہوا مگر اتفاقاً سلطان فیروز کے لشکر میں جانوروں کی بیماری پھیل گئی، اسی کے ساتھ قحط پڑ گیا، جام بابنیہ اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا رہا، سلطان فیروز نے جب دیکھا کہ حالات اس کے نامساعد ہیں وہ اپنے لشکر کو لے کر گجرات چلا گیا، اک تھا اسی کی طرف اشارہ ہے، پھر اس نے سندھ پر ایک سال کے بعد دوبارہ حملہ کیا، جام بابنیہ نے شکست کے آثار دیکھ کر فیروز شاہ سے صلح کر لی، اور سندھ فیروز شاہ کے ماتحت آگیا، لیکن سلطان فیروز نے اپنی طرف سے دوبارہ سندھ کی حکومت جام بابنیہ کے سپرد کر دی، سلطان فیروز نے اڑتیس سال حکومت کر کے ۷۹۰ھ میں وفات پائی (تاریخ فیروز شاہی (عفیف) مقدمہ چارم جم معصومی ذکر سلطان فیروز محمد شاہ)

جام بابنیہ[1] فرماں رواے سندھ سے شکست کھا کر گجرات گیا، اور ٹھٹھہ کو فتح نہ کر سکا تو اہلِ سندھ نے اطمینان کا سانس لیا، وہ اس کے جانے کے بعد خوشیاں مناتے ہوئے کہا کرتے تھے۔

برکتِ شیخ پٹھا اک موا اک نٹھا[2]

تاریخ فیروز شاہی کی اصل عبارت یہ ہے۔

داول گرت کہ سلطان فیروز از ٹھٹھہ بے غرض سمت گجرات بازگشت، ٹھٹھیاں ایں سخن را ورد حجت ساختند و میفگنند" برکت شیخ پتھا اک موا اک نٹھا"

"اک موا" سے ان کا اشارہ محمد شاہ تغلق کی طرف تھا جو ٹھٹھہ کو فتح نہ کر سکا؛ اور ٹھٹھہ ہی میں بیمار ہو کر وفات پائی، اور اک نٹھا سے ان کا اشارہ فیروز شاہ تغلق کی طرف تھا، جو جام بابنیہ سے شکست کھا کر گجرات جا چکا تھا،

اس فقرے سے اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اہل سندھ حضرت شیخ پٹھا سے کس قدر دلی عقیدت رکھتے تھے۔

وفات | حضرت شیخ پٹھا ۷۶۲ھ میں واصل الی اللہ ہوئے، اور موضع آری کے قریب اسی پہاڑ پر دفن ہوئے جس کے غار میں آپ عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے تھے۔

عرس | آپ کا عرس ۱۲ ربیع الاول کو ہوتا ہے[3]، صاحب حدیقۃ الاولیا نے

[1] جام بابنیہ سمہ خاندان کا ایک فرماں روا تھا، جس نے سندھ پر پندرہ سال حکومت کر کے وفات پائی۔

[2] تاریخ فیروز شاہی (عفیف) مقدمہ یازدہم صفحہ ۲۲۱ ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ کا خیال ہے کہ یہ لفظ نٹھا نہیں بلکہ نٹھا ہے جو خالص سندھی لفظ ہے جس کے معنی ہیں بھاگا۔

[3] شیخ پٹھا کے تمام حالات تحفۃ الکرام جلد سوم صفحہ ۲۰۲ اور حدیقۃ الاولیاء سے ماخوذ ہیں

اُس عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے جو عوام و خواص کو آپ کی ذاتِ بابرکات سے ہے ایک طویل نظم لکھی ہے، جس کے چند شعر یہ ہیں۔

شیخ پنہ از سرِ صدق و یقیں — شد مریدِ شیخ زکریا ایں
بعد ازاں آں گوہرِ بحرِ شہود — از نقابِ خفا چہرہ کشود
ساخت عالم روشن از انوارِ خویش — کردہ ظاہر در جہاں آثارِ خویش
بر سرِ آں کوہ مسکن ساختہ — دل زمیلِ ماسوٰی انداختہ
مدفنِ پاکش شد اکنوں آں مقام — خوش بیاسودہ درآں دارالسلام
خوش مزارے فیض بخشِ جاں فزا — دیدۂ دل را ازو نور وضیا
قلعۂ کوہش بگردوں بردہ سر — شمسۂ قصرش محاذی با قمر
نردبانش سنگ و گچ پرداختہ — مہرۂ مہرش مصقّل ساختہ
سُلّم است یا منبرِ نور است ایں — یا کہ موجِ بحرِ کافور است ایں
روضۂ نہ بلکہ قصرے از بہشت — کز گلاب و عود و ز عنبر سرشت
از بخورِ عود و عنبر فی المثل — حجلۂ حور است گوئی آں محل
در سوادِ صحن او از ہر طرف — سایہ ور اشجار بینی ہر طرف
چشمۂ آب رواں چوں سلسبیل — کآب او باشد شفا بخشِ علیل
زائرانِ آستانش صد ہزار — میرسد از ہر طرف لیل و نہار

رحمتِ ایزد تعالیٰ پے بہ پے
زآسماں منزل بود بر روح وے[۵]

---

[۵] حدیقۃ الاولیاء قلمی مملوکہ سندھ یونیورسٹی صفحہ ۵۵، ۵۶۔

www.maktabah.org

(۱۱)

حضرت سید جلال الدین بخاری

جلال سرخ[1]

نام و نسب اسم گرامی جلال الدین، لقب جلال سرخ تھا[2]، سلسلۂ نسب یہ ہے؛
سید جلال الدین جلال سرخ بن ابی المویدعلی بن جعفر بن محمود
بن احمد عبداللہ بن علی اصغر بن عبداللہ جعفر بن امام علی نقی علیہ السلام[3]۔

بھکر میں تشریف آوری حضرت جلال سرخ بخارا سے بھکر تشریف لائے
اور یہیں سکونت اختیار کی[4]۔

بیعت آپ نے ملتان جاکر حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی سے بیعت کی،
اور مجاہدوں و ریاضتوں کے بعد خرقۂ خلافت بھی حاصل کیا[5]۔

بزرگی و عظمت آپ کی بزرگی و عظمت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ
سفینۃ الاولیاء میں ہے کہ

از بزرگان صحیح است، جلیل القدر و جامع علوم ظاہر و باطن بودند[6]

---

[1] حضرت جلال سرخ اگرچہ سندھ میں مدفون نہیں ہیں، لیکن آپ کا بہت گہرا تعلق سندھ سے رہا ہے، اور ایک لحاظ سے سندھ کو انھوں نے اپنا وطن بنا لیا تھا، اسلئے آپ کا تذکرہ اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔ [2] اخبار الاخیار صفحہ ۶۱ [3] بزم صوفیا، صفحہ ۲۹۵
[4] اخبار الاخیار صفحہ ۶۱ [5] اخبار الاخیار صفحہ ۶۱ [6] سفینۃ الاولیاء صفحہ ۲۱

www.maktabah.org

ازدواج بھکر کے دوران قیام ہی میں وہاں کے ایک مشہور امیر سید بدرالدین کی چھوٹی لڑکی سے آپ نے نکاح کیا، اخبار الاخیار میں ہے کہ اس نکاح کی بشارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو دی تھی، اور اس بشارت سے سید بدرالدین بھی نوازے گئے تھے[۵۱]۔

ترک وطن اور وفات خویش و اقارب کے رشک و حسد کی بنا پر آپ بھکر چھوڑ دینے پر مجبور ہوئے، اور ۱۲۴۴ء میں اُچھ تشریف لے گئے اور وہاں محلہ بخاریاں آباد کیا، اور آپ ہی کی بدولت اوچھ میں اسلام کی غیر معمولی اشاعت ہوئی، اور یہ شہر اسلام کا مرکز بنا، پھر آپ نے پنجاب میں شہر جھنگ سیالاں کی بنیاد ڈالی، اور بہت دن تک مغربی پنجاب میں اعلاء کلمۃ الحق اور تبلیغ اسلام فرماتے رہے، آپ کی سعی سے کئی قبیلوں نے اسلام قبول کیا، آپ نے پچانوے سال کی عمر میں ۱۲۹۱ء میں اوچھ میں وفات پائی، وہیں آپ کا مزار مبارک ہے[۵۲]۔

اولاد سید جلال سرخ کے تین فرزند تھے، حضرت سید احمد کبیر، حضرت سید بہاءالدین اور حضرت سید محمد، سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشت[۵۳]، حضرت سید محمد کی اولاد میں ہیں جنھوں نے ۷۶۸ھ میں ٹھٹھہ کے بادشاہ جام بابنیہ اور فیروز شاہ تغلق کی عین لڑائی کے موقع پر صلح کرائی تھی۔

---

۵۱ اخبار الاخیار صفحہ ۶۱ ۵۲ اخبار الاخیار صفحہ ۶۱ و آب کوثر مولفہ شیخ محمد اکرام صفحہ ۳۰۹، ۳۱۰ بحوالہ بہاول پور گزیٹیر ۵۳ مخدوم جہانیاں جہاں گشت ۷۰۷ھ میں اوچھ میں پیدا ہوئے، حضرت بہاءالدین زکریا کے پوتے حضرت ابوالفتح سے بیعت و خلافت حاصل کی، ۷۶۸ھ میں آپ نے جام بابنیہ کی تحریک پر سلطان فیروز شاہ تغلق اور جام بابنیہ کے درمیان صلح کرائی، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے اٹھتر سال ایک ماہ چھبیس روز کی عمر میں ۷۸۵ھ میں وفات پائی (بزم صوفیا صفحہ ۳۹۴ تذکرہ حضرت جلال الدین بخاری)

www.maktabah.org

(۱۲)

شیخ جیہ

نسب و خاندان رُشد و ہدایت کے روشن چراغ شیخ جیہ کے والد کا اسم گرامی شیخ نعمت اللہ تھا، جو حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی اولاد میں ہیں، شیخ نعمت اللہ سمہ[۱] خاندان کے فرمانرواؤں کے زمانے میں ٹھٹھہ تشریف لائے، اور ٹھٹھ میں ہی وفات پائی، شیخ نعمت اللہ خود بھی بڑے باکرامت اور صاحبِ کمال بزرگ تھے، ان کے بعد اُن کے صاحبزادے شیخ جیہ بھی زہد و ورع اور علم کی بے پناہ صلاحیتوں کے مالک ہوئے، روحانی اعتبار سے اُن کا پایہ بہت بلند تھا، اپنی عظمت و جلالت کی وجہ سے وہ "چراغِ مکلی" کہلاتے ہیں، اُن کے عرفان و تصوف کی روشن کی ہوئی شمع سے، سیکڑوں انسانوں نے حق کی راہ پائی، صاحب تحفۃ الطاہرین نے لکھا ہے کہ

> وے اجلِ اولیائے کرام و اقدمِ مشائخ عظام بودہ، بو فورِ نورِ ہدایت اورا "چراغِ مکلی" گویند، انوارِ معرفت از جبین وے تاباں و اشعۂ ہدایت از ناصیۂ وے درخشاں بود، بسا مردم از فیضِ تربیت او راہ

---

[۱] سمہ ایک قوم ہے جو سندھ کے قدیم باشندے ہیں، معصومی میں ہے کہ ابتدائً یہ قوم نواحی کچھ سے آکر سندھ میں آباد ہوئی، ان میں اور سندھ کے لوگوں میں بیحد ربط و اتحاد تھا، سومرہ خاندان کی بساط سلطنت کو الٹنے کے بعد سندھ میں سمہ خاندان کی حکومت قائم ہوئی، سمہ خاندان کا پہلا بادشاہ جام اُنر تھا اور آخری بادشاہ نام جام فیروز تھا، سمہ فرماں رواجنھوں نے سندھ پر حکومت کی ان کی تعداد سترہ ہے۔

(معصومی۔ تحفۃ الکرام۔ لُبِ تاریخ سندھ)

www.maktabah.org

بحق بردند و بسیار کساں بیمن ہمت او بملک معنی رسیدند۔[1]

کرامت مشہور ہے کہ آپ کے خادموں میں سے ایک خادم کو ضعفِ بصر کا مرض یہاں تک بڑھا کہ وہ بینائی سے محروم ہوگیا، وہ ہر روز ایک وقتِ مقررہ پر شیخ جیہ کی خدمت میں حاضر ہوتا، مگر زبان سے کچھ نہ کہتا، اسی طرح جب بہت دن گذر گئے تو شیخ جیہ نے خود اُس سے پوچھا کہ آخر تمھاری روزانہ حاضری کا کیا مقصد ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ حضور مجھے اس کا غم نہیں کہ میں نابینا ہو گیا ہوں، مگر میرے لئے باعثِ افسوس تو یہ ہے کہ میرے دل کی دنیا بھی تاریک ہے جو میرے لئے آنکھوں کی بینائی زائل ہونے سے زیادہ تکلیف دہ ہے، شیخ جیہ اس کی یہ گفتگو سُن کر بے حد متاثر ہوئے، اور آپ پر ایک خاص کیفیت طاری ہوئی، آپ نے اُس پر ایک نظر ڈالی، اُس نگاہِ فیض اثر کا پڑنا ہی تھا کہ دل نورِ بصیرت سے اور آنکھیں نورِ بصارت سے منور ہوگئیں۔[2]

مزار آپ کا مزار کوہِ مکلی پر واقع ہے، قدیم زمانے میں ہر مہینے کے پہلے دوشنبہ کی رات میں آپ کے مزار پر عقیدت مندوں کا بڑا اجتماع ہوتا تھا، تحفۃ الکرام میں ہے کہ

ہر سال بتاریخ موصوف مجمع سترگ ممہد گردید
خدام از شہر و بیرون آنجا احیا نمایند و فقیران
وجد و سماع آغازند، غریب حالتی مشاہدہ کردد
(تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۴۸)

---

[1] تحفۃ الطاہرین صفحہ ۳۹ [2] یہ واقعہ تحفۃ الطاہرین صفحہ ۳۹ سے ماخوذ ہے، اور شیخ جیہ کے متعلق باقی تفصیلات تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۴۸ و تحفۃ الطاہرین صفحہ ۳۸ و ۳۹ سے ماخوذ ہیں۔

www.maktabah.org

میر علی شیر قانع ٹھٹھوی نے تحفۃ الکرام میں لکھا ہے کہ یہ درگاہ اپنی نورانیت کی وجہ سے ممتاز ہے، میر صاحب لکھتے ہیں۔

در تمام کوہِ مکلی ایں درگاہ بفرط نورانیت مستثنیٰ است
اہل زیارت باستعدادِ ہمتش فائز ماجتند

(تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۴۸)

اس وقت بھی شیخ جیہ کے مزار پر ایک بڑا گنبد ہے، جس میں کئی قبریں واقع ہیں، جن میں دکن کی جانب شیخ جیہ کا مزار علٰحدہ ہے، مقبرے کے گرد جو احاطہ ہے اُس میں بھی ایک بڑا قبرستان ہے، شیخ کا مقبرہ اپنی کہنگی کی وجہ سے مرمت طلب ہے[1]

فضائل صاحب حدیقۃ الاولیاء نے آپ کی عظمتِ عارفانہ کا اعتراف حسب ذیل اشعار میں کیا ہے۔

آں سرورِ افتخارِ دوراں	صدرِ زمن و مدارِ دوراں
گلدستۂ گلبنِ کرامت	نوبادۂ باغِ استقامت
آئینۂ مظہرِ تجلّی	گنجینۂ جوہرِ تجلّی
روشن دل عارفِ حقائق	سر دفترِ واصلانِ خالق
گل دستۂ گلشنِ کرامات	سیاحِ محیط وجد و حالات
مرآتِ خصائلِ رضیّہ	خورشیدِ جمال شیخ جیّہ
خضر دیم و مسیح ثانی	سرچشمۂ آبِ زندگانی
نیکو خلفے بتخت والا	از شیخ بہاء دین و دنیا
صبح نفسش زفیضِ جاوید	پیرایہ دہِ بہارِ اُمید

[1] حواشی مکلی نامہ مرتبہ سید حسام الدین صاحب راشدی شائع شدہ رسالہ مہران ۴ سنہ ۱۹۵۲ء

www.maktabah.org

تاباں ز رخش چراغِ توفیق — مشکیں ز دمش دماغِ توفیق
صاحب نفسے کہ رفق رایش — بنمود قضا رہِ رضایش
صد برگ دعایش از انابت — بر فرقِ عمامۂ اجابت
شاہنشہِ ملکِ ترک و تجرید — یکتائے دُرِ ز بحرِ تقدیر
از صدق عقیدہ سرخیل رایاں — بر خاک رہش کلاہ سایاں
شاہانِ جہاں ہمہ گدایش — دریوزہ گرِ درِ دعایش
خوش روح فزا مزارِ پاکش — کز فیض سرشتہ آب و خاکش
آراستہ گشتہ آستانے — کز خلد بریں دہد نشانے
فیض از در و بامش آشکارا — سرمست ز دیدنش نظارہ
بشگفت چمن چمن بہارے — گلہائے امید ازاں مزارے
ہر کس بدنبال صدق و ایقاں — برچیدہ ازاں گلے بداماں
ایں گل بُنِ تازہ شگفتہ — کز آب و ہوائے فیض رستہ
سرسبز بماند جاودانی — محروس ز آفت خزانی

مرغ چمنش ز پردۂ راز
ہموارہ چنیں بود نواساز[1]

---

[1] حدیقۃ الاولیا قلمی صفحہ ۷۳، ۷۴ ۔

(۱۳)

مخدوم جمعہ

حالات مخدوم جمعہ سندھ کے ممتاز ترین صوفیا میں شمار ہوتے ہیں، یہ حضرت سید علی شیرازی اور شیخ اسحاق اربعائی[۱] کے ہمعصر ہیں۔

صاحبِ تحفۃ الکرام اُن کے محامد و مناقب میں رقمطراز ہے کہ

"اجل اولیا و اکمل اتقیا بفضل و کمال معروف و بجال و قال موصوف معاصر سید علی ثانی شیرازی است[۲]"

صاحبِ تحفۃ الطاہرین نے ان کے اوصاف و فضائل کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے۔

"وے اجل اولیا و اکمل اتقیا و عالم عامل و فاضل کامل بود، معاصر سید علی شیرازی و شیخ اسحاق اربعائی است[۳]۔"

ایک دفعہ ایک شخص مخدوم جمعہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس نے پوچھا کہ قرآن مجید کی اس آیت وفی انفسکم افلا تبصرون[۴] کے کیا معنی ہیں؟ آپ نے

---

۱ شیخ اسحاق اربعائی کا اصل وطن اُچہ تھا، آپ اولیائے کرام کی ایک جماعت کے ساتھ ٹھٹھہ تشریف لائے، اور ٹھٹھہ ہی مستقل سکونت اختیار فرمائی، اربعائی آپ کو اس لئے کہتے ہیں کہ آپ بدھ کے روز پیدا ہوئے اور بدھ کو عربی میں اربعا کہتے ہیں، اسی نسبت سے آپ اربعائی مشہور ہو گئے؛ صاحب کرامت و صاحب حال بزرگ تھے، ملا محمود واہوتی جو سندھ کے مشہور صوفیا میں ہیں انہیں کے مرید تھے، شیخ اسحاق اربعائی نے ۳۰ رمضان کو عید کی شب میں ۹۴۰ھ میں وفات پائی، آپ کا مزار ٹھٹھہ کے مشہور قبرستان مکلی میں واقع ہے (تحفۃ الطاہرین صفحہ ۴۰ و تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۳۱

۲ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۵۰ ۳ تحفۃ الطاہرین صفحہ ۴۰ ۴ ترجمہ اور کیا تم اپنے نفسوں میں نہیں دیکھتے

اس کے معنی بیان فرمائیے، اُس شخص نے کہا یہ تو میں بھی جانتا ہوں، لیکن اس سے کیا حاصل کہ میں اس کو پڑھتا ہوں اور اپنے نفس میں کچھ نہیں دیکھتا

یار در خانہ و من گردِ جہاں می گردم
آب در کوزہ و من تشنہ لباں می گردم

مخدوم اُس کے اس کہنے پر اس قدر متاثر ہوئے کہ بے تاب ہو کر کبھی اٹھتے اور کبھی بیٹھتے اور کبھی اس کی طرف دیکھنے لگتے تھے، آخر آپ کی نگاہِ فیض اثر نے اُسی مجلس میں اس کی آنکھوں سے اس حجاب کو اُٹھا دیا جو معرفتِ الٰہی میں حائل تھا، اور وہ شاہدِ حقیقی کے جلوؤں کو اپنے میں محسوس کرنے لگا۔

وفات | تذکرہ نگاروں نے آپ کا سنہ وفات نہیں لکھا لیکن قیاس چاہتا ہے کہ آپ نے دسویں صدی کے آخر میں وفات پائی ہو گی، کیونکہ آپ کے معاصر حضرت سید علی ثانی شیرازی کا سنہ وفات (۹۸۱ھ) ہے۔

مزار | آپ کا مزار مکلی میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔[1]

---

[1] شیخ جمعہ کے حالات تحفۃ الطاہرین مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ صفحہ ۷۱، ۷۲ سے ماخوذ ہیں۔

www.maktabah.org

(۱۴)

درویش چرکس

نام وخاندان آپ کا نام چرکس آپ کے والد کا نام دنہ تھا، قوم سہر کی سے تھے سندھ کے صوفیا میں خاص شہرت رکھتے تھے۔

حالات ریاضت و مجاہدات کی وجہ سے اس مرتبہ عالی پر فائز ہوئے کہ بڑے بڑے صوفیا اور درویش اُن سے نظر ملاتے ہوئے ڈرتے تھے۔

ایک دفعہ آپ سواری پر سوار ہو کر راستے سے گزر رہے تھے کہ راستے میں اُن کی ملاقات شیخ برکیہ کاتیار سے ہوئی، شیخ برکیہ کاتیار نے اُن کو آتا ہوا دیکھکر سلام کیا، چونکہ آپ کے ہاتھ میں قرآن مجید تھا اور آپ تلاوت قرآن مجید میں مصروف تھے، اس لئے آپ نے سلام کا جواب نہ دیا۔ شیخ برکیہ کاتیار جلدی سے نظر بچا کر وہاں سے گذر گئے، اور اپنے خادم سے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ ایک اژدہا کی نظر سے ہم صحیح سالم بچ نکلے، اور اپنا مال ومتاع بچالائے، اُن کے جانے کے بعد درویش چرکس نے پوچھا کہ یہ کون تھا جس نے ہمیں سلام کیا تھا، لوگوں نے کہا یہ شیخ برکیہ تھے، آپ نے فرمایا بڑا بہادر تھا کہ ہم سے نقدِ دل بچا کر سلامت لے گیا۔

ایک دفعہ آپ مخدوم بلال کے پاس تشریف لائے جو اپنے زمانے کے متبحر عالم درویش تھے، اور اُن سے ایک علمی استفسار کیا، مخدوم بلال نے اپنے علم کے مطابق جواب دیا، لیکن یہ جواب آپ کو پسند نہ آیا اور مکدر ہو کر تشریف

www.maktabah.org

لے گئے، مخدوم بلال کو آپ کے تشریف لے جاتے ہی ایسا معلوم ہوا کہ تمام علوم اُن کے دل و دماغ سے محو ہو گئے ہیں، وہ فوراً ہی دوڑتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور نہایت ندامت و معذرت کا اظہار کیا، آپ نے پھر ایک بار توجہ فرمائی، اور انھیں ایسا محسوس ہوا کہ اُن کی تمام کھوئی علمی صلاحتیں دوبارہ اُن کو واپس مل گئیں۔

مزار آپ نے موضع ذکہ میں وفات پائی، اور وہیں آپ کا مزار مبارک مرجع خلائق ہے۔[1]

---

[1] یہ تمام تفصیل حدیقۃ الاولیا قلمی صفحہ ۱۹۹ - ۲۰۰ - ۲۰۳ سے اور تحفۃ الکرام ۱۶۵/۳ سے ماخوذ ہے

www.maktabah.org

(۱۵)

شیخ حماد جمالیؒ

نام ونسب خاندان شیخ حماد جمالی[1] نام ہے، آپ کے والد کا اسم گرامی شیخ رشید الدین جمالی تھا، آپ قدوۃ الواصلین شیخ جمال درویش اُچی[2] کے دختری نواسے ہیں۔

خانقاہ ساموئی[3] کے زیریں حصّے میں جہاں آج آپ کا مزار مبارک واقع ہے، وہیں آپ کی خانقاہ تھی، جو اُس دور میں سلوک ومعرفت اور علوم ظاہری کی تعلیم کا مرکز بنی ہوئی تھی۔

آپ کی عادت مبارک تھی کہ خانقاہ کے ایک حجرے میں رہتے اور چہرے پر ہمیشہ نقاب ڈالے رکھتے تھے، طالبانِ علم اور سالکانِ راہ طریقت درس وتدریس

---

[1] تحفۃ الطاہرین میں ان کا نام شیخ جمال مذکور ہے، لیکن یہ سہو کتابت ہے، اصل میں ان کا نام حماد جمالی ہے جو ہم نے تحفۃ الکرام سے نقل کیا ہے۔

[2] شیخ جمال درویش اوچی صاحب حال وقال بزرگ تھے، اور مخدوم جہانیانِ جہاں گشت سید جلال کے مرید تھے، (تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۲۲)

[3] محمد طور کے شہر کے ویران ہونے کے بعد جو نواحِ قلعہ ارک میں تھا، اور سلطان علاء الدین کے لشکر کے ورود کے وقت ویران ہوا تھا، سمہ بادشاہوں میں جام تغلق نے اس شہر اور قلعہ کلاکوٹ کو اپنے نام یعنی تغلق آباد کے نام سے آباد کیا لیکن نامکمل رہا، یہ شہر کچھ دن دار الحکومت بھی رہا، پھر دار الحکومت ٹھٹھہ منتقل ہوگیا، اسی سرزمین کو ساموئی کہتے ہیں جو ٹھٹھہ کے متصل اور مکلی سے بالکل ملی ہوئی ہے، اگرچہ اب ویرانہ ہے (تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۸۲ بضمن ساموئی۔

www.maktabah.org

دعیوضِ باطنی کے حصول کے لئے خانقاہ میں حجرے کے گرد جمع ہو جاتے اور آپ وہیں سے حقائق و معارف کے دریا بہاتے اور معرفت و تزکیہ نفس کی تعلیم دیتے[۱]۔

طلباء کی تعداد روزانہ آپ سے اکتساب علوم کرنے والوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہوتی، تحفۃ الطاہرین میں ہے۔

"گویند ہر روز صد ہزار تلامیذاز خدمت آں مہر سپہر ولایت اقتباس انوار علوم ظاہری و باطنی می نمودند"

مریدوں کا خیال سندھ میں جام جونہ[۲] کی حکومت کا زمانہ تھا، اس کا چچا زاد بھائی جام تماچی[۳] اور اس کا لڑکا جام صلاح الدین شیخ حماد جمالی

---

[۱] تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۸۳، ۱۸۴ و تحفۃ الطاہرین صفحہ ۲۸

[۲] جام جونہ سمہ خاندان کا دوسرا بادشاہ ہے، جس نے اس خاندان میں سب سے پہلے جام کا لقب اختیار کیا، جام جونہ کی مدت حکومت تیرہ سال ہے، اس نے اس زمانے میں مرض خناق میں مبتلا ہو کر وفات پائی جب کہ سلطان علاء الدین نے اپنے بھائی الغ خاں کو ملتان اور سندھ کی فتح پر مامور کیا تھا، ابھی الغ خاں کا فرستادہ لشکر سندھ پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ جام جونہ نے وفات پائی۔

[۳] تحفۃ الطاہرین میں حدیقۃ الاولیاء کے حوالے سے منقول ہے کہ

"در عہد خلافت جام جونہ جام تماچی و پسرش جام صلاح الدین کہ از بنی اعمام وے بودند حلقہ ارادت آں بزرگوار در گوش و غاشیہ عقیدت آں زبدہ اسرار بردوش کشیدہ" (تحفۃ الطاہرین صفحہ ۲۸)

پھر ان دونوں کی قید کا واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

آں بیگناہان را خفیہ بدار الخلافت دہلی فرستاد

ان عبارتوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعہ جام تماچی ثانی کا ہے، کیونکہ وہی کے بعد جام صلاح الدین تخت نشین ہوا ہے، لیکن تاریخوں سے ان دونوں کا دہلی جانا ثابت نہیں اور نہ یہ جام تماچی جام جونہ کے بعد تخت نشین ہوا ہے، بلکہ یہ جام بابنیہ کے بعد تخت پر بیٹھا ہے، اس لئے صلاح الدین کے نام کی وجہ سے یہ سہو واقع ہوا ہے۔ میرا خیال ہے کہ صلاح الدین سہو کتابت ہے بلکہ یہاں خیر الدین ہونا چاہیئے، اور یہ جام تماچی اول بن انڑ کا واقعہ ہے، اس قیاس کے لئے یہ وجہ ہے۔ کہ تاریخ سے ثابت ہے کہ جام جونہ کے بعد جام تماچی اول تخت نشین ہوا جس کا بیٹا جام خیر الدین تھا انہیں باپ بیٹوں کو سلطان علاء الدین قید کر کے دہلی لے گیا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

www.maktabah.org

سے غیر معمولی عقیدت رکھتے، اور آپ کی بارگاہ کی حاضری کو اپنے لئے موجب سعادت وبرکت سمجھتے تھے، مفسدین نے جام جونہ کے کان میں یہ بات ڈالی کہ جام تماچی چاہتا ہے کہ شیخ کی دعا کی برکتوں سے وہ تختِ سلطنت پر بیٹھے، اور سندھ کی حکومت کو حاصل کرے، جام جونہ نے اس خبر کے سنتے ہی اپنے ارکینِ دولت سے مشورہ کرکے ان دونوں بے گناہوں کو قید کرکے خفیہ طور پر دہلی بھجوادیا، وہاں یہ دونوں ایک عرصہ تک قید رہے، پھر شیخ کی دعاؤں کی برکتوں سے اِن دونوں نے رہائی حاصل کی، اور سندھ کے تختِ حکومت پر متمکن ہوئے۔[1]

استجابتِ دُعا کہتے ہیں کہ جب جام تماچی سندھ کے تختِ حکومت پر بیٹھا تو وہ آپ کی خدمت میں ایک کثیر رقم بطور نذر لے کر حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ یہ تاج وتخت حضور ہی کی دعاؤں اور برکتوں کا ثمرہ ہے، میں پھر بھی آپ کے لطف وکرم کا طالب ہوں، میرے لئے دعا فرمایئے کہ میرے بعد بھی سندھ پر میری اولاد کی حکومت باقی رہے، شیخ نے فرمایا یہ رقم جو تم لے کر آئے ہو میری خانقاہ کے متصل اس سے ایک مسجد تعمیر کردو، اور اپنی اولاد میں سندھ کی زمین کو تقسیم کردو، تاکہ یہ زمین ہمیشہ اُن کے قبضے میں رہے، غالباً یہ شیخ کی ہی دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ ایک طویل مدت تک سندھ سے لے کر کیچ تک زمین کا بڑا حصہ سمہ قوم کی ملکیت رہا۔[2]

---

[1] میں نے یہاں اجمالی طور پر اس واقعہ کا تذکرہ کیا ہے، تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۸۳ و تحفۃ الطاہرین صفحہ ۲۸ پر یہ واقعہ تفصیل سے مذکور ہے، اور حدیقۃ الاولیاء میں بھی صفحہ ۵۹ تا ۷۲ پر اس کی تفصیل ملتی ہے۔

[2] تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۸۳

www.maktabah.org

ہے مگر اس نقش میں رنگِ ثبات و دوام
جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام



شیخ حمّاد جمالی کی تعمیر کردہ جامع مسجد مکی جس کی
وجہ سے ٹھٹھہ کے مشہور قبرستان کا نام مکلی پڑا
(بشکریہ سندھی ادبی بورڈ)

www.maktabah.org

www.maktabah.org

مسجد مکلی | جام تماچی نے شیخ کے ارشاد پر ایک مسجد آپ کی خانقاہ کے متصل تعمیر کرائی یہی مسجد بعد میں مسجد مکلی کے نام سے مشہور ہوئی، اس مسجد کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ٹھٹھ کے بالکل متصل ایک پہاڑی ہے جو تقریباً بارہ میل لمبی ہے، اس پہاڑی پر بہت سے اولیاء اللہ، علماء و فضلاء، شعراء، مورخین، سلاطین اور یگانۂ روزگار، اہلِ کمال مدفون ہیں، ٹھٹھ کا یہ قبرستان اپنی عظمت اور تاریخ کے لحاظ سے نہایت اہمیت رکھتا ہے، شیخ حماد ہی کے زمانے میں اس مسجد میں ایک اہلِ دل و صاحبِ حال درویش جو حرمین شریفین کی زیارت کے لئے جا رہے تھے مقیم ہوئے، انھوں نے اس قبرستان میں غیر معمولی انوار و برکات محسوس کئے، ان انوار و برکات کو مشاہدہ کرکے بار بار یہ بزرگ کہتے تھے کہ ہذا مکۃ لی (یہی میرے لئے مکہ ہے) شیخ حماد کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو آپ نے سب سے پہلے اس مسجد کو "مسجد مکلی" سے موسوم کیا، اُس وقت سے اس پہاڑی کا نام بھی مکلی پڑ گیا[1]، اِس وقت بھی یہ مسجد نہایت خستہ حالت میں موجود ہے۔

وضع و قطع | وضع و قطع بالکل سادہ رکھتے تھے، مقالات الشعراء میں ہے۔
"وضع شیخ ہمرہ پابرہنہ، پارۂ نمد ستر پوش و بوریائے فرش بود"[2]
غالباً آپ نے اپنے ہی حال کا اظہار اپنے ان اشعار میں فرمایا ہے۔

دو گزک بوریا و پوستگی — دلکی پر ز درد و دوستگی
ایں قدر بس بود جمالی را — عاشقی رند و لاابالی را

[1] تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۰۴ و ۱۰۵ [2] مقالات الشعراء قلمی صفحہ ۸، ملوکہ سید حسام الدین صاحب راشدی، ان اشعار کے متعلق جناب سید حسام الدین صاحب راشدی نے حواشی مکلی نامہ میں ریاض الشعراء والہ داغستانی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ یہ اشعار سیر العارفین کے مصنف جمالی دہلوی کے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

www.maktabah.org

بزرگی | حضرت شیخ حماد جالی کے زہد و وُرع اور بزرگی کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُن کے تمام تذکرہ نگاروں نے اُن کے عرفان و تصوف، تقدس و تقویٰ کا نہایت اہتمام سے ذکر کیا ہے۔

حدیقۃ الاولیاء[۱] کے مصنف نے ان کے حالات کو اس القاب سے شروع کیا ہے۔

"آن صاحبِ کشف و کرامت، و آن جلیل القدر عالی مرتبت، سرخیل مبارزانِ طریقت، سردفترِ عارفانِ حقیقت، خداوندِ خصائلِ مرضیہ جامعِ کمالاتِ علمیہ و عملیہ، محرمِ خلوت خانۂ قدس، باریافتۂ مجلس انس، سرمستِ جامِ وحدت، غریق در دریائے معرفت، محبوب ذوالجلالی شیخ حماد بن شیخ رشید الدین جالی"

آگے چل کر اُن کے سلوک و کرامت و فیض رسانی کا اعتراف کرتے ہوئے صاحبِ حدیقۃ الاولیاء لکھتے ہیں کہ

خورشید فیضانِ الٰہی، و مکاشفۂ غیر متناہی بنوعی بکاشانۂ وے پرتو انداخت کہ جمیع اسرار عالم ملک و ملکوت بروے مکشوف ساخت، تا آنکہ ہر روز صد تلامیذ دانش اندوز از مجلس آں شمع دل افروز

---

[۱] حدیقۃ الاولیاء کے مؤلف کا نام سید عبدالقادر ہے، حدیقۃ الاولیاء سندھ کے اولیاء کا پہلا تذکرہ ہے، جس کو سید عبدالقادر نے ترخانی دور کے مشہور امیر خسرو خاں چرکس کے نام سے معنون کیا تھا، خسرو خاں چرکس علم دوست، شعراء پرور اور علماء کا قدردان تھا، سید عبدالقادر اُسی کے دامنِ دولت سے وابستہ تھا، حدیقۃ الاولیاء کے تین نسخے میری نظر سے گذرے ہیں، اس کا ایک نسخہ سندھ یونیورسٹی کی لائبریری میں ہے، دوسرا نسخہ ناقص سید حسام الدین صاحب راشدی کی لائبریری میں میں نے دیکھا تھا، تیسرا نسخہ آغا بدر عالم درانی کی لائبریری آشیانۂ ادب میں موجود ہے

www.maktabah.org

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنجہائے گراں مایہ کیا کیئے



ٹھٹھہ کے مشہور قبرستان مکلی کا ایک عام منظر
جس میں سندھ کے جلیل القدر علماء، عظیم المرتبت صوفیاء،
بلند پایہ شعراء، بیمثل مفکرین، متعدد فرمانروایان سندھ،
اور مختلف اہل کمال و دانشور محو استراحت ہیں
(بشکریہ سندھی ادبی بورڈ)

www.maktabah.org

www.maktabah.org

اقتباس انوار مسائل علوم می نمودند، و بذریعہ آں تشبث اذیال مطالب و مقاصد دین و دنیا حاصل کردندے۔

شیخ محمد اعظم ٹھٹھوی نے اپنی مشہور تالیف تحفۃ الطاہرین[1] میں شیخ حماد جمالی کے تذکرہ کو ان القاب سے شروع کیا ہے۔

آن کشّافِ غوامض حقیقت، دانائے رموزِ معرفت، غواصِ بحر تحقیق، فارسِ مضمار توفیق، عالمِ حقائق شریعت، مشعلہ دار شبستانِ طریقت، محبوب ذوالجلال، یعنی شیخ جمال بن شیخ رشیدالدین جمال علیہ الرحمۃ۔

مزار شیخ حماد کا مقبرہ نہایت خستہ حالت میں مکلی میں جام نندا کے مقبرے کے قریب اور مسجد مکلی[2] کے برابر موجود ہے۔

---

[1] تحفۃ الطاہرین کا مولف شیخ محمد اعظم ٹھٹھوی ہے، جس کے متعلق قیاس کیا جاتا ہے کہ میاں نور محمد کلہوڑا کے دوران حکومت (۱۱۳۰ھ۔ ۱۱۶۷ھ) میں پیدا ہوا، اور ٹالپروں کی حکومت کے ابتدائی زمانے میں اس نے وفات پائی، کیونکہ اُس نے اپنی دوسری کتاب ہیئت العالم میں جو جغرافیہ پر ہے میر سہراب خان ٹالپر والی خیرپور کی مدح نظم میں لکھی ہے، شیخ محمد اعظم نے تحفۃ الطاہرین ۱۱۹۰ھ میں مرتب کی (تفصیل کے لئے دیکھئے مقدمہ، تحفۃ الطاہرین مرتبہ آغا بدرِ عالم درانی)

[2] مقالات الشعراء

(۱۶)

حضرت شیخ حسین صفائیؒ

ابتدائی حالات ٹھٹھہ کے اولیاء میں حضرت شیخ حسین صفائی ایک بڑے عالی مرتبت بزرگ گذرے ہیں، آپ کی والدہ حضرت پیر مراد کی بیوی کی خادمہ تھیں، اور چونکہ ان کو اپنی والدہ کی وجہ سے حضرت پیر مراد کے یہاں تربیت پانے کا موقع ملا، اس لئے ابتدا ہی سے آپ میں بزرگی اور ولایت کے آثار ہویدا تھے۔

توجہ شیخ تذکرۃ المراد میں ہے کہ ایک روز حضرت سید مراد قدس سرّہٗ وضو فرما رہے تھے، آپ نے وضو کا بچا ہوا پانی، حضرت شیخ حسین صفائیؒ کو پینے کے لئے دیا، پانی کا پینا ہی تھا کہ آپ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی، اور اسی دم آپ ولایت کے درجے پر فائز ہو کر اولیاء اللہ کے زمرے میں شمار ہونے لگے۔

استغناء فقر و درویشی کا امتیازی وصف ماسوا اللہ سے استغنا و بے نیازی ہے، حضرت شیخ حسین صفائیؒ میں بھی یہ وصف بدرجۂ اتم موجود تھا۔

آپ کے زمانے کے بادشاہ شاہِ حسن ارغون نے کئی مرتبہ آپ سے ملاقات کی تمنا ظاہر کی مگر آپ نے ہمیشہ انکار کر دیا۔

کہا جاتا ہے کہ آپ کے خادموں سے ایک خادم کیمیا جانتا تھا، اسے

www.maktabah.org

جب آپ کی تنگدستی کا حال معلوم ہوا تو اُس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ کو کیمیا بنانے کا نسخہ بتایا تاکہ آپ کا ہاتھ فراخ ہو۔ چند دن کے بعد ہی خادم آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، دیکھا کہ شیخ کے گھر میں سابق کی طرح وہی تنگدستی و افلاس ہے، یہ دیکھکر اسے افسوس ہوا، اور اُس نے شیخ سے عرض کیا کہ جو چیز میں نے آپ کو سکھائی تھی اُس کا مقصد یہ تھا کہ آپ کی تنگدستی دور رہے، لیکن آپ نے اُس کی طرف توجہ نہیں فرمائی، شیخ نے فرمایا جاؤ ہمارے کسی بیت الخلا میں جاؤ اور تماشا دیکھو، وہ ایک بیت الخلا میں گیا، وہاں اُس نے دیکھا کہ سونے چاندی کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں، جب وہ وہاں سے لوٹا تو شیخ نے اس سے فرمایا، اے بے خبر تم نے دیکھا کہ دنیا مردانِ خدا کی نظر میں کس قدر ذلیل و خوار ہے، وہ چیز جس کو تم اپنے دل میں جگہ دیئے ہوئے ہو، ہم نے اسے اپنے پاس سے نکال کر بیت الخلاء کے سپرد کر دیا ہے۔

سرافرازی — مشہور ہے کہ آپ شیخ قطب الاقطاب پیر مراد کی جناب میں منصب "عرض بیگی" سے سرفراز تھے، اور اہلِ حاجت کی حاجت روائی میں ممتاز تھے۔

تصنیف — حضرت شیخ صفائی نے اپنے پیر و مرشد حضرت شیخ مراد کی سوانح حیات تذکرۃ المراد کے نام سے مرتب کی۔[1]

وفات — آپ نے ۹۳۱ھ میں وفات پائی "ہو خیر البقاء" سے آپ کا سنہ وفات نکلتا ہے اور حضرت پیر مراد کے مزار مبارک کے پائینتی مدفون ہوئے۔[2]

---

[1] یہ تمام تفصیل تحفۃ الطاہرین صفحہ ۲۱ و ۲۲ و تحفۃ الکرام و معارف الانوار سے ماخوذ ہے۔

[2] رسالہ مہران نمبر ۴ جلد ۵ ۱۹۵۶ء حواشی مکلی نامہ مرتبہ سید حسام الدین صاحب راشدی، تذکرۃ المراد کا ایک عکسی نسخہ میرے محترم دوست آغا عبدالرحیم درانی سابق اسپیکر سندھ اسمبلی کی لائبریری آشیانہ ادب۔ گڑھی یٰسین ضلع سکھر میں موجود ہے۔

www.maktabah.org

(۱۷)

درویش حسن مقری

حالات آپ کا نام درویش حسن مقری، عرف موذن تھا، قصبہ بانوت کے رہنے والے تھے، نجاری کا پیشہ کرتے تھے، ہمیشہ ریاضت و مجاہدات میں مشغول رہتے اور بحرِ مکاشفے میں غرق رہتے تھے، نظافت و پاکیزگی کا یہ عالم تھا کہ گھر میں علیحدہ وضوء و طہارت کے لئے ایک طہارت خانہ بنا رکھا تھا، اکثر ایسا ہوتا کہ آپ اس میں وضو کے لئے داخل ہوتے، اور عین وضو میں آپ پر استغراق کی کیفیت طاری ہوجاتی، اور گھنٹوں اسی عالم میں گذر جاتے۔

ایک روز آپ لوٹا لے کر وضو کے لئے بیٹھے، ابھی ہاتھ بھی دھونے نہ پائے تھے کہ ظہر کی اذاں کی آواز آپ کے کان میں پہنچی، اور آپ پر استغراق کی کیفیت طاری ہوگئی یہاں تک اسی عالم میں پوری ایک رات اور دن گذرا، کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ آپ سے کچھ پوچھے، یہاں تک کہ جب دوسرے دن ظہر کا وقت آیا اور موذن نے ظہر کی اذاں دی تو اس وقت آپ ہوش میں آئے اور حیرت سے فرمایا کیا ابھی تک موذن نے اذاں ختم نہیں کی۔

صاحب حدیقۃ الاولیاء کی روایت ہے کہ ایک دفعہ مخدوم مراد ابن مخدوم صدرالدین اپنی سواری پر سوار ہوکر آپ کی زیارت کے لئے تشریف لائے، اور سواری کو ایک جگہ باندھ کر آپ کے مکان پر پہنچے، وہاں جاکر خدام سے معلوم ہوا کہ آپ پر سات روز سے وضو کی حالت میں استغراق کی کیفیت طاری ہے، یہ سن کر

www.maktabah.org

مخدوم صدرالدین کو تعجب ہوا، اور تھوڑی دیر آپ کے پاس کھڑے رہے، یہاں تک کہ آپ اپنی اصلی حالت پر لوٹ آئے اور آپ نے مخدوم مراد سے مصافحہ کیا، مخدوم مراد نے ذرا گستاخانہ لہجے میں کہا کہ آپ پر وضو کی حالت میں سات دن سے استغراق کی کیفیت طاری ہے، ان سات دن کی پینتیس نمازیں ہوتی ہیں، آپ نے کوئی نماز بھی ادا فرمائی؟ درویش حسن مقری نے مُسکراتے ہوئے جواب دیا، میاں آپ جائیے اور پہلے اپنی سواری کے جانور کی خبر لیجئے، پھر مجھ سے نماز کے متعلق دریافت کیجئے، مخدوم مراد یہ سُن کر اُس جگہ لوٹے جہاں اُنہوں نے اپنی سواری کو باندھا تھا، دیکھا کہ سواری کا جانور غایب ہے، کئی دن کی تلاش و جستجو کے بعد وہ سواری کا جانور ملا اور مخدوم مراد اپنے گھر واپس ہوئے۔

ایک دفعہ ایک صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے لوگوں سے اُن کے متعلق دریافت کیا لوگوں نے کہا یہ ایک مسافر ہیں اور حافظ کلام اللہ ہیں، آپ اُن صاحب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا تم حافظ قرآن ہو، انھوں نے کہا ہاں، پھر پوچھا کہ میاں یہ تو بتاؤ کہ قرآن مجید کی تلاوت میں کسی وقت بھی کوئی نشتر تمھارے دل میں کھٹکا ہے، یہ فقرہ زبانِ مبارک سے سن کر ان صاحب کی زندگی میں ایک انقلابِ عظیم پیدا ہوگیا، اور ان کی پوری زندگی کا نقشہ ہی بدل گیا؛ اور مختلف ریاضتوں و مجاہدوں کے بعد وہ اپنے زمانے کے اولیائے کبار میں شمار ہوئے۔

وفات | درویش حسن مقری نے بانوت[1] ہی میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے[2]۔

---

[1] بانوت ضلع مرادوہیں (سندھ کا) ایک قصبہ ہے۔

[2] یہ تمام حالات حدیقۃ الاولیا قلمی صفحہ ۱۲۹ تا ۱۳۲ سے ماخوذ ہیں۔

www.maktabah.org

(۸ اُ)

شیخ خضر سیوستانی

حالات شیخ خضر سیوستانی سندھ میں سلسلۂ قادریہ کے عظیم المرتبت صوفیاء میں شمار ہوتے ہیں، سندھ میں سلسلۂ قادریہ کے فیوض و برکات کو عام کرنے میں، شیخ خضر کا بڑا حصہ ہے، میاں میر لاہوری اِنھیں کے جلیل القدر مرید و خلیفہ تھے، جنھوں نے نہ صرف سندھ میں بلکہ پنجاب میں بھی سلسلۂ قادریہ کی تعلیمات کو پھیلایا۔

شیخ خضر قادری کا وطن سیوستان تھا، اُن کے آئینۂ سیرت میں اتقاد تقدس، توکل و استغنا کے جوہر نمایاں نظر آتے ہیں، توکل کی انتہا یہ تھی کہ اُنھوں نے اپنی ساری زندگی میں کچھ بھی اپنے پاس نہ رکھا، وہ ابتداءً اپنے وقت کا بڑا حصہ ایک قبرستان میں گزارتے تھے، پھر وہ سیوستان کے متصل ایک پہاڑ میں مقیم ہو گئے تھے، جہاں ان کا سارا وقت عبادتوں، مجاہدوں، اور یادِ الٰہی میں گزرتا تھا، اس پہاڑ میں اُنھوں نے ایک تنور بھی بنوایا تھا، جس میں روٹی پکنے کی نوبت کبھی نہیں آئی، گرمی و سردی میں ہمیشہ اُن کا لباس ایک تہبند تھا، سردی میں ہمیشہ اُس تنور میں بیٹھ کر یادِ الٰہی کرتے، مشہور یہ ہے کہ جس پتھر پر وہ بیٹھتے تھے وہ کبھی گرم نہیں ہوا، پہاڑ میں سکونت اختیار کرنے کے بعد وہ شہر سیوستان میں بہت کم آتے تھے، تعلقات دنیوی سے یہاں تک اجتناب کرتے تھے کہ سوائے خدا کے اُن کا

www.maktabah.org

کوئی دوست نہ تھا، درختوں کے پتے کھا کر زندگی بسر کرتے۔

داراشکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ سیوستان کا حاکم اس پہاڑ پر آپ کی زیارت کے لئے آیا، شدید گرما کا موسم تھا، اور آپ پتھر پر بیٹھے ہوئے عبادت و مراقبہ میں مصروف تھے، وہ اس خیال سے کہ آپ کو راحت پہنچے اس طور پر کھڑا ہوا کہ اُس کا سایہ آپ پر پڑے، جب آپ مراقبہ سے فارغ ہوئے تو آپ نے اُس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ کیوں ان ویرانے میں آئے ہو، اور تمھارا کیا مقصد ہے، اُس نے جواب دیا کہ اس وقت حاضری سے میرا مقصد یہ تھا کہ آپ کی زیارت کی خوش نصیبی حاصل کروں، اور آپ سے عرض کروں کہ اگر آپ کوئی خدمت مجھ سے متعلق فرمائیں تو اس کی بجاآوری میری انتہائی سعادت ہوگی، آپ نے فرمایا کہ میرا کوئی کام بھی ایسا نہیں جو تم پورا کرسکو، حاکم نے نہایت ہی لجاجت سے پھر دوبارہ عرض کیا کہ اگر کوئی خدمت مجھ سے متعلق فرمائی جائے تو میرے لئے باعث فخر ہوگی، آپ نے فرمایا اچھا جو میں کہتا ہوں تم اُسے منظور کروگے، اُس نے عرض کیا ضرور، آپ نے فرمایا تو یہ اپنا سایہ جو تم نے مجھ پر ڈال رکھا ہے اسے ہٹالو، اس لئے کہ جو لوگ اللہ کے سائے میں زندگی گزارتے ہیں، انھیں اس سائے کی ضرورت نہیں، دوسری بات جو میں تم سے کہنی چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ تم جہاں سے آئے ہو واپس چلے جاؤ، حاکم یہ سن کر فوراً ہی وہاں سے ہٹ کر اتنی دور کھڑا ہوگیا کہ اس کا سایہ آپ پر نہ پڑے، پھر اس نے عرض کیا کہ میں حضور کے ارشاد کی تعمیل کرتا ہوں اور واپس جاتا ہوں، لیکن میری تمنا یہ ہے کہ آپ اپنے خاص وقت میں جب آپ عبادتِ الٰہی میں مصروف ہوں میرے لئے دعائے خیر فرمائیں، آپ نے فرمایا خدائے تعالیٰ مجھے اس وقت کے لئے زندہ نہ رکھے کہ جب کہ اللہ کی ذات

www.maktabah.org

کے سوا میرے دل میں کوئی دوسرا خیال آئے، اور میں اُس وقت میں تمھیں یاد کروں۔

وفات شیخ خضر سیوستانی نے ۹۹۴ھ میں وفات پائی۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے یہ قطعہ تاریخ کہا ہے[۱]۔

خضر چوں آں رہنماے دو جہاں
مقتداے دیں ولی و متقی
کرد چوں رحلت ازیں دارِ فنا
سالِ وصلِ آں ولیِ جنتی
آفتابِ عارفان حق بگو (۹۹۴ھ)
نیز سالک متقی نورالولی (۹۹۴ھ)

---

[۱] یہ تمام تفصیل تذکرہ مشاہیرِ سندھ (سندھی) مولفہ مولانا دین محمد وفائی سے ماخوذ ہے جس میں خزینۃ الاصفیاء کا حوالہ موجود ہے۔

www.maktabah.org

(۱۹)

قاضی خیرالدین

حالات قاضی خیرالدین سندھ کے نامور صوفیا اور مشائخین میں شمار ہوتے ہیں، صاحبِ حدیقۃ الاولیاء نے انکی متعدد کرامتیں نقل کی ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص مرضِ اسہال میں اس درجہ مبتلا ہوا کہ کوئی دوا اُس پر کارگر نہ ہوتی تھی، اُس کے اعزہ جب دوا و علاج سے عاجز آ گئے تو اُسے گھر سے لاکر چوراہے پر ایک گوڑی پر بٹھا دیا، ناگاہ اُدھر سے قاضی خیرالدین کا گذر ہوا، اور آپ کی نظر اُس بیمار پر پڑی، جب آپ اُس کے پاس پہنچے، آپ نے اُس سے اس کی کیفیت دریافت کی، اُس شخص نے آپ سے اپنا سارا حال بیان کیا، آپ نے اس پر ایک نظرِ کیمیا اثر ڈالی، اُسی وقت اُس کے اسہال رُک گئے، اور وہ تندرست ہو گیا، اور تقریباً چالیس سال تک زندہ رہا اور تندرستی و عیش و آرام کی زندگی بسر کی۔

وفات قاضی خیرالدین نے غالباً نصرپور میں وفات پائی اور نصرپور سے ایک میل دور جانبِ جنوب دفن ہوئے۔[1]

---

[1] یہ تمام تفصیل حدیقۃ الاولیاء قلمی صفحہ ۲۳۵ - ۲۳۶ سے ماخوذ ہے۔

www.maktabah.org

(۲۰)

قاضی دتہ سیوستانی

نام و نسب آپ کا نام قاضی دتہ آپ کے والد کا نام قاضی شرف الدین تھا جو مخدوم راہو کے لقب سے مشہور تھے، مخدوم راہو کے والد شیخ محمود جلیل القدر اولیاء اللہ میں سے تھے۔

تعلیم قاضی دتہ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم اور صاحبِ کشف بزرگ تھے، وہ بہت سے اولیاء کرام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے اکتسابِ فیض کیا، اور روحانی تعلیم حاصل کی، قاضی دتہ نے علومِ متداولہ کی تعلیم ایک طویل عرصہ تک اپنے والد محترم قاضی شرف الدین کی خدمت میں رہ کر حاصل کی، جب وہ علوم و فنون میں خاطر خواہ ترقی کر چکے تو مخدوم بلال کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان سے حدیث و تفسیر کی تعلیم حاصل کی، بعض علوم میں انھوں نے مخدوم محمود داؤد پوترہ[1] اور مولانا عبدالعزیز ہروی[2] کے تلمذ

---

[1] مخدوم محمود فخر پوترہ سندھ کے اکابر علماء میں سے تھے، ان کی وجہ سے سندھ میں کافی علم کی اشاعت ہوئی عالم اور صاحبِ باطن بزرگ تھے، علم میں فیوض و برکات کا یہ عالم تھا کہ جس طالب علم نے بھی آپ سے علمی اکتساب کیا ہمیشہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوا، جس وقت آپ ہرات سے سندھ تشریف لائے راستے میں بہت سے خوارق عادات آپ سے ظاہر ہوئے، آپ نے موضع کاہان میں اقامت اختیار فرمائی تھی (معصومی صفحہ ۱۹۸ - جزو سوم)

[2] مولانا عبدالعزیز ہروی ابہری ہرات سے سندھ تشریف لائے، اور موضع کاہان میں سکونت اختیار کی، اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے، علم معقول میں مہارت تامہ رکھتے تھے، حکامِ وقت آپ کا بڑا احترام اور خاص خیال رکھتے تھے، اور آپ کے ارشاد کی تعمیل کو اپنی سعادت سمجھتے تھے (معصومی صفحہ ۱۹۹ جزو سوم)

www.maktabah.org

کا فخر حاصل کیا۔

تفسیر سے شغف تفسیر قرآن مجید سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے تقریباً قرآن مجید کی اٹھارہ تفسیروں کا بالاستیعاب مطالعہ کیا تھا، اور قرآنی معارف و نکات کو بیساختہ بیان فرماتے تھے۔

حافظہ مختلف علوم پر کامل دستگاہ رکھتے تھے، حافظہ کی یہ کیفیت تھی کہ اکثر کتابوں کی عبارتیں بغیر کتاب کے سُنا دیا کرتے تھے۔

شاہ حسن ارغون کی عقیدت ارغون خاندان کا دوسرا فرمانروا مرزا شاہ حسن ارغون آپ کے علم و فضل و تقویٰ و تقدس کی وجہ سے آپ سے بیحد عقیدت رکھتا اور آپ کی انتہائی تعظیم و توقیر کرتا تھا، شاہ حسن نے بعض علوم میں آپ سے استفادہ بھی کیا تھا، اس لئے وہ آپ کو اپنا اُستاد بھی کہتا تھا، اور علمی عظمت کی بنا پر انھیں امام جاراللہ کہتا تھا، میر معصوم بھکری مؤلف تاریخ معصومی بھی آپ کے حلقۂ درس میں شریک رہے ہیں۔

مزار قاضی دتہ نے موضع باغبان میں وفات پائی اور وہیں آپ کا مزار مبارک مرجع خاص و عام ہے[1]۔

---

[1] یہ تمام تفصیل حدیقۃ الاولیا قلمی مملوکہ سندھ یونیورسٹی کے صفحہ ۹۳-۹۴ سے ماخوذ ہے۔

www.maktabah.org

(۲۱)

حضرت میاں سید علی کلاں شیرازی

ولادت حضرت سید علی کلاں شیرازی حضرت پیر مراد کے حقیقی بھائی، اور حضرت پیر مراد ہی کے مرید ہیں آپ کی ولادت ۹۹۵ھ میں ہوئی، اور تصوف و طریقت کے منازل آپ نے اپنے بھائی حضرت پیر مراد سے طے کر کے خلافت حاصل کی اور ٹھٹھہ میں اپنے بزرگوں کی طرح تزکیۂ باطن اور اصلاحِ خلق میں مصروف ہو گئے۔

پیر کی دعا مشہور ہے کہ حضرت قطبِ زماں حضرت پیر مراد نے، ان کے اور ان کی اولاد کے حق میں خیر و برکت اور وسعتِ رزق کی دعا فرمائی تھی، حضرتِ پیر مراد کی دعا کا یہ اثر تھا کہ آپ درجۂ ولایت تک پہنچے، صاحبِ کشف و کرامات ہوئے۔

اولاد حضرت سید علی کلاں شیرازی کے دو صاحبزادے ایک سید جلال، اور دوسرے سید جمال تھے۔

سید جلال آپ کے بڑے صاحبزادے تھے جو ۳۳ھ میں پیدا ہوئے اور اپنے والد کی طرح صاحبِ حال بزرگ تھے، یہ اپنے والد کی وفات کے بعد حضرت پیر مراد کے دوسرے خلیفہ مقرر ہوئے، علوم ظاہری میں بھی آپ کا پایہ بہت بلند تھا، خصوصاً تفسیر، حدیث اور فقہ میں آپ بیحد کمال رکھتے تھے، اور ان علوم کا درس بھی دیتے تھے، آپ کی ساری عمر مذہبی علوم کی اشاعت و درس و

www.maktabah.org

تدریس میں بسر ہوئی، سید جلال نے چھیاسٹھ سال کی عمر میں ۹۰۳ھ میں وفات پائی، آپ کا مزار مکلی میں اپنے والد کے مزار مبارک کے پائنتی، سید محمد جعفر کی قبر کے متصل مغربی جانب ہے، وجعلنا للمتقین اماما سے آپ کی تاریخِ وفات نکلتی ہے۔

۹۰۳

وفات حضرت میاں سید علی کلاں شیرازی نے بیاسی سال کی عمر میں ۴ صفر ۸۸۸ھ میں جمعہ کے دن وفات پائی اور یکم ربیع الاول کو اپنے والد کے مزار مبارک کے پائینتی دفن ہوئے۔

فضائل صاحبِ حدیقۃ الاولیاء نے آپ کی بزرگی و عظمت و فضائل کا اعتراف ان اشعار میں کیا ہے۔

آں والئ کشورِ ولایت — بُرہانِ مالکِ ہدایت
صاحب دل و عارف و محقق — بیدار دلی و لی مطلق
سید علی آں بفضل ممتاز — ہر دفترِ سیدانِ شیراز
گل دستۂ بوستانِ طاہا — فخرِ ثمری ز نخلِ زہرا
کشّافِ دقائقِ معانی — دانائی حقائقِ نہانی
مراتِ جمالِ اسمِ اعظم — بینائی رموزِ ہر دو عالم
از آئینۂ دلش ہویدا — اسرارِ جلالِ حق تعالیٰ
ہم منظرِ صورتِ تجلی — ہم مخزنِ گنجِ لایزالی
دریا دلِ قلزم سماحت — عیسیٰ دم و یوسف ملاحت
دستِ کرمش جو ابرِ نیساں — می بود ہمیشہ گوہر افشاں
فیضِ کرمش کہ عام بودے — زو بہرۂ صد کرام بودے
در راہِ خدا بذل و ایثار — می داشت دلی چو بحرِ زخار

www.maktabah.org

گر خود ہمہ گنجِ شائگاں بود | در حاصلِ جملہ بحر و کاں بود
میداد ہمہ بتازگی رو | ہرگز نفگندہ چین در ابرو
بودش بنظر ہزار جوہر | با قیمتِ یک پشیزہ برابر
صد گونہ سماط نزل چندی | خوان ہائے نعم بر آں کشیدی
بنشستہ بہ بزمِ میزبانی | میداد صلائے مہمانی
اخوانِ صفا ز ہر دیاری | خلّانِ وفا ز ہر کناری
ہر روز برسمِ مہماناں | از شوق بخدمتش شتاباں
ہریک ز افاضۂ نعیمش | وز بحر کفِ یدِ کریمش
برچیدہ جواہرِ مطالب | برگشتہ از آں حریمِ صائب
دائم بہ ابتغائے مرضات | کوشیدہ در انقضائے حالات
ہشتاد و یکے سنین و نہصد | بگذشتہ ز ہجرتِ محمدؐ
کو رخت ازیں سرائے فانی | بربست بملکِ جاودانی
آسودہ بخوشتریں مزارے | مانند بہشتہا مرغزارے
خورشید ز روی شوق اخلاص | در گنبدِ او چو ذرّہ رقّاص
از باغِ طرب گلی شگفتہ | کز شبنمِ فیض رخ بشستہ
نزہت گہِ چشمِ اہلِ بینش | ہمسایۂ باغِ آفرینش
تا ہست نفوسِ پاک در خاک | ہستند میانِ افلاک

باد از درودِ پاک بازاں
معمور ز فیضِ خاک بازاں[۱]

۱؎ حدیقۃ الاولیاء قلمی ملوکہ سندھ یونیورسٹی صفحہ ۷۶ تا ۷۹۔

(۲۲)

حضرت میاں سید علی ثانی شیرازی

خاندان آپ سید جلال کے صاحبزادے، حضرت میاں سید علی کلاں کے پوتے تھے، مشہور ہے کہ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات، آپ بچپن ہی سے تقویٰ اور پرہیزگاری کی طرف مائل تھے، خاندانی ماحول اور افتادِ طبیعت نے آپ کو نیکی اور اتقا کے ڈگر پر ڈالا تھا، ابتداءً آپ نے ایک بزرگ درویش راجر سے تزکیۂ نفس اور تربیتِ روحانی حاصل کی، ان کے بعد آپ نے اُس عہد کے مشہور بزرگ حضرت مخدوم نوح ہالائی سے بیعت کی، اور مقامِ فنا فی اللہ سے گذر کر مقام بقا باللہ میں داخل ہوئے۔

مدینۂ طیبہ میں حاضری مشہور ہے کہ جب آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ مبارک کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے، مدینۂ منورہ کے بعض شرفا نے آپ کے سید ہونے سے انکار کیا، اور کہا کہ سید اس قدر سبز فام نہیں ہوتے، آپ حجرۂ مبارک کے دروازے کے سامنے کھڑے ہوئے اور پکار کر کہا یا جدّی (اے میرے دادا) روضۂ مبارک کے اندر سے آواز آئی لبیک یا ولدی (اے میرے بیٹے میں موجود ہوں) یہ سن کر لوگ حیران ہوگئے اور جن لوگوں نے آپ پر اعتراض کیا تھا، اُنھوں نے آپ کے قدموں پر گر کر آپ سے اپنی گستاخی کی معافی چاہی۔

www.maktabah.org

سخاوت و فیاضی | سخاوت و فیاضی و جود و بخشش میں آپ کا ہاتھ بہت کشادہ تھا، کوئی حاجتمند آپ کے دروازے سے ناکام نہ جاتا تھا۔

رشد و ہدایت | آپ سے بھی بہت سے بھٹکے ہوئے انسانوں نے رہنمائی حاصل کی، اور آپ کا زیادہ وقت اعلائے کلمۃ الحق میں صرف ہوتا تھا

تصانیف | آپ کی تصانیف میں رسالہ آداب المریدین کو خاص شہرت حاصل ہے، یہ رسالہ آپ نے چونسٹھ سال کی عمر میں لکھنا شروع کیا تھا، اور سنہ ۹۴۲ھ میں اس کی تکمیل ہوئی، اس کے علاوہ حضرت سید علی ثانی فارسی، عربی اور سندھی کے بہت بڑے عالم اور ادیب تھے، معارف الانوار کے مصنف نے آپ کے سندھی کے دو ایک دوہے اپنی کتاب میں نقل کیے ہیں، اِن کے دوہوں کو سندھی ادب کی تاریخ میں خاص اہمیت حاصل ہے۔

شہنشاہ ہمایوں کی عقیدت | ترخان نامہ میں ہے کہ جب ہمایوں عمرکوٹ پہنچا تو ٹھٹھ کے لوگوں کی طرف سے حضرت سید علی شیرازی جو اس وقت شیخ الاسلام تھے ہمایوں کے پاس آئے، اور انھوں نے اس کے سامنے تحفتاً مختلف قسم کے عطر اور پھل پیش کیے، اسی زمانے میں رجب شبِ یکشنبہ سنہ ۹۴۹ھ میں اکبر کی ولادت ہوئی۔ ہمایوں نے تبرکاً حضرت سید علی شیرازیؒ کے پیراہن سے کپڑا لے کر اکبر کا پہلا لباس تیار کرایا[1]

وفات | سنہ ۹۸۱ھ میں آپ نے وفات پائی[2]، آپ کا مزار مکلی میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

اولاد | آپ کے فرزندوں میں جلال ثانی خاص طور پر مشہور ہیں، جو اپنے بزرگوں کی طرح پُروقار زندگی بسر کرتے تھے، اور اپنے والد اور

---

[1] ترخان نامہ قلمی بضمن میرزا شاہ حسین ارغون۔

[2] سنہ وفات تحفۃ الکرام جلد سوم صفحہ ۸۰ سے نقل کیا گیا، تحفۃ الطاہرین میں آپ کا ۹۸۱ھ درج ہے۔

www.maktabah.org

دادہ کے سجادہ نشین ہوئے، مرزا باقی ترخاں[1] کے بھائی مرزا صالح نے اپنی لڑکی کی شادی آپ سے کی تھی، اور اسی نسبت سے اس نے آپ کو اکبر بادشاہ کے حضور میں بھجوایا تھا۔

علم و فضل کے اعتبار سے بھی حضرت جلال ثانی کا پایہ بہت بلند ہے، میر معصوم بھکری نے اپنی مشہور تاریخ معصومی میں لکھا ہے کہ

سید جلال الدین محمد نیز بزیورِ ورع و کمال آراستہ و قدم بر جادۂ پدر بزرگوار نہادہ و در جمیع علوم یگانۂ زماں و وحیدِ عصر و اوان بودند بمتانت و لطافت ذہن بے نظیر، و در کمال مردمی و مردت باوجود قلت ادرارے کہ داشتند زیادہ از پدر مردم بہرہ مند می شدند، تشرع سید جلال زیادہ از پدر است[2]

حضرت جلال الدین ثانی کی وفات کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے سیّد میر محمّد اُن کے جانشین ہوئے۔ ترخانی دَور کی مشہور تاریخ "ترخان نامہ" سیّد میر محمّد ہی کی تالیف ہے[3]

---

[1] میرزا محمد باقی بن میرزا عیسیٰ ترخاں اپنے باپ کی وفات کے بعد ٩٧٤ھ میں ٹھٹھہ میں تخت حکومت پر بیٹھا، یہ بڑا ظالم انسان تھا، ٩٩٣ھ میں اس کو جنون ہو گیا، اسی جنون میں اس نے اپنے خنجر مار لیا، اور اسی زخم سے وفات پائی، اور مکلی کے قبرستان میں دفن کیا گیا، اس کی مدت حکومت تیرہ سال تھی (معصومی)

[2] میرزا محمد صالح ترخاں بڑا شجیع و بہادر تھا، یہ ٩٨٠ھ میں مرید نامی بلوچ کے ہاتھ سے مارا گیا، مرید کو میرزا محمد صالح سے اس وجہ سے دشمنی تھی کہ اس کا باپ میرزا محمد صالح کے ہاتھ سے مارا گیا تھا (معصومی صفحہ ٢٠٦)

[3] اولاد کے متعلق جملہ معلومات تحفۃ الکرام جلد ٣ صفحہ ١٨٧-١٨٨ سے ماخوذ ہیں۔

[4] معصومی صفحہ ٢١٦ جزو سیوم و تحفۃ الکرام سندھی صفحہ ٢٦٨

www.maktabah.org

(۲۳)

حضرت شاہ صدرؒ

نام و خاندان آپ کا اسم گرامی صدر الدین، لقب شاہ صدر آپ کے والد محترم کا نام نامی سید محمد اور آپ کے دادا کا اسم گرامی حضرت سید علی مکی تھا آخر میں آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام موسیٰ کاظم سے مل جاتا ہے، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے۔

صدر الدین، بن سید محمد، بن سید علی (مکی) موسوی بن سیّد عبّاس بن سیّد حسین بن سید ارشد بن سید زید بن سید جعفر بن سید عمران بن سید ہارون بن سید عبد اللہ الاشرف بن سید قاسم بن سید عبید اللہ بن امام حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام۔[1]

چوتھی صدی ہجری میں حضرت شاہ صدرؒ کے جدا مجد حضرت سید علی مکی جو اکابر شیوخ اور اولیائے کبار میں تھے، اپنے ایک سو رفقا و ہمراہیوں کے ساتھ سامرہ سے ہجرت کر کے تبلیغ اور اشاعت اسلام کے لئے سندھ تشریف لائے، اور پرگنہ سیوستان ضلع دادو میں بھگے توڑے نامی پہاڑ کے دامن میں دریا کے کنارے ایک پُر فضا اور خاموش بستی میں سکونت پذیر ہوئے، یہ گاؤں آیندہ چل کر حضرت سید علی کے نام پر "لک علوی" سے مشہور ہوا، اور اُن کی

---

[1] تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ

www.maktabah.org

اولاد "لکیاری سادات" کہلائی، سادات کا یہ پہلا خانوادہ تھا جو سندھ کے لئے باعثِ شرف و زینت بنا۔

لکیاری سادات

لکیاری سادات کا خاندان اپنے شرف و مجد اور نجابت کے اعتبار تمام سندھ میں ممتاز سمجھا جاتا ہے، لکیاری سادات کی شرافت و نجابت اور فضائل کا تذکرہ سندھ کے مورخین اور تذکرہ نگار نہایت اہتمام سے کرتے ہیں۔

گیارہویں صدی ہجری کا ایک سندھی مورخ میر یوسف جس نے ۱۰۴۴ھ میں سندھ کے شاہجہانی دور کے حالات پر شاہجہاں کے لئے "مظہر شاہجہانی" کے نام سے ایک کتاب تالیف کی تھی، اپنی اس بیش بہا تالیف میں لکیاری کے سادات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

سادات لکعلوری بسیار صحیح النسب اند[1]

آگے چل کر اس نے اُن کی شرافتِ خاندانی کو سراہتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ ایسے صحیح النسب ہیں اور اپنے نسب پر اس قدر نازاں ہیں کہ وہ اپنی لڑکیوں کا رشتہ دوسرے سادات میں نہیں کرتے۔

حضرت سید علی کی تشریف آوری کے متعلق صاحبِ تحفۃ الکرام کا بیان

میر علی شیر قانع ٹھٹھوی صاحبِ تحفۃ الکرام نے حضرت سید علی کی سندھ میں آمد کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سندھ میں اروڑ اور برہمن آباد کا ایک راجہ دلو رائے تھا، جس کا پایہ تخت "ارور" تھا، دلو رائے نہایت ظالم اور بدکار انسان تھا، اُس کا ایک چھوٹا بھائی جس کا نام

---

[1] اخبار مہران سندھی (شاہ صدر نمبر - ۲۷ جنوری ۱۹۵۸ء) "لکیاری سادات" مضمون سید حسام الدین صاحب راشدی بحوالۂ مظہر شاہجہانی صفحہ ۲۴۴

www.maktabah.org

چھوٹے امرانی تھا، اس کے ساتھ رہتا تھا، مسلمانوں کے فیض صحبت سے آمرانی متاثر ہوا اور اس نے اسلام قبول کر لیا، اور رمانگا منصورہ میں جاکر اُس نے قرآنِ مجید کی تعلیم حاصل کی، اور حافظِ قرآن ہو کر اپنے وطن واپس آیا، اس کے گھر والوں نے اُسے شادی پر مجبور کیا، لیکن اُس نے انکار کر دیا، اُس کے بعض دوستوں نے طعنہ دیا کہ یہ تو ملک عرب کی فلاں لڑکی سے شادی کرے گا، یہ بات اُس کے دل میں بیٹھ گئی، اور وہ فوراً حج کے لئے مکہ معظمہ روانہ ہو گیا، اور وہاں جاکر اُس نے فاطمہ نامی ایک خاتون سے شادی کی اور اپنی بیوی کے ساتھ سندھ واپس آیا، اور برہمن آباد میں رہنے لگا، چھوٹے آمرانی بڑا نیک اور پرہیزگار انسان تھا، ہمیشہ اپنے بھائی دلورائے کو نصیحت کرتا رہتا، اور نیکی کی طرف مائل کرتا رہتا تھا، لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔

ایک دن کسی نے دلورائے سے فاطمہ کے حسن وجمال کی تعریف کی، دلورائے اُس کی تعریف سن کر اس قدر متاثر ہوا کہ ایک دن موقع پاکر جب کہ چھوٹے آمرانی گھر میں نہ تھا بُری نیت سے اس کے گھر میں گھس گیا، آمرانی کو بھی خبر لگ گئی، وہ بھی بروقت گھر میں پہنچ گیا، اور اپنی بیوی کو لے کر شہر سے نکل گیا، اور اُس نے اعلان کیا کہ یہ شہر دلورائے کی شامتِ اعمال سے تباہ ہو جائے گا، وہ سیدھا یہاں سے عرب پہنچا، اور خلیفہ کے دربار میں دلورائے کے مظالم کی فریاد کی، خلیفہ نے سامرہ سے حضرت سید علی کو ایک فوجی سپاہیوں کے دستے کے ساتھ دلورائے کی گوشمالی کے لئے سندھ بھیجا، لیکن آپ کی تشریف آوری سے قبل ہی اروڑ اور برہمن آباد خدا کے غضب سے تباہ ہو چکے تھے، حضرت سید علی جب سندھ پہنچے تو راجہ اپنی غلطیوں پر پشیمان ہو کر تائب ہوا، اور اُس نے اپنی لڑکی کی شادی جو اسلام قبول کر چکی تھی حضرت سید علی سے کر دی، اس بیوی سے آپ کے چار صاحبزادے

www.maktabah.org

تولد ہوئے، جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

(۱) سید محمد

(۲) سید مراد

(۳) سید حاجی عرف سید برکیہ

(۴) سید چنگو

شاہ صدرؒ حضرت سید علی کے بڑے صاحبزادے حضرت سید محمد کے بیٹے ہیں۔

یہ وہ روایت ہے جو میر علی شیر قانع ٹھٹھویؒ نے تحفۃ الکرام میں اِس عظیم المرتبت خانوادے کے سندھ میں آنے کے متعلق نقل کی ہے، اِس روایت کے علاوہ ہمیں اس خاندان کے متعلق سندھ کی کسی تاریخ میں کوئی ایسا مواد نہیں ملتا جس سے اس خاندان کی آمد کے متعلق کچھ مزید معلومات حاصل ہو سکیں۔

البتہ یہ حقیقت ہے کہ دلوراسے کے گاؤں کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں، حضرت سید علی کی اولاد "لکیاری سادات" سندھ کے ہر حصے میں موجود ہیں، اور آج بھی سیون میں فاطمہ اور چھوٹے آمرانی کی قبریں زیارت گاہِ خاص و عام ہیں، جس پر شاہجہانی دور کے ایک دین پرور حاکم دیندار خاں کا یہ کتبہ موجود ہے۔

بدورِ شہنشاہِ شاہِ جہاں
خدیو خرد مند، صاحب قراں
چو خلدِ بریں روضۂ شہ "چھٹہ"
بنا کرد نواب دیندار خاں
زسالِ بنائش طلب داشتن
"بہشت بروئے زمیں" گفت عثماںؔ
۱۰۴۲ھ

سلہ یہ تمام مواد اخبار مہران سندھی شاہ صدر نمبر ۲۷ جنوری ۱۹۵۸ء سید حسام الدین صاحب راشدی کے مضمون سادات لکیاری سے ماخوذ ہے۔

www.maktabah.org

جلالت شان | صاحب تحفۃ الکرام نے حضرت شاہ صدر کی عظمت و جلالتِ شان داو صافِ حمیدہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

سید صدر الدین عرف صدر بن سید محمد، صاحب آیات باہرہ و
کرامات ظاہرہ، ولیِ وقت و سر سید مشایخ روزگار، فخر سادات،
جامع البرکات بود، اولادش در مسند نجابت، ودو مان واصالتِ
خاندان متصف[1]

حضرت شاہ صدر کی ذاتِ گرامی ارشاد و ہدایت کا وہ سرچشمہ تھی کہ جس سے ہزاروں انسانوں نے تصوف و عرفان کی دولت حاصل کی، دور دور سے لوگ مذہبی اور روحانی استفادے کے لئے حضرت شاہ صدر کی خدمت میں حاضر ہوتے، اور آپ لوگوں کو رشد وہدایت فرماتے، سندھ میں سلسلۂ قادریہ کی شیوع اور ترقی میں حضرت شاہ صدر کی مساعیِ جمیلہ کو بڑا دخل ہے۔

مزار | حضرت شاہ صدر کا روضۂ مبارک "اسٹیشن لکی شاہ صدر" کے متصل زیارت گاہِ عام و خاص ہے، روضۂ مبارک کے دروازے پر جو کتبہ نصب ہے، اس پر یہ شعر درج ہے۔

سال تاریخش بجستم از خرد
ہاتفم گفتا "بہشت اہلِ بیت"

مقامی طور پر لوگوں میں یہ روایت مشہور ہے کہ یہ روضہ نادر شاہ کے حکم سے تعمیر ہوا۔

اولاد | آپ کی اولاد میں بہت سے صاحبدل اور صاحبِ حال بزرگ گزرے ہیں جو صلاح و تقوی، تقدس و پرہیزگاری کے اعلیٰ مراتب پر فائز اور

---

[1] تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ

www.maktabah.org

اپنے وقت کے عارفِ کامل تھے۔

(۱) سید محمد

سید محمد حضرت شاہ صدر کے نواسوں میں، ولیِ کامل اور نہایت ہی عابد و زاہد بزرگ تھے، صاحب تحفۃ الکرام کا بیان ہے کہ درود شریف کا پڑھنا آپ کا معمول تھا، اور روزانہ کئی ہزار مرتبہ آپ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود بھیجتے تھے،

عجیب اتفاق ہے کہ آپ کی وفات کے بعد جو آپ کا مصرعۂ تاریخ وفات نِکلا، وہ یہ تھا۔

درودِ خدا بر محمد بود

گویا یہ مصرع آپ کے مبارک شغل کی مقبولیت کی طرف ایک لطیف اشارہ تھا۔

سید محمد کے صاحبزادے سید اول شاہ سالک و مجذوب تھے، اور سلوک کے بلند مراتب پر فائز تھے۔

آپ کے دوسرے صاحبزادے سید عبدالرسول نے بھی اپنے آبا و اجداد کے نقشِ قدم پر چل کر اپنے خاندان کے نام کو روشن کیا، اور اس دَور کے مشاہیر اولیاء میں شمار ہوتے تھے۔

(۲) سید محمد شجاع

یہ بھی شاہ صدر کے نواسوں میں تھے، اور نقشبندیہ سلسلے کے نامور صوفیا میں تھے۔

(۳) سید محمد اشرف

صاحبِ شرف و مجد بزرگوں میں تھے، اور اپنے اکابر کی طرح عظمتِ روحانی

www.maktabah.org

کے حامل تھے۔

(۳) سید ابو بکر

سادات لکیاری میں عظیم المرتبت بزرگ تھے، ایک دفعہ شہزادہ محمد معزالدین اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کا طالب ہوا، آپ نے اُس کے لئے دعا فرمائی، آپ کی دعا کی برکت سے خدائے تعالےٰ نے اُس کی حاجت پوری کی۔

(۴) سید غازی خاں

ظاہری اور معنوی کمالات سے متصف، اور لکعلوی سادات کے سرگروہ تھے، آپ کے گاؤں کے تمام سادات آپ کی بزرگی و عظمت کو تسلیم کرتے تھے، اور آپ کی مرضی اور مشورے کی مخالفت اپنے لئے جائز نہ سمجھتے تھے۔

(۵) سید حمزہ

اپنے وقت کے جلیل القدر بزرگ اور سادات کے پیشوا تھے میر علی شیر قانع ٹھٹھوی نے تحفۃ الکرام میں ان کے علاوہ بھی حضرت شاہ صدر علیہ الرحمہ کی اولاد میں ۱۱۸۲ھ تک جو بزرگ گذرے ہیں، ان کے حالات لکھے ہیں، لیکن عین اُس زمانے میں جب کہ میر علی شیر قانع ۱۱۸۲ھ میں تحفۃ الکرام کی تکمیل کر چکے تھے، شاہ صدر کے خاندان میں ایک اور بچہ تھا جس کی ولادت باسعادت ۱۱۷۱ھ میں ہوئی، اور اس کی عمر اس وقت گیارہ سال کی تھی، یہی نونہال آیندہ چل کر سندھ کے آسمانِ ولایت پر آفتاب بن کر طلوع ہوا، اور اس نے عرفان و معرفت کے نور سے سارے سندھ کو منور کر دیا، یہ حضرت پیر محمد راشد علیہ الرحمہ تھے جن کا روحانی فیض سارے سندھ میں پھیلا، جن کا تفصیلی تذکرہ اس کتاب کے آیندہ صفحات میں کیا جائے گا۔

یہ اس گرامی قدر خاندان کے اسلاف کا اجمالی تذکرہ تھا، جن کے فیوض و

www.maktabah.org

برکات سارے سندھ میں مسلّم ہیں، اور آج بھی صدیاں گذر جانے کے بعد لکیاری سادات کا مرکز سیون ضلع دادو ہے، ان کے روحانی مرکز اب بھی سارے سندھ میں قائم ہیں، لکی میں سادات لکیاری کا روحانی مرکز حضرت شاہ صدر کی درگاہ ہے، اس خانوادے کے سادات کا دوسرا روحانی مرکز حضرت پیر محمد راشد کی درگاہ ہے، اس خاندان کا تیسرا روحانی مرکز حضرت پیر جھنڈہ کی خانقاہ ہے، ان مرکزوں کے اس برگزیدہ خانوادے کے بہت سے خلفا سندھ میں پھیلے ہوئے ہیں جو اپنے روحانی مرکز اپنے اپنے مقام پر قائم کئے ہوئے ہیں، بالائی سندھ میں خلیفہ جوئی کی خانقاہ، خلیفہ دین پور کی خانقاہ، خلیفہ بھرچونڈی کی خانقاہ، خلیفہ امروٹ شریف کی خانقاہ اب بھی موجود ہے۔

زیریں سندھ میں بھی اس خاندان کے بہت سے خلفار کی خانقاہیں ہیں، جو قادری اور نقشبندی سلسلے کے فروغ اور ترقی کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔[1]

---

[1] اولاد کے متعلق تمام تفصیل سید حسام الدین صاحب راشدی کے مضمون "سادات لکیاری" شائع شدہ روزنامہ اخبار مہران (سندھی) شاہ صدر نمبر سے ماخوذ ہے۔

www.maktabah.org

(۲۴)

پیر صلاح الدین

حالات پیر صلاح الدین اپنے وقت کے اکابرِ صوفیا میں تھے صاحب تحفۃ الطاہرین کا بیان ہے کہ یہ سمہ دورِ حکومت میں جام فیروز کی فرماں روائی کے زمانے میں شیر پر سوار ہوکر ہندوستان سے سندھ تشریف لائے، جام فیروز کو معلوم ہوا تو اُس نے مطلقاً آپ کی پذیرائی نہیں کی، بلکہ اپنے ہم نشینوں سے استہزاءً کہا کہ شیر پر سوار ہوکر آنا کونسا کمال ہے، اس طرح تو مداری بھی ریچھ اور بندر کو سدھا کر رام کر لیتے ہیں، اگر کسی نے شیر کو اپنا تابع بنالیا کون سا تیر مارا، جام فیروز کی یہ باتیں، جب آپ تک پہنچیں تو آپ نے خشمناک ہوکر فرمایا کہ اُس سے کہہ دو کہ وہ وقت دور نہیں کہ جب اُس کا آفتابِ دولت زوال پذیر ہوگا، اور اس کا ایوانِ مملکت زمین پر آرہے گا! آپ کی اس پیش گوئی کے چند دن بعد ہی جام فیروز کی سلطنت زوال

پذیر ہوئی[1]

وفات آپ نے ٹھٹھہ ہی میں وفات پائی اور محلہ بھائیخاں میں مدفون ہوئے۔[2]

---

[1] جام فیروز سمہ خاندان کا آخری فرماں روا ہے جو جام نظام الدین ننداسکے بعد تخت نشین ہوا بعض لوگوں نے چاہا کہ اس کی جگہ جام صلاح الدین کو جو جام نظام الدین کا عزیز تھا بادشاہ بنائیں، لیکن دریا خاں اور سارنگ خاں جو جام نظام الدین کے درباری امیر و وزیر تھے، انھوں نے اس خیال کی مخالفت کی اور جام نظام الدین کے لڑکے جام فیروز ہی کو سندھ کا بادشاہ بنایا۔

جام صلاح الدین نے سلطنت سے مایوس ہو کر گجرات کا رُخ کیا، اور گجرات کے بادشاہ سلطان مظفر کو متاثر کر کے اپنی امداد و حمایت پر آمادہ کیا، اُدھر جام فیروز تخت پر بیٹھتے ہی رنگ رلیوں میں پڑگیا اس کا سارا وقت محل میں گذرتا تھا، اگر محل سے نکلتا تو دربار میں مسخرے جمع رہتے جن میں وہ اپنا وقت خوش گپیوں میں گذارتا، یہ دیکھ کر جام صلاح الدین نے ٹھٹھہ پر دھاوا بول کر قبضہ کرلیا، لیکن جام نظام الدین کے وزیر دریا خاں کی حسن تدبیر سے جام فیروز نے دوبارہ ٹھٹھہ کی حکومت حاصل کرلی لیکن سنہ ۹۲۷ھ میں شاہ بیگ ارغون نے جام فیروز پر حملہ کر کے ٹھٹھہ کو فتح کرلیا، اور سمہ خاندان کی خود مختار حکومت ختم ہو کر ارغون حکومت کی داغ بیل پڑی اور اسکے بعد اسکے بیٹے میرزا شاہ حسن ارغون کے دور میں سمہ خاندان کی حکومت جو برائے نام باقی تھی بالکل ختم ہو گئی۔ (معصومی)

[2] یہ تمام تفصیل تحفۃ الطاہرین صفحہ ۱۱۳ سے ماخوذ ہے۔

www.makhtabah.org

(۲۵) مُلّا عبدالرحمٰن معروف بہ لُٹر

نام و وطن آپ کا اصل نام عبدالرحمٰن تھا، لیکن آپ لُٹر کے نام سے مشہور تھے، آپ کا وطن دریائے ساموئی کے کنارے موضع کینجھر تھا، اپنے حال کے اخفا کے لیے آپ نے ظرافت و مزاح کو پردہ بنایا تھا، سندھی ادب میں آپ کے لطائف و ظرائف کو ایک خاص مقام حاصل ہے صاحب تحفۃ الطاہرین نے آپ کو ان الفاظ میں سراہا ہے[ف۱]:

"وے اجل مشائخ واکمل اولیا است بس کہ طبیعت دوست بود باین لقب شہرت یافت"

عظمت جامان سمہ[ف۲] آپ کا نہایت احترام کرتے تھے، اور آپ کے ساتھ نہایت تعظیم کے ساتھ پیش آتے تھے۔ اگر آپکے پاس کوئی اپنی مشکل لیکر آتا آپ اُس سے مزاح کے رنگ میں کچھ فرما دیتے، اسی وقت اُس کی مشکل حل ہو جاتی تھی۔

مزار آپ کا مزار ساموئی کے کنارے پیر مراد کے قبرستان سے تھوڑی دور شمال مغرب میں واقع ہے۔

بعض راویوں سے منقول ہے کہ اگر کوئی آپ کی مزار کی زیارت کے لئے حاضر ہو اور آپ کے مزار کو دیکھ کر اپنی ہنسی کو ضبط کر لے، اس کا مقصدِ دلی پورا ہوتا ہے۔

ف۱ تحفۃ الکرام صفحہ ۲۰۸ جلد ۳ میں مذکور ہے کہ ملا عبدالرحمٰن عباسی نے اپنے اخفائے حال کے لئے ظرافت کو اختیار کیا تھا، ملا کی ظرافت آمیز باتیں اور لطائف سے محفلیں رونق پاتی تھیں، اسی وجہ سے وہ لُٹر کے لقب سے مشہور ہوئے

اُردو کے مزاحیہ ادب میں جس طرح ملا دو پیازہ، بیربل اور فارسی میں ملا نصیر الدین کے لطائف و ظرائف مشہور ہیں، اسی طرح سندھی ادب میں ملا لُٹر کے لطائف و ظرائف کو خاص اہمیت حاصل ہے، سندھ کے صوفیاء کرام کی تاریخ میں یہ انفرادی بزرگ ہیں جن میں ولایت و ظرافت کا امتزاج تھا فٹ نوٹ تحفۃ الطاہرین صفحہ ۲۳ مرتبہ آغا بدر عالم درانی۔ ف۲ سندھ میں سمرہ خاندان کے زوال کے بعد جو خاندان، سندھ کی مسند حکومت کی زیب و زینت بنا وہ سمہ خاندان ہے۔ اس خاندان کے تمام فرمانروا جام کے لقب سے مشہور ہیں، سمہ خاندان کا پہلا بادشاہ جام انڑ اور آخری بادشاہ جام فیروز بن سلطان نظام الدین تھا جس سے آخری طور پر ۹۲۸ھ میں مرزا شاہ حسن ارغون نے حکومت حاصل کر کے سندھ پر کامل قبضہ کر لیا، سمہ خاندان میں کل ۱۵ بادشاہ ہوئے اور انھوں نے مجموعی طور پر ایکسو ترانوے سال حکومت کی (فٹ نوٹ تحفۃ الطاہرین مرتبہ آغا بدر عالم درانی بحوالہ تاریخ

(۲۶)

شیخ عیسیٰ لنگوٹیؒ

ابتدائی حالات آپ کا نام شیخ عیسیٰ، آپ کا اصل وطن برہان پور تھا، آپ نے برہان پور سے سندھ آنے کے بعد موضع ساموئی میں سکونت اختیار کرلی، اور یہیں ارشاد و ہدایت کا ایک مدرسہ قائم کیا، اس سرچشمۂ علم سے سیکڑوں طالب علموں نے علمی و روحانی فیض حاصل کیا، اسی مدرسے کے طالب علم علامہ نعمت اللہ عباسی ٹھٹی تھے۔ اسی درس گاہ میں آپ کی ملاقات حضرت پیر مراد کے دادا سید محمد سے ہوئی، اور آپ نے حضرت پیر مراد کی ولادت کی پیشگوئی فرمائی، پیشگوئی کے مطابق پیر مراد کی ولادت کے بعد آپ اُن کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے، اور اُن سے مرید ہوئے، عجیب اتفاق یہ ہے کہ مرید ہونے کے تین دِن بعد آپ نے وفات پائی۔

ہمعصروں سے ملاقاتیں اکثر آپ کی ملاقات اُس وقت کے مشہور بزرگ صاحب ارشاد و ہدایت حضرت شیخ حماد جمالی قدس سرہ سے رہتی تھی، اور دونوں ایک دوسرے کی انتہائی تعظیم و توقیر کرتے تھے۔

شیخ جمالی فرمایا کرتے تھے کہ شیخ عیسیٰ لنگوٹی وہ شخص ہیں کہ ان کی ٹوپی کے افتخار کا طرہ عرش کو چھوتا ہے۔

www.maktabah.org

شاعری شاعری سے بھی آپ کو ذوق تھا، کبھی کبھی شعر کہتے، صاحب مقالات الشعراء نے آپ کے دو شعر نقل کئے ہیں جو آپ نے شیخ حماد جمالی کے اشعار کے جواب میں کہے تھے۔

قید باشد حکیم در رہ دوست　　　دو گزک بوریا و پوستکی
گر تو آزادۂ بس است ترا　　　دلکی پُر ز دردو دوستکی

وفات آپ نے سنہ ۹۳۱ھ میں وفات پائی، آپ کا مزار مکلی میں حضرت پیر مراد اور حضرت سید علی کے قبرستان کے عقب میں آج بھی نہایت زبوں حالت میں موجود ہے۔

۱؎ تحفۃ الطاہرین و تحفۃ الکرام و مقالات الشعراء ص۴۵۷

www.maktabah.org

(۲۷)

مخدوم عربی دیانہ

خاندان مخدوم عربی دیانہ، پیر اساتؒ[1] کے بھائی تھے، اور زہد و تقویٰ میں بلند مقام رکھتے تھے۔

تلاوت قرآن تلاوتِ قرآن مجید سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے، تحفۃ الکرام میں ہے کہ ایک نشست میں ایک سو چالیس مرتبہ قرآن پاک آپ نے ختم کیا۔

خوش الحانی قدرت نے آپ کی آواز میں وہ سوز و گداز رکھا تھا، اور اس درجہ خوش الحان تھے کہ جب قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تو پرندے اُڑنے سے رُک جاتے اور پانی کا بہاؤ ٹھہر جاتا۔

عبادت ہمیشہ گوشہ تنہائی میں عبادت الٰہی میں مصروف رہتے، استغنا و بے نیازی کی یہ کیفیت تھی کہ آپ کی نظر میں اشرفی اور پیسہ برابر تھا، تحائف اور نذروں کے قبول کرنے سے ہمیشہ اکراہ فرماتے تھے؛ ایک دفعہ مخدوم اسماعیل نے آپ کی خدمت میں بطور نذر کچھ اشرفیاں

---

[1] پیر اسات سالک و مجذوب تھے، اور مخدوم میراں جونپوری کے معتقد تھے، ان کے مجاہدوں اور ریاضت کی یہ کیفیت تھی کہ عشا کی نماز کے بعد مراقبہ میں بیٹھتے، اور صبح صادق کے وقت مراقبہ سے سر اٹھاتے، پیر اسات کا وطن ہالہ کندی تھا، لیکن ان کا زیادہ وقت ٹھٹھہ میں گذرا، اور وہیں وفات پائی اور مکلی میں دفن ہوئے (تحفۃ الطاہرین صفحہ ۵۹ و حواشی مکلی نامہ)۔

www.maktabah.org

روانہ کیں، آپ نے اُن کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور فرمایا کہ اپنے شہر کے مستحقین میں تقسیم کر دو[۱]۔

وفات | ۹۳۸ھ میں آپ واصل الی اللہ ہوئے، آپ کا مزار ہالہ کنڈی میں مرجع خاص وعام ہے۔

اولاد | مخدوم عربی کے بعد اُن کے صاحبزادے مخدوم بایزید اُن کے قائم مقام ہوئے، جنھوں نے اپنے والد سے اکتساب روحانی کیا تھا، مخدوم بایزید بھی بزرگی، تقوی و تقدس رُشد و ہدایت میں اپنے والد کے نقشِ قدم پر تھے، جن سے علاوہ روحانی فیوض کے علوم ظاہری میں بھی بہت سے طالب علموں نے استفادہ کیا[۲]۔

---

[۱] حدیقۃ الاولیا قلمی صفحہ ۱۴۰

[۲] یہ تمام تفصیل تحفۃ الکرام ۳/۱۵۱ سے ماخوذ ہے۔

www.maktabah.org

(۲۸)

سید شاہ عبداللہ حسنیؒ

مشہور بہ عبداللہ صحابی

نام۔لقب	آپ کا اسم گرامی عبداللہ تھا، اور آپ سارے سندھ میں سید عبداللہ صحابی کے لقب سے مشہور رہیں۔
خاندان	خاندانی اعتبار سے آپ سید تھے، اور آپ کا سلسلۂ نسب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ سے جاملتا ہے۔
سندھ میں تشریف آوری	آپ مرزا شاہ بیگ ارغون[۵۱] کی حکومت کے زمانے میں اپنے دوستوں سید منبہ[۵۲]، سید کمال[۵۳]

[۵۱] سندھ میں شاہ بیگ کی حکومت کا زمانہ ۹۲۴ھ سے ۹۲۸ھ تک ہے (معصومی)

[۵۲] سید شاہ منبہ بھی سندھ کے ایک بزرگ تھے، جو حضرت غوث پاک کی اولاد میں سے تھے، آپ کا مزار بھی کوہ مکلی پر زیارت گاہ خاص و عام ہے، آپ کے تفصیلی حالات تحفۃ الطاہرین صفحہ ۴۴ مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ اور تحفۃ الکرام صفحہ ۲۴۵ پر ملتے ہیں۔

[۵۳] سید کمال و سید جمال دونوں حقیقی بھائی تھے، دونوں ولایت و بزرگی میں شہرت رکھتے تھے، سید کمال وفات کے بعد ٹھٹھہ کے محلہ مسکر میں اپنی حویلی میں جس میں وہ رہتے تھے دفن ہوئے تفصیلات کے لئے دیکھئے تحفۃ الطاہرین صفحہ ۵۲ اور تحفۃ الکرام صفحہ ۱۹۸ - ۱۹۹

www.maktabah.org

اور سید قاضی شکر اللہ[۵۱] کے ساتھ گجرات سے ٹھٹھہ تشریف لائے اور اپنی عزلت پسندی کی وجہ سے مکلی میں سکونت پذیر ہوئے، اور آخر عمر تک وہیں مقیم رہے،

عبادت ایامِ طفلی ہی سے آپ کو عبادت کا ذوق تھا، ساری عمر ذکر و شغل و عبادت الٰہی میں مصروف رہے، اور شاید اسی شوق کی وجہ سے آپ کو ازدواجی زندگی سے آزاد رہنے کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ تمام زندگی تجرد میں گذاری۔

حضرت سید عبداللہ حسینی نے چونکہ ساری زندگی لوگوں سے الگ تھلگ رہ کر گوشہ نشینی اختیار کر کے یاد الٰہی میں گذاری، اس لئے آپ کے حالات زندگی کی ہمیں کوئی زیادہ تفصیل نہیں ملتی۔

وفات تذکرہ نگاروں نے آپ کا سنہ وفات نہیں لکھا، لیکن اتنی صراحت کی ہے کہ جب آپ کی عمر شریف پوری ہوئی اور آپ نے وفات پائی تو لوگوں نے آپ کو اسی جگہ دفن کیا، جہاں آپ سالہا سال سے عبادت میں مصروف تھے۔

اِس وقت بھی مزار مبارک کے قریب جو ایک پرانی مسجد ہے، اُس پر ۹۴۳ھ کا کتبہ موجود ہے، کتبے میں یہ شعر مندرج ہیں۔

زہے فیض مسجد کہ از یک دعا شود حاجتِ مستنداں روا

---

۵۱ قاضی سید شکر اللہ شیرازی سندھ کے مشہور درویش اور عالم تھے، آپ ہی کے اولاد سے سندھ کا مشہور مورخ و شاعر میر علی شیر قانع ٹھٹوی ہے، آپ ہی سے سندھ میں شکر اللہی سیدوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ آپ مرزا شاہ بیگ کے عہد میں ٹھٹھہ میں قاضی القضاۃ تھے، آپ کا مزار مکلی میں شیخ اسحاق پوتہ کے مزار کے قریب واقع ہے، تفصیلات کے لئے دیکھئے تحفۃ الطاہرین صفحہ ۵۰ مقالات الشعراء قلمی بضمن قانع باب القاف و تحفۃ الکرام جلد ۳۔

www.maktabah.org

بتاریخ ہفت دہم ماہ صفر ...... ختم بالخیر والظفر[۱]

اس کتبے سے خیال ہوتا ہے کہ ۱۹۳ھ کے لگ بھگ ہی آپ نے وفات پائی ہوگی۔

مزار مبارک کی جدید تعمیر مکلی کے قبرستان میں آپ کے مزار پر آج بھی سب سے زیادہ ہجوم عوام و خواص کا رہتا ہے، اور زائرین کو بڑی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔

مزار مبارک کی جدید عالی شان عمارت ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء میں تعمیر ہوئی ہے، اور سارے مکلی میں یہی ایک عمارت نئی وضع کی نظر آتی ہے۔

کرامت صاحب تحفۃ الکرام کا بیان ہے سالہا سال گذر جانے کی وجہ سے آپ کی قبر کہنگی کی وجہ سے شکستگی کے قریب تھی، اس عہد کے مشہور بزرگ شاہ حافظ اللہ گجراتی کو جو اس وقت گجرات میں تھے، حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا حکم ہوا کہ وہ ٹھٹھہ پہنچ کر آپ کے مزار مبارک کو برآمد کریں، چنانچہ شاہ حافظ اللہ گجراتی اپنے مرید و خلیفہ شیخ محمد یعقوب[۲] اور خلیفہ ابوالبرکات[۳] کے ساتھ جو خود بھی بڑے پایہ کے

---

[۱] تحفۃ الطاہرین کے سندھی نٹ نوٹس مرتبہ آغا بدر عالم درانی سے کتبے کے یہ اشعار ماخوذ ہیں۔

[۲] شیخ محمد یعقوب سے فیوض و برکات کا سلسلہ سندھ میں جاری ہوا، آپ کے مریدوں میں شیخ عثمان بغدادی، درس محمد امین، اور درس طٰہٰ مشہور ہیں، شیخ محمد یعقوب کا مزار مبارک مقصورہ شاہ عبداللہ میں اُن کے بائیں واقع ہے، شیخ محمد یعقوب کا تفصیلی تذکرہ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۳۳ و ۲۳۴ و تحفۃ الطاہرین صفحہ ۵۹ پر ملتا ہے۔

[۳] خلیفہ ابوالبرکات سید شاہ حافظ اللہ گجراتی کے مرید تھے، اور صاحب نسبت اور باکرامت بزرگ تھے، ان کی وفات کے بعد اُن کے صاحبزادے خلیفہ محمود اُن کے جانشین ہوئے (تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۳۲)

www.maktabah.org

بزرگ تھے، ٹھٹھہ پہنچے اور وہاں اُنھوں نے حضرت سید علی ثانی شیرازی سے حضرت غوث پاک کا حکم اور اپنی آمد کا مقصد بیان کیا؛ حضرت سید عالی ثانی نے یہ سن کر فوراً ہی گردن جھکا لی اور مراقبہ میں مصروف ہوگئے تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کہ میں نے اِس وقت سید عبداللہ کو اولیا کی محفل کا صدر نشین دیکھا ہے، اُسی وقت اُٹھے، اور اُن کے ساتھ مکلی روانہ ہوئے، اور ان سب نے مل کر حضرت سید عبداللہ کے مزار مبارک کو ٹھیک کیا، کہتے ہیں کہ شیخ محمد یعقوب، اور خلیفہ ابوالبرکات پتھر اُٹھا کر لاتے تھے، اور حضرت سید علی شیرازی اور حضرت سید علی اُن پتھروں کو مزار مبارک پر لگاتے جاتے تھے[۱]

---

[۱] یہ تمام تفصیل تحفۃ الکرام جلد ۳ اور تحفۃ الطاہرین مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ صفحہ ۵۷-۵۸ سے ماخوذ ہے۔

www.maktabah.org

(۲۹)

سیّد عبدالکریمؒ

نسب وخاندان حضرت سید عبدالکریم کو سندھ کے اولیاء کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت وعظمت حاصل ہے، آپ سندھ کے مشہور درویش وشاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی کے پردادا تھے، آپ کے والد ماجد کا نام سید للہ تھا، سید عبدالکریم سندھ کے ممتاز خاندانِ ساداتِ متعلوی کے چشم وچراغ ہیں۔

ولادت سید عبدالکریمؒ کی ولادت باسعادت ۹۴۴ھ کے اوائل میں ہوئی، بچپن کے حالات اور تحصیل علم کی تفصیل کے متعلق آپ کے تذکرہ نگار خاموش ہیں، لیکن آپ کی تصانیف "بیان العارفین" اور رسالہ کریمی سے آپ کے تبحرِ علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔

تعلیم طریقت باطنی وروحانی تعلیم آپ نے مختلف بزرگوں سے حاصل کی، آپ سید محمد یوسف رضویؒ بھکری، مخدوم نوح، مخدوم آدم سیجہ ساکن موضع کلہ اور دوسرے جلیل القدر مشائخین کی خدمت رہے اور اُن سے اکتسابِ فیض کرتے رہے۔

بیعت لیکن سب سے زیادہ مخدوم نوحؒ ہالائی کی کیمیا اثر صحبت وتربیت

سلہ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۷۲

www.maktabah.org

سے آپ کا جوہرِ قابل نکھرا، اور انھیں کی توجہ سے یہ سونا کُندن بنا، اور آپ نے مخدوم نوح ہی سے بیعت کی۔

بُلڑی میں قیام

حضرت مخدوم نوح کے ارشاد پر سید عبدالکریم نے موضع بُلڑی میں قیام فرمایا اور مخلوق خدا کے ظاہری و باطنی اخلاق کو آراستہ کرنے میں مشغول ہوئے رُشد و ہدایت آپ کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا، لوگ جُوق در جُوق آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوتے تھے اور آپ سے مذہبی اور روحانی تعلیمات حاصل کرتے تھے، یہاں تک کہ اسی موضع میں آسودۂ خواب ہوئے۔

عبادت

تحفۃ الکرام میں ہے کہ ابتدا ہی سے سید عبدالکریمؒ کا وقت ریاضت و عبادت میں گذرا منجملہ اس کے آپ کی عادتِ مبارک یہ تھی کہ فجر کے اول وقت مسجد تشریف لے جاتے، اور وضو کر کے اذان دیتے، اذان کے بعد سنتیں ادا فرما کر اوراد و وظائف میں مصروف ہو جاتے، یہاں تک کہ لوگ نماز فجر کے لئے جمع ہو جاتے، نماز فجر ادا کرنے کے آپ اشراق تک پھر یادِ الٰہی میں مصروف رہتے، اشراق کی نماز ادا کرنے کے بعد آپ گھر میں تشریف لاتے، اور گھر کے فرائض اور بازار کے کام خود انجام دیتے، پھر فقرا، کو کھانا کھلا کر، بیلوں کے کندھے پر ہل رکھ کر اپنے کھیت کو تشریف لے جاتے، اور دوپہر تک ہل چلاتے، پھر بیلوں کو پانی پلا کر گھر لوٹتے، پھر نماز عصر، مغرب اور عشا، ادا فرما کر گھر کے کار دبار اور فقرا کے کھانے سے فارغ ہو کر، رات کو اپنے گاؤں سے موضع راہوت تشریف لے جاتے، راستے میں جو گاؤں پڑتے اُن کی مسجدوں میں نمازیوں کے لئے وضو کے پانی وغیرہ کا انتظام کر کے آگے بڑھتے، یہاں تک کہ راستے

www.maktabah.org

کی تمام مسجدوں میں یہی عمل کرتے ہوئے دریائے سندھ کو تیر کر پار کر کے ٹھٹھہ پہنچتے، اور مکلی میں مشہور اولیائے کرام کے مزاروں پر فاتحہ پڑھکر ٹھٹھہ کی آبادی میں تشریف لاتے، اور وہاں کی مسجدوں کی خدمت کر کے حضرت پیر پٹھا کی زیارت کو تشریف لے جاتے، پھر وہاں سے مساجد کی دیکھ بھال کرتے ہوئے صبح صادق کے وقت اپنے گاؤں میں داخل ہو جاتے، اور اوّلِ وقت مسجد میں صبح کی اذان دیتے، گاؤں کے لوگ ناواقفیت کی وجہ سے یہ خیال کرتے تھے کہ شاید سید عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ کو رات نیند نہیں آتی، اسی لئے اتنی سویرے اذان دے دیتے ہیں۔

تہجد تصوف و عرفان کے اعلیٰ مدارج طے کرنے کے باوجود آپ کی ساری زندگی شروع سے آخر تک پابندیِ شریعت اور اتباعِ سنت میں گذری، عبادات میں تہجد سے بڑا شغف رکھتے تھے، نمازِ تہجد میں خشوع و خضوع کا یہ عالم تھا کہ تہجد کی نماز کے لئے کھڑے ہوتے، پہلی ہی رکعت میں آپ پر اس قدر رقت و گریہ طاری ہوتا اور بیخودی کی کیفیت پیدا ہو جاتی کہ پہلی رکعت پوری کر نہیں پاتے تھے کہ صبح ہو جاتی اور دوسری رکعت کا پڑھنا مشکل ہو جاتا تھا، تعجب کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ خدا جانے لوگ تہجد کی نماز کو کس طرح پورا کرتے ہیں میں تو ایک رکعت بھی مشکل سے ادا کر پاتا ہوں[۱]۔

پیر بھائیوں کی محبت سید عبدالکریم اپنے پیر بھائیوں سے بیحد محبت کرتے اور اُن کا احترام فرماتے تھے۔

سید جعفر بھکری رح کا بیان ہے کہ حضرت مرشدِ زماں سید عبدالکریم متعلوی اپنے مریدوں کے ساتھ حضرت بہاء الدین دلق پوش کا وعظ سننے کے

---

[۱] تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۷۲

www.maktabah.org

لئے تشریف لے گئے، جب وعظ ختم ہو گیا تو حضرت سید عبدالکریم نے اپنی چادر کو حضرت بہاء الدین دلق پوش کے پیروں تلے بچھا کر آپ کے جوتے اٹھائے اور اُن کو صاف کر کے رکھا تاکہ آپ پہن کر تشریف لے جائیں، سید عبدالکریم کے ساتھ جو مرید تھے اُن پر یہ امر گراں گذرا، آخر اُن میں سے ایک مرید سید عبدالقدوس نامی نے عرض کیا کہ اے ہمارے سید آج آپ نے حضرت بہاء الدین دلق پوش کے جوتے اُٹھا کر رکھے لیکن تعجب ہے کہ اُنھوں نے کسی قسم کی معذرت نہیں کی اور آپ کو اس سے نہیں روکا، بلکہ وہ بے نیاز رہے، آپ نے فرمایا کہ معذرت کا تعلق بیگانگی سے ہے، اور ہم دونوں تو ایک وجود ہیں، میں تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں کبھی کبھی مشرف ہوتا ہوں، لیکن بہاء الدین دلق پوش کا عالم یہ ہے کہ سرور کائنات کی بارگاہ میں بالکل قریب بیٹھے ہوتے ہیں جب کہ میں بہت دور تیسری صف میں کھڑا ہوا ہوتا ہوں، اس کے بعد تمھیں انصاف کر سکتے ہو کہ میرا یہ عمل کہاں تک صحیح ہے[1]۔

مرشد کا فیض

حضرت مخدوم نوح سے جو فیض آپ کو حاصل ہوا تھا اس کا اعتراف کرتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا کہ ایک دن ہم تین آدمی علٰحدہ علٰحدہ ایک ایک تمنا لے کر حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے میری تمنا یہ تھی کہ مجھے حضرت سے طالبانِ حق کے لئے ایسے ذکر کی تلقین ہو جو سب سے علٰحدہ ہو، اور میں ہدایت حاصل کرنے والوں کا پیشوا بنوں، دوسرے ہمارے ساتھ میرن کا تیار تھے، اُن کی تمنا یہ تھی کہ ان کی لڑکی مخدوم معظم کے کسی صاحبزادے کے نکاح میں آئے، تیسرے ہمارے ساتھی بلوچ تھے اُن کی آرزو یہ تھی کہ وہ صاحب کشف و کرامت ہوں، جیسے ہی ہم حضرت مخدوم کی خدمت میں پہنچے اور

---

[1] دلیل الذاکرین قلمی مملوکہ سندھی ادبی بورڈ

www.maktabah.org

آپ کے روئے مبارک کو دیکھا ہم تینوں کی یہ تمنائیں پوری ہوگئیں۔

فرمایا کرتے تھے کہ جب میں نے وادیٔ سلوک میں قدم رکھا تو مجھ پر یہ کیفیت طاری ہوتی تھی کہ میں عریاں رہوں اور گدڑی کو بھی اُتار دوں، لیکن جب میں حضرت مخدوم کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوا تو یہ خیالِ فاسد میرے دل سے نکل گیا اور میں جادۂ شریعت پر مستقیم ہوگیا۔

اطاعتِ مرشد حضرت سید عبدالکریم کی اطاعتِ شیخ کی یہ کیفیت تھی کہ ایک دن کسی نے آکر آپ سے کہا کہ آپ کو حضرت مخدوم یاد فرماتے ہیں، اِس بات کے سنتے ہی آپ نے دہ بیل جو کھیتی کے لئے رکھے تھے ذبح کرکے فرمایا کہ الحمد للہ یہ امر کتنا قابل شکر و فخر ہے کہ مخدوم مجھ کو یاد فرماتے ہیں، حالانکہ آپ کی کیفیت یہ ہے کہ آپ بعض اوقات اپنے فرزندوں کو بھی نہیں پہچانتے۔

فرمایا کرتے تھے اس خیال سے کہ طالبِ حق کو کھانا نہیں چاہیئے، ہم نے کھانا بالکل چھوڑ دیا تھا، جب اس کی خبر حضرت مخدوم کو پہنچی تو فرمایا کہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے کلوا واشربوا اُس وقت سے میں کچھ تھوڑا بہت کھانے لگا۔[۱]

وفات چھیاسی سال کی عمر میں سنہ ۱۰۳۰ھ کو آپ واصل الی اللہ ہوئے، اور بلڑی ہی میں مدفون ہوئے۔

خلفا آپ کے مریدوں میں درویش مہرار نہریہ، درویش احمد قطب عالم، مخدوم حاد داؤدی، درویش عبداللطیف، مخدوم ضیاء الدین، درویش سمہ، مخدوم عیسیٰ، میاں عبدالقدوس اور درویش اللہ دنہ زرگر میاں عبداللہ اور درویش ہارون مشہور ہیں۔[۲]

---

[۱] یہ پانچوں روایتیں دلیل الذاکرین قلمی ۲۳۱/۲۲۲ھ سے ماخوذ ہیں۔ [۲] تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۶۹

درویش مہرار نہریہ | یہ اپنے زمانے کے جلیل القدر بزرگوں میں سے تھے، ابتداء کسی شیخ سے بیعت کی اُن کی وفات کے ایک مدت بعد سید عبدالکریم کی خدمت میں پہنچے اور جو لوگ وہاں موجود تھے اُن سے کہا میرا شوہر مر چکا ہے اب میں حضرت کو اپنا شوہر بناتا ہوں[1]۔

درویش اللہ دنہ زرگر | درویش اللہ دنہ زرگر حضرت سید عبدالکریم کے جلیل القدر مریدوں میں تھے، صاحب تحفۃ الطاہرین کا بیان ہے کہ موضع کھارہ کے قریشی پیرزادے، حضرت سید عبدالکریم کے سلسلے کے درویشوں سے حسد رکھتے تھے، اور اس سلسلے کا جو درویش اُدھر سے گذرتا اُس کو تکلیف پہنچاتے، فقراء ان کے ظلم سے تنگ تھے، یہاں تک کہ انھوں نے وہ راستہ بھی چھوڑ دیا تھا، اتفاق سے درویش اللہ دنہ کا اس طرف سے گذر ہوا قریشی پیرزادوں کو خبر لگی، وہ فوراً ہی آپ کو تکلیف پہنچانے کے لئے تیار ہوئے اور آپ کے پاس پہنچے، جیسے ہی آپ کے قریب آئے آپ نے اُن پر ایک نگاہ ڈالی نگاہ کا پڑنا ہی تھا کہ سارا حسد مہر و محبت میں تبدیل ہو گیا اور یہ لوگ لکڑیاں پھینک کر آپ کے ساتھ موضع بلڑی پہنچے، اور سب حضرت سید عبدالکریم سے بیعت ہو گئے، آج تک بھی موضع کھارہ کے لوگ عرس کے موقع پر برہنہ سر برہنہ پا درگاہ میں چراغ افروزی کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔

درویش اللہ دنہ زرگر کا مزار ملکی میں واقع ہے[2]۔

اولاد | حضرت سید عبدالکریم کے آٹھ صاحبزادے تھے جن کے نام یہ ہیں[3]۔

(۱) سید للہ اوّل (۲) سید عبدالرحیم (۳) سید جلال (۴) سید برہان

---

[1] تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۶۹۔ [2] درویش اللہ دنہ زرگر کے حالات کی تفصیل تحفۃ الطاہرین صفحہ ۸۷ سے ماخوذ ہے۔ [3] تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۷۲۔

www.maktabah.org

(۵) سید للہ ثانی (۶) سید دین محمد (۷) سید محمد حسین (۸) سید عبدالقدوس

سید صاحب کے فرزندوں میں اکثر عابد و صاحب ارشاد تھے۔ سید للہ اوّل نے بچپن میں وفات پائی، سید عبدالرحیم کے متعلق مخدوم نوح کے صاحبزادے میاں ابراہیم کہا کرتے تھے کہ جب وہ پیدا ہوئے اور بڑے ہوئے تو اُن کے زہد و تقویٰ کو دیکھکر میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ الحمدللہ ثانی عبدالکریم پیدا ہوئے لیکن افسوس ہے کہ اُنھوں نے اپنے والد کے سامنے ہی وفات پائی۔

سید جلال جو اپنے چچا کے ہمنام تھے وہ اپنے وقت کے نہایت ہی عابد و زاہد بزرگ تھے، ایک روز اپنے والد کی زندگی میں ہالہ کندی سے اپنے گاؤں واپس آرہے تھے کہ راستہ میں ڈاکوؤں نے اُن کو شہید کر دیا۔

سید برہان بھی صاحب کمال بزرگ تھے، خدائے تعالیٰ نے اُن میں غیر معمولی طاقت و قوت ودیعت کی تھی، انھوں نے اپنے والد کے سامنے وفات پائی۔

سید للہ ثانی مجذوب و سالک تھے، اُن کے وقت کا بڑا حصہ سیر و سیاحت میں گذرا اور اُنھوں نے اپنے والد کے بعد وفات پائی۔

سید دین محمد شروع ہی سے عزلت پسند اور گوشہ نشین ہو کر شوکت و غنا کی زندگی بسر کرتے تھے حضرت سید عبدالکریم نے اُن کو طلب کر کے اپنا سجادہ و جانشین مقرر فرمایا اپنے والد کی وفات کے بعد یہ اُن کے جانشین ہوئے اور لباس فاخرہ چھوڑ کر سیاہ چادر اور کفنی اختیار کر لی، اور اپنی بزرگی و کرامت سے اپنے بزرگوں کے نام کو زندہ کر دیا۔

سید عبدالقدوس بچپن ہی سے زہد و اتقا کی طرف مائل تھے، جب یہ پیدا ہوئے تو سید عبدالکریم نے فرمایا کہ میں نے خدا سے ایک ایسے لڑکے کے لیے دعا کی تھی کہ وہ بچپن ہی سے ذاکر و شاغل ہو آپ کی یہ دعا مقبول ہوئی، کہتے ہیں کہ سید عبدالقدوس جب بچپن میں لڑکوں کے ساتھ کھیلتے تو اُن کو جمع کر کے حلقۂ ذکر کرتے۔[۱]

---

[۱] یہ تمام تفصیل تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۷۲ - ۱۷۳ سے ماخوذ ہے۔

(۳۰)

صوفی شاہ عنایت اللہؒ

سندھ میں حضرت صوفی شاہ عنایت اللہ کا فیض چپے چپے میں پھیلا، ہزار دں گمراہانِ بادیۂ ضلالت نے آپ سے ہدایت پائی، انھوں نے اور اُن کے خلفا نے رشد وہدایت کے وہ چراغ روشن کیے کہ اُن کی خانقاہ قدیم خانقاہوں کے تصوّر کو زندہ کرتی تھی، امیر وغریب، عوام وخواص سب پروانوں کی طرح آپ کے گرد جمع ہوتے تھے، اور وہ اپنی خانقاہ میں اصلاح وتربیت کے فرائض خاموشی سے انجام دیتے تھے۔

نام ونسب آپ کا اصل نام عنایت اللہ آپ کے والد کا نام مخدوم فضل اللہ تھا، آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے، شاہ عنایت اللہ بن مخدوم فضل اللہ بن ملا یوسف بن ملا شہاب الدین بن ملا آجب بن مخدوم خدا آگاہ مخدوم صدہو لانگاہ[۱] قادری مخدوم صدہو لانگاہ کے بزرگوں کا اصل وطن بغداد شریف تھا، جو بعد میں آکر اُچھ میں مقیم ہوئے، آپ کے جدِ اعلیٰ مخدوم صدہو لانگاہ کا شمار اپنے زمانے کے اکابر اولیاء اللہ میں ہوتا ہے، توکل، اور خدا پر بھروسہ آپ کا امتیازی وصف تھا، انتہا یہ ہے کہ رات کو برتنوں میں جو پانی ہوتا تھا، اُس کو اُلٹ دیتے

---

[۱] مخدوم صدہو لانگاہ کا اصل نام صدرالدین لانگاہ ہے، لانگاہ ایک قوم ہے، جس کی حکومت ملتان میں تھی، شاہ حسن ارغون نے ۹۳۱ھ میں لانگاہ قوم کے بادشاہ کو شکست دے کر ملتان کو فتح کرلیا، اور لانگاہ قوم کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا (معصومی صفحہ ۱۵۰)

www.maktabah.org

تھے، اور فرمایا کرتے تھے یوم جدیدٌ ورزقٌ جدیدٌ، سید عبدالکریم متعلوی آپ کے بےحد معتقد تھے، آپ کے صاحبزادے ملا آجب بھی زہد و ورع، تقویٰ و تقدس میں اپنے والد محترم کے نقش قدم پر تھے، اُن کے صاحبزادے اور صوفی شاہ عنایت کے والد مخدوم فضل اللہ یگانۂ عصر درویش و بزرگ تھے، اِنھیں کے آغوشِ عاطفت میں صوفی شاہ عنایت نے پرورش پائی۔[1]

ولادت صوفی شاہ عنایت کی ولادت باسعادت ۱۰۶۵ھ/۱۶۵۶ء میراں پور میں ہوئی، بچپن ہی سے آپ کی پیشانی سے علم و عرفان، زہد و ورع کے آثار ہویدا تھے، اور چہرے سے اندازہ ہوتا تھا کہ آئندہ چل کر آپ آفتابِ ولایت بننے والے ہیں۔

بیعت جوانی کی ابتدائی منزلوں میں قدم رکھتے ہی صوفی شاہ عنایت کو مرشد کی جستجو ہوئی، اسی تلاش و فکر میں آپ سیر و سیاحت کرتے ہوئے ملتان پہنچے، وہاں آپ کی ملاقات ایک صاحبِ دل سے ہوئی جن کا نام شمس شاہ تھا، شمس شاہ نے آپ کی طلبِ صادق کو دیکھ کر بتایا کہ اگر واقعی مرشدِ کامل کی تلاش ہے تو تم دکن میں جاکر اس وقت کے شیخ کامل شاہ عبدالملک برہانپوری سے اکتسابِ فیض کرو، چنانچہ صوفی شاہ عنایت دکن پہنچے، اور سید عبدالملک کی خدمت میں حاضر ہوکر روحانی تربیت حاصل کی، اور اُن کے پاس رہ کر عظیم مجاہدات کئے۔[2]

میر علی شیر قانع ٹھٹھوی نے اپنی کتاب "طومارِ سلاسل" میں آپ کا شجرۂ طریقت اس طرح نقل کیا ہے، صوفی شاہ عنایت، شیخ عزیز اللہ قادری، شیخ جان محمد سنوری، شیخ میراں جی برہانپوری، شاہ عبدالشکور، شاہ برہان الدین، شیخ نجم الدین،

---

[1] تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۶۹ - [2] ماخوذ از نئی زندگی بابت ماہ فروری ۱۹۵۸ء (شاہ شہید) مرتبہ پرنسپل محبوب علی چنا صاحب صفحہ ۱۴ -

www.maktabah.org

علی خطیب احمد آبادی، برہان الدین بخاری، سید محمود، سید جلال، شیخ رکن الدین ابی الفتح، شیخ صدر الدین، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، شیخ شہاب الدین سہروردی رح[1]

علومِ ظاہری

وہاں سے آپ دہلی تشریف لائے، اور دہلی میں شاہ غلام محمد سے علومِ متداولہ کی تعلیم حاصل کی، جنھوں نے رشد و ہدایت کی مسند دہلی میں شاہ عبدالملک کے حکم پر آراستہ کی تھی۔ اگرچہ علوم ظاہری میں شاہ غلام محمد آپ کے استاد تھے، لیکن وہ آپ کے تقوی و تقدس کے اس قدر معترف تھے کہ انھوں نے بیعت ہو کر تصوف کی تعلیم شاہ عنایت سے حاصل کر کے اجازت و خلافت حاصل کی تھی۔

ٹھٹھہ میں تشریف آوری

علوم ظاہر و باطنی کی تکمیل کے بعد آپ اپنے شیخ کی اجازت سے شاہ غلام محمد کے ساتھ ٹھٹھہ تشریف لائے، اور آپ نے ٹھٹھ کو ابتداءً روحانی تربیت کا مرکز بنایا، لیکن یہیں بعض مسائل میں علماء سے ان کا اختلاف شروع ہوا۔

شاہ غلام محمد جو آپ کے استاد بھی تھے اور مخلص معتقد و مرید بھی وہ اپنی محبت و عقیدت میں اس درجہ غلو کئے ہوئے تھے کہ وہ اپنے مرشد کو سجدۂ تعظیمی کرتے تھے، علمائے ٹھٹھہ کو جب یہ معلوم ہوا تو انھوں نے ان کو محکمۂ شرعی میں طلب کر کے سجدۂ تعظیمی کرنے کی بنا پر سزا دی[2]۔

چنانچہ علامہ ابراہیم ٹھٹھوی نے قسطاس مستقیم میں سجدۂ تعظیمی کی اباحت کا انکار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

آپ (صوفی شاہ عنایت) سجدۂ تعظیمی کو جائز سمجھتے تھے، اور لوگ آپ کے

---

[1] مقدمہ دراساتِ اللبیب صفحہ   مرتبہ مولانا عبدالرشید نعمانی بحوالہ طومار سلاسل قلمی مملوکہ شاہ ... سندھی ادبی بورڈ۔

[2] تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۶۹-۱۷۰

www.maktabah.org

سامنے سجدۂ تعظیمی کیا کرتے تھے، ایک دفعہ آپ کے اُستاد شاہ غلام محمد ٹھٹھہ کے علماء کے سامنے لائے گئے، اور علماء نے اُن کو اپنے شیخ صوفی شاہ عنایت کو سجدۂ تعظیمی کرنے کی بناء پر سزا دی[1]

تحفۃ الکرام میں ہے کہ اس تقدیر کے بعد صوفی شاہ عنایت کے ارشاد پر شاہ غلام محمد جہان آباد (دہلی) واپس تشریف لے گئے، اور وہاں ایک طویل مدت تک فقراء کی تعلیم و تربیت میں مصروف رہے، اور وہیں وفات پائی

جھوک میں قیام

ٹھٹھہ سے شاہ عنایت میراں پور[2] تشریف لائے جو جھوک کے نام سے مشہور ہے، اور یہیں توطن اختیار فرما لیا، جھوک ہی میں آپ نے اصلاحِ باطن اور تزکیۂ نفس کے لئے خانقاہ قائم فرمائی، جو تھوڑے ہی دن میں زہد و عرفان کا مرکز بن گئی، اور ہزاروں طالبانِ حق دور دور سے سفر کر کے آپ سے تحصیلِ فیض کے لئے جھوک کی خانقاہ میں جمع ہونے لگے، اور آپ کے خرمنِ کمال سے مستفید و فیضیاب ہونے لگے، آپ کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ اونچ نیچ کے فرق کو مٹائیں، لوگوں کے دلوں میں اللہ اور اُس کے رسول کی محبت کا چراغ روشن کریں، اور قومی زندگی کی اُن صلاحیتوں کو اُبھاریں، جن سے ایک شاندار مستقبل جنم لے سکے، آپ کی تعلیمات میں عوام و خواص کے لئے ایک ایسی کشش تھی، جس سے دوسری خانقاہوں کی گرمیِ محفل سرد ہونے لگی، چنانچہ بُلڑی کے سادات کے مرید بھی آپ کے حلقۂ عرفان میں

---

[1] دراسات اللبیب - مقدمہ مولانا عبدالرشید نعمانی صفحہ

[2] سید میراں محمد جونپوری نے جام نظام الدین نندا کے زمانے میں اسی قصبہ میں کچھ دنوں کے لئے قیام فرمایا تھا، اسی مناسبت سے یہ قصبہ بعد میں میراں پور کے نام سے مشہور ہو گیا (نئی زندگی ماہ فروری فٹ نوٹس مضمون شاہ شہید جی سوانح جا ماخذ مرتبہ سید حسام الدین صاحب راشدی صفحہ ۱۰

شریک ہونے لگے، یہ بات ساداتِ بلڑی کو ناگوار گذری، اُنھوں نے بعض زمینداروں کو آپ کی مخالفت میں بھڑکایا، اور یہی مخالفت آخر میں آپ کی شہادت کا باعث بنی۔

اس زمانے کا ماحول

شاہ عنایت کے واقعۂ شہادت کی تفصیل سے قبل اُس ماحول کا بیان ضروری ہے کہ جس میں شاہ عنایت نے شہادت پائی، یہ وہ زمانہ تھا کہ سلطنتِ مغلیہ دم توڑ رہی تھی، اور ہندوستان میں مسلمانوں کی مستحکم حکومت کی بنیادیں متزلزل ہو رہی تھیں، ۳ مارچ ۱۷۰۷ء ۱۱۱۸ھ کو عالمگیر نے وفات پائی، آخر وقت میں اس عظیم المرتبت بادشاہ نے اپنے لڑکوں کو وصیت کی کہ وہ باہمی رضامندی اور خوش دلی سے پوری مملکت کو تین حصّوں میں تقسیم کرلیں، اور استحکامِ سلطنت میں مصروف ہو جائیں، عالمگیر کی نگاہ دور رس نے اس کا اندازہ کرلیا تھا کہ مخالف طاقتیں پوری قوت کے ساتھ جنم لے رہی ہیں، جن کا مقابلہ ایک مرکز سے ممکن نہیں، لیکن اُس کے بیٹوں نے اس کی طرف توجہ نہ کی، اور وہ قوتیں جو مخالفین کے استیصال میں صرف ہوتیں باہم دست و گریبان ہو کر ختم ہوگئیں، اُن کی باہمی مخالفتوں نے مغل جیسی مستحکم سلطنت کو پارہ پارہ کردیا، ۱۱۱۸ھ سے ۱۱۲۴ھ تک چار شہزادے تخت نشین ہوئے، اورنگ زیب کے بعد شاہ عالم بہادر شاہ اوّل بڑے کُشت و خون کے بعد تخت نشین ہوا، وہ اس درجہ فیاض تھا کہ اُس کی فیاضیوں اور شاہ خرچیوں نے ملک کے مالیے کو متزلزل کردیا، آخر وہ بھی باہمی خانہ جنگی کی بھینٹ چڑھا، اور مارا گیا، غریب کو کفن و دفن بھی میسر نہ ہو سکا، ایک مہینے تک بادشاہ کی لاش بے گور و کفن پڑی رہی، اُس کے زمانے میں مشہور تھا کہ "شاہ عالم از دلی تا پالم"۔

شاہ عالم کے بعد جہاندار شاہ تختِ سلطنت کی زینت بنا یہ عیاشیوں اور فضول خرچیوں میں سب سے بازی لے گیا، اس کی عیاشی و فضول خرچی کا اِس سے

www.maktabah.org

اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی معشوقہ لعل کنور پر دو کروڑ روپے سالانہ خرچ ہوتے تھے، اُس کا دربار راجہ اندر کا اکھاڑہ بنا ہوا تھا، عیش و نشاط کی محفلیں جب آراستہ ہوتی تھیں تو اُس کی محفلوں کی چراغاں کی بدولت دہلی میں تیل کمیاب ہو جاتا تھا، انسانی قدریں اس قدر گر چکیں تھیں کہ ایک دن اسی حیا باختہ عورت لعل کنور نے اس سے کہا کہ میں نے ڈوبتی ہوئی کشتی میں انسانوں کی جو حالت ہوتی ہے کبھی نہیں دیکھی، میں اِس منظر کو دیکھنا چاہتی ہوں، جہاندار شاہ نے حکم دیا کہ اس کی یہ تمنا پوری کی جائے، اس کے دور میں اقتصادی تباہی اس درجہ پہنچ چکی تھی کہ گیہوں روپے کا سات سیر بکتا تھا، رذیل، اوباش، میراثی اور بھڑوے وزارتوں اور صوبے داریوں پر متمکن تھے، اور نظامِ سلطنت تباہ ہوتا جا رہا تھا، یہاں تک کہ فرخ سیر تخت پر بیٹھا، یہ بھی قتل و غارت گری، سازشوں اور قحط کو اپنے ساتھ لایا، اسے گھوڑوں کا شوق تھا، اور ہزاروں روپے گھوڑوں پر برباد کرتا تھا، بزدلی اور کمزوری اس کی خصوصیت تھی، اُس دور کے مشہور شاعر جعفر زٹلی نے ان الفاظ میں اُس زمانے کا نقشہ کھینچا ہے۔

سکہ زد بر گندم و موٹھ و مٹر
بادشاہِ پشہ کش فرخ سیر

کہتے کہ جعفر زٹلی کو فرخ سیر نے اسی شعر پر مروا دیا تھا۔

مرکز کی اس بے وقاری اور بدحالی کا اثر صوبوں پر بھی پڑ رہا تھا، سندھ میں بھی دوسرے صوبوں کی طرح مرکزی حکومت کا رعب و وقار ختم ہو چکا تھا، اور مقامی قوتوں کی دبی ہوئی آگ اُبھر رہی تھی، اُس وقت سندھ میں کلہوڑوں کا اثر سب سے زیادہ بڑھا ہوا تھا، اور مرکزی حکومت کی بدنظمی سے اُن کی حکومت خود مختار اور آزاد حکومت کی حیثیت اختیار کرتی جاتی تھی، مرکز کی بدنظمی کا اِس سے

www.maktabah.org

اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۱۱۸ھ سے ۱۱۳۱ھ تک دہلی سے سندھ میں نو صوبیدار آئے، اور کوئی بھی جم کر نہ رہ سکا؛ خود فرخ سیر کے زمانے میں (۱۱۲۴ھ ۱۱۳۱ھ) سندھ میں چار صوبے دار آئے، جن میں ایک صوبے دار نواب عطر خاں[۱] بھی تھا یہ ایک ناتجربہ کار نوجوان تھا، اِس نے ملک کے انتظام کی باگ ڈور محمد یعقوب کشمیری کے سپرد کر رکھی تھی، جس سے ملک کا انتظام درہم برہم ہو گیا؛ میر لطف علیخاں جو مرکز کی طرف سے اس بدنظمی کو دور کرنے کے لئے صوبیدار مقرر کیا گیا تھا، نواب عطر خاں نے اُسے چارج دینے سے انکار کر دیا؛ دونوں میں جنگ کی نوبت پہنچی دو سال تک جنگ ہوتی رہی، جس کی وجہ سے ٹھٹھہ میں بہت سی تباہیاں آئیں؛ اس دور کے سندھی شعرا نے اپنے ماحول سے متاثر ہو کر شہر آشوب لکھے، جس میں یہاں کے قحط، بدحالی، شریفوں کی بربادی اور رذیلوں کے عروج کا نقشہ کھینچا گیا ہے، یہاں بھی وہی سازشیں، وہی بدحالی وہی ملکی انتشار وہی جوڑ توڑ تھا، جس کا مرکز شکار ہو رہا تھا؛ ایک تنزل پذیر معاشرے اور حکومت کے آثار سندھ میں بھی اُسی طرح پائے جاتے تھے، جس طرح مرکز میں تھے، رعایا بے عمل، حاکم بے وقار، کاہلی اور سستی زندگی کے ہر رگ و ریشے سے ہویدا، اور ہر شخص ایک عجیب بیخودی کے عالم میں مست و سرشار تھا، مذہب کی روح ختم ہو چکی تھی، اکثر خانقاہوں پر گندم نما جو فروش صوفی اجارہ دار تھے، علم و فضل کی مسندوں پر علمار سُو قابض تھے تنزل و انحطاط کے اس دور میں حضرت صوفی شاہ عنایت دکن سے ٹھٹھہ تشریف لائے، اور جھوک کی خانقاہ میں اصلاح و تربیت کا کام شروع کیا؛ اِدھر طالبانِ حق آپ کے گرد پروانہ وار جمع ہو رہے تھے، اُدھر مخالفت کا طوفان بھی اندر ہی اندر

---

[۱] نواب عطر خاں ولد نواب سعید خاں ۱۱۲۷ھ میں نواب لطف علی خاں کے ساتھ جنگ کرتا ہوا مارا گیا (تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۹۹)

www.makiubah.org

موجزن تھا، آخر یہی مخالفت صوفی شاہ عنایت کی شہادت کا باعث بنی۔

واقعۂ شہادت صوفی شاہ عنایت کے شہادت کے واقعات افسوس ہے کہ اُن کے زمانے کے کسی سوانح نگار نے قلمبند نہیں کئے، نہ اس کی طرف اس دور کے کسی تذکرہ نگار نے توجہ کی، اس لیے ان واقعات کی حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ ہمارے پاس میر علی شیر قانع ٹھٹھوی کی دو کتابیں مقالات الشعراء اور تحفۃ الکرام ہیں، قانع نے مقالات الشعراء کو جو سندھ کے فارسی گو شعراء کا تذکرہ ہے، صوفی شاہ عنایت کی شہادت کے ۴۴ سال بعد ۱۱۷۴ھ میں مکمل کیا تھا، جس میں اس نے باب الالف میں نواب اعظم خاں کے ضمن میں اختصار کے ساتھ صوفی شاہ عنایت کے واقعہ شہادت کو قلمبند کیا ہے، نواب اعظم خاں فرخ سیر کے عہد میں میر لطف علی خاں کی معزولی کے بعد ۱۱۲۸ھ میں ٹھٹھہ کا ناظم ہو کر آیا اسی کے زمانے حضرت کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، ہم اس واقعہ کو مذکورہ بالا دونوں کتابوں سے اقتباس کر کے یہاں پیش کرتے ہیں۔

صوفی شاہ عنایت دکن سے واپس تشریف لانے کے بعد اپنے فقرا کے ساتھ قصبہ جھوک میراں پور میں جو غازیاہ کے کنارے پرگنہ نتھورہ میں واقع ہے عبادت اور یاد الٰہی میں مصروف تھے، شاہانِ مغلیہ نے جو زمینیں اس موضع کے ارد گرد معافی مالگزاری کے ساتھ ان کے والد مخدوم فضل اللہ کو دی تھیں اُن کو کاشت کر کے ان کی آمدنی خانقاہ کے اخراجات میں صرف کرتے تھے، یہ سلسلہ جاری تھا کہ سادات بلڑی میں سے سید عبدالواسع بن سید عبدالغنی بن سید عبدالجلیل بن سید دین محمد بن سید عبدالکریم جو اسی پرگنہ میں رہتے تھے یہ دیکھ کر کہ ان کے سلسلے کے بہت سے فقرا آپ کی طرف رجوع ہو رہے ہیں، حضرت صوفی شاہ عنایت کی مخالفت شروع کی اور مخالفت کی ابتدا اِس

www.maktabah.org

طرح کی کہ اُنھوں نے اس قصبے اور نواحِ قصبے کے زمینداروں کو ملا کر میر لطف علیخان[۱] گورنر ٹھٹھہ کے پاس حضرت صوفی شاہ عنایت کی کچھ شکایتیں پیش کیں، لطف علی خاں نے سادات بُلڑی اور اُن لوگوں کی وجہ سے جو سادات بُلڑی کے ساتھ تھے بغیر کسی تحقیق کے حکم دیا کہ تم آپس میں سمجھ لو بعد میں ہم دیکھ لیں گے، چنانچہ نور محمد ولد منہ بن رادو ساکن پرگنہ بلیچارسے جو ابوجہل کی اولاد میں تھا اطراف و جوانب کے لوگوں کو جمع کر کے صوفی شاہ عنایت کی خانقاہ پر ہلّہ بول دیا، مجبوراً خانقاہ کے فقرا کو بھی مقابلے کے لئے نکلنا پڑا، اس لڑائی میں چند فقرا شہید ہوئے، اِن فقرا کے ورثا نے قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق ان النفس بالنفس[۲] - الخ بادشاہِ وقت کی بارگاہ میں قصاص کے لئے استغاثہ کیا، وہاں سے حکم ہوا کہ مجرموں کو حاضر کیا جائے تاکہ اِن بے گناہوں کے خون کی جوابدہی کریں، اِن مجرموں نے شاہی حکم سے انحراف کیا، دوبارہ حکم صادر ہوا کہ سلطنت کے قانون کے مطابق مجرموں کی زمینداری خوں بہا کے طور پر شہدا کے ورثا کے حوالے کر دی جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور اس علاقے کے رہنے والے غربا جو اِن ظالموں کے ظلم کا شکار بنے ہوئے تھے، حضرت شاہ عنایت کی بدولت مامون ہو گئے، لیکن حمل ولد لاکھا جٹ جو آپ سے دشمنی رکھتا تھا وہ لوگوں کو فقرا کے خلاف برابر بھڑکاتا رہا، اور وقت کا منتظر رہا کہ کسی طرح کوئی موقع ملے تاکہ فتنے کی آگ

---

[۱] لطف علی خاں کا اصل نام محمد شفیع اُس کے والد کا نام یار محمد تھا، یہ سید یوسف بھکری رضوی کی اولاد میں ہے، نواب عطر خاں کے قتل کے بعد ۱۱۲۰ھ میں بادشاہ نے اس کو شجاعت علی خاں کا خطاب دیا تھا، فارسی کا شاعر تھا اور ہمت تخلص کرتا تھا، ذی استعداد تھا نظم و نثر میں خوب سلیقہ رکھتا تھا سندھ کے مشہور فارسی گو شاعر محسن ٹھٹھوی کا مربّی تھا، یہ ۱۱۲۵ھ سے ۱۱۲۷ھ تک سندھ کا گورنر رہا؛ اور ۱۱۴۴ھ میں مختلف اعلیٰ خدمات پر فائز رہ کر وفات پائی، محسن ٹھٹھوی نے "ادخلہ فی الجنات" سے اس کی تاریخ وفات نکالی ہے (تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۹۹، ۱۰۰) [۲] پارہ ۲ سورہ بقرہ -

www.maktabah.org

کو بھڑکایا جا سکے، اس عرصے میں شاہ صاحب کے رُشد و ہدایت کا شُہرہ دور دور تک پھیل چکا تھا، اور اس شمع معرفت کے گرد پروانے جوق در جوق اکٹھے ہو رہے تھے، فقرا کی تعداد روز بروز بڑھ رہی تھی، آپ طالبانِ حق کے اس بے پناہ ہجوم کو دیکھ کر کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ میں بازارِ عشق میں (شہرت کا) یہ سودا لے کر نہیں آیا تھا، اور نہ اس شور و شغب کی آرزو رکھتا تھا کہ میرے سامنے دار و گیر کا یہ میدان بپا ہو۔

چو خود کردند سرِّ خویشتن فاش
عراقی را چرا بد نام کردند

لیکن حضرت شاہ اولیاءِ کرام کے اِس حکم کے مطابق عرفتُ ربی بفسخ العزایم میں نے سمجھا کہ عنانِ اختیار مختار (حقیقی) کے اختیار میں ہے، وہ جس طرف چاہتا ہے لے جاتا ہے یفعل اللہ مایشاء و یحکم ما یرید[۵۱]۔

عین اسی زمانے یعنی ۱۱۲۸ھ میں نواب اعظم خاں[۵۲] صوبہ ٹھٹھہ کا ناظم جھوک پہنچا اور فقرا سے اُن زمینوں کی مالگزاری طلب کی جن کی مالگزاری بحکم سلطانی معاف ہو چکی تھی، فقرا اور اُن کے متعلقین نے جواب دیا کہ جہاں پناہ کے حکم سے اِن زمینوں کی مالگزاری معاف ہو چکی ہے، اب آپ کو اس کے مطالبے کا حق نہیں، وہ مفسدین جو موقع کی تاک میں تھے اُنھوں نے سرکاری پیشکاروں اور متصدیوں

---

[۵۱] سورۂ ابراہیم پارہ ۱۳ - رکوع ۱۶-   [۵۲] اعظم خاں ولد صالح خاں بن فدائی خاں سادات خانی، کوکلتاش خانجہاں بہادر معروف بہ میر بابا کے بھائی کا بھتیجا تھا، ۱۱۲۸ھ میں لطف علیخاں کی معزولی کے بعد ٹھٹھہ کا ناظم مقرر ہوا، پہلے خواجہ محمد خلیل خاں بحیثیت نائب کے پہنچا، اُس کے چند دن بعد نواب اعظم خاں پہنچا لیکن اہلِ ٹھٹھہ کو اس کی حکومت راس نہ آئی، اس کے آتے ہی ٹھٹھہ والوں کو قحط اور دوسری بلاؤں کا شکار ہونا پڑا، اُسی کے دورِ حکومت صوفی شاہ عنایت کی شہادت کا واقعہ پیش آیا (تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۰۰)

www.maktabah.org

کے ذریعے سے نواب اعظم کو بھڑکایا کہ فقرا نظمِ سلطنت میں خلل ڈال رہے ہیں، آخر حکومت کے ان عمال نے بادشاہ کے پاس معروضہ پیش کیا کہ یہ فقرا مدعیِ سلطنت ہیں، اور شاہی احکام کی پروا نہیں کرتے، اس معروضہ پر میاں یار محمد ملقب بہ خدا یار خاں[۵۱] عباسی اور کلہوڑا کے نام شاہی فرمان پہنچا کہ وہ اس کا انسداد کرے، خدا یار خاں عباسی اور اطراف کے زمینداروں نے جو آپ سے کینہ رکھتے تھے بیشمار فوج کے ساتھ جو سیوی دادر سے دریائے شور تک پھیلی ہوئی تھی فقرا پر یلغار کیا، آپ کے خدام نے ہرچند چاہا کہ اُن کی پیش دستی سے پہلے مدافعت کریں، مگر آپ نے اجازت نہ دی، یہاں تک کہ فوج نے آکر قصبہ کا چاروں طرف سے محاصرہ کرکے مورچے قائم کرلئے، مگر صورتِ حال یہ تھی کہ فوج اسلحہ سے مسلح تھی، اور فقرا کے پاس سامانِ حرب سوائے معمولی چیزوں کے کچھ نہ تھا، آخر اس حدیث کے مطابق اقتل الموذی قبل الایذاء (موذی کو ایذا دینے سے قبل قتل کرو) فقراء ۱۸ ذیقعدہ سنہ ۱۱۲۹ھ کو رات کے پچھلے پہر باوجود ہتھیار نہ ہونے کے تلواروں کے ساتھ نکلے، اور اچانک دشمن پر جا پڑے اور اس بہادری سے لڑے کہ دشمن کے چھکے چھڑا دیئے، اتفاق سے ایک فقیر نے کسی لکڑی سے ٹھوکر کھائی، اُس کی زبان سے زور سے لفظ اللہ نکلا؛ فقرا نے یہ آواز سن کر اللہ کا نعرہ مارا، جس سے بھاگتی ہوئی فوج متنبہ ہوگئی، اور اُنھوں نے خود کو جمع کرکے فقرا کو شکست دیدی، حالانکہ صوفی شاہ عنایت نے شبخون کے لئے روانہ ہوتے وقت فقرا کو ہدایت دی تھی کہ وہ دورانِ شبخون میں بالکل خاموش رہیں اور حدیث من سکت سلم (جو خاموش رہا وہ سلامت رہا) کو پیش نظر رکھیں،

---

۵۱ میاں یار محمد ملقب بہ خدا یار خاں ولد نصیر محمد بن الیاس بن داؤد بن آدم کلہوڑا، یہ خاندان کلہوڑا کا پہلا شخص ہے، جس نے فقیری میں سنہ ۱۱۱۱ھ میں شاہی کی بنیاد ڈالی، اور کلہوڑا حکومت کی ابتدا اسی سے ہوئی میاں یار محمد نے روز دوشنبہ یا سہ شنبہ ۱۵ ذیقعدہ سنہ ۱۱۳۱ھ کو وفات پائی۔
(تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۰۶ و ۱۰۷)

www.maktabah.org

ورنہ مغلوب ہو کر شکست کھا جائیں گے، لیکن تقدیر الٰہی سب پر غالب ہے، آخر چار ماہ تک فقرا محاصرے میں رہے، ۹ صفر ۱۱۳۰ھ کو حضرت صوفی شاہ عنایت اپنے فقرا کے ساتھ مقابلے کے لئے نکلے، مقابلہ بڑا شدید تھا، فقرا جان کی بازی لگا کر لڑ رہے تھے، اور مقابل فوج اپنی بے بسی محسوس کر رہی تھی کہ فوج کے لوگوں میں سے محمد خاں ولد خدا یار خاں اور شہداد بلوچ جو اس فوج کے سپہ سالار تھے آگے آئے اور انھوں نے کلام مجید کو درمیان میں رکھ کر کہا کہ اگر شاہ صاحب نواب کی خدمت میں حاضر ہو جائیں تو ہم قرآن مجید کو سامنے رکھ کر کہتے ہیں کہ آپ کی جان و مال محفوظ رہے گی، ۱۵ صفر ۱۱۳۰ھ کو اس عہد کے مطابق آپ نے اپنے آپ کو اُن کے حوالے کر دیا، لیکن یہ معاہدہ دھوکے کی ایک ٹٹی تھا، آپ نواب اعظم خاں ناظم ٹھٹھہ کے سامنے پیش کیے گئے، ناظم نے آپ سے پوچھا تم نے یہ شورش کیوں برپا کی، آپ نے جواب میں یہ دو شعر پڑھے۔

آں روز کہ توسنِ فلک زیں کردند — آرایشِ مشتری و پرویں کردند
ایں بود نصیب ما ز دیوانِ قضا — ما را چہ گناہ قسمتِ ما ایں کردند

شیخ محمد رضا[۱] شاعر جو اُس وقت نواب کے ساتھ تھا اُس نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا،

دوست بیدار بشو عالم خواب است اینجا — حرفِ بیہودہ مگو پائے حساب است اینجا

---

[۱] شیخ محمد رضا اصل میں ٹھٹھہ کا رہنے والا تھا، اُس نے بعد میں بھکر میں توطن اختیار کر لیا تھا، عربی و فارسی میں کافی مہارت رکھتا تھا، میر عبدالجلیل بلگرامی کے عقیدت مندوں اور شاگردوں میں تھا، عہد عالمگیر سے محمد شاہ کی حکومت تک فوجداری اور دوسری خدمات پر اصالتاً یا نیابتاً فائز رہا، شیخ محمد رضا نے ۱۱۴۳ھ میں وفات پائی، تذکرہ نگاروں نے اُس کے دو شعر نقل کئے ہیں۔

کارِ ما آخر شد و آخر ز ما کارے نشد — مشتِ خاکِ ما غبارِ کوچۂ یارے نشد
سالہا خونِ جگر در نافِ آہو شد گرہ — مشک شد اما چہ حاصل خالِ رخسارے نشد

(تذکرہ صبح گلشن صفحہ ۱۷۵)

www.maktabah.org

آپ نے اُس کے جواب میں فرمایا

در کوے نیک نامی مارا گذر ندادند

گر تو نمی پسندی تغییر کن قضا را

نواب نے کہا اب تم اپنی سزا بھگتنے کے لئے تیار رہو، آپ نے فرمایا۔ البلاء للولاء کاللھب للذھب } مصائب اولیاء اللہ کے لئے ایسے ہوتے ہیں جیسے آگ سونے کے لئے، نواب نے کہا آخر تم نے اپنے آپ کو کیوں بدنام کیا، جس کی وجہ سے آج تمھیں بلاؤں کا نشانہ بننا پڑ رہا ہے، آپ نے جواب میں بیساختہ یہ شعر پڑھا۔

عاشق چہ کند گر نکشد بار ملامت

با ہیچ دلاور سپر تیر قضا نیست

نواب نے کہا اب تم قتل کئے جاؤ گے، آخر اس طولِ امل کا کیا نتیجہ ہوا؟ آپ نے فرمایا۔ ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

نواب نے کہا اب تم اپنی آرزؤں کا خون ہونے پر کچھ غم رکھتے ہو، آپ نے فرمایا۔

من از آں دم کہ وضو ساختم از چشمۂ عشق

چار تکبیر زدم یکسرہ بر ہر چہ کہ ہست

قید کے وقت حضرت صوفی شاہ عنایت اس شعر کو پڑھتے تھے۔

ساقیا برخیز در دہ جام را

خاک بر سر کن غمِ ایام را

مین اُس وقت جب کہ آپ جامِ شہادت نوش فرمانے کے لئے تیار تھے

www.maktabah.org

زبانِ حال سے اپنے قاتلوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرماتے تھے۔

رہا نیدی مرا از قیدِ ہستی
جزاک اللہ فی الدارین خیرا

آپ کی شہادت صفر ۱۱۳۰ھ کو واقع ہوئی۔[1]

تحفۃ الکرام میں اس قدر اضافہ ہے کہ ۹ صفر ۱۱۳۰ھ کو نواب اعظم خاں حضرت صوفی شاہ عنایت کو گرفتار کر کے ٹھٹھہ پہنچا، اور تاوان جنگ وہاں کے تاجروں پر ڈالا، جب آپ ٹھٹھہ گرفتار کر کے لائے گئے تو مخدوم رحمت اللہ طالب علم نے جو ایک جلیل القدر عالم اور درویش تھے، اس ظلم کے خلاف آواز بلند کی اور نواب کی مخالفت کی لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا، آخر یہ بیچارے شہر چھوڑ کر احتجاجاً باہر نکل گئے کہ شاید اس طریقے پر نواب پر کچھ اثر ہو، مگر یہ بھی بیسود ثابت ہوا، نواب نے صوفی شاہ عنایت کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں، اور چند دن قید میں رکھا پھر شہید کر دیا جس کی وجہ سے اہل اللہ اور عوام اس سے سخت متنفر ہو گئے۔[2]

عجیب بات یہ ہے کہ اسی زمانے میں منادی کی گئی کہ جو کوئی اسم اللہ زبان سے نکالے گا اس کا سر قلم کیا جائے گا۔

آخر ۱۱۳۱ھ میں نواب اعظم خاں ٹھٹھہ کی نظامت سے معزول ہوا اور اس کی جگہ نواب مہابت خان[3] کاظم ٹھٹھہ کا ناظم ہو کر آیا۔

---

[1] واقعہ شہادت کی تمام تفصیل مقالات الشعراء، باب الالف بعنوان اعظم سے ماخوذ ہے۔

[2] تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۰۰ و ۱۰۱

[3] نواب مہابت خاں خلف محمد منعم خاں المخاطب بہ خان خاناں، شاہ عالم بہادر شاہ کا وزیر اعظم تھا، ۱۱۳۲ھ میں ٹھٹھہ کا گورنر ہو کر آیا، نہایت ہی غربا پرور و ہمدرد، صاحب خیر تھا، اہل اللہ اور اہلِ کمال کی صحبت میں بیٹھتا، اور شعر بہت اچھا کہتا تھا، فن شاعری میں استادی کا مرتبہ رکھتا تھا، شاعری میں اس کا تخلص کاظم تھا، نواب مہابت خاں نے ۱۱۳۵ھ میں ٹھٹھہ ہی میں وفات پائی "رضی عنہ" سے اس کا سنہ وفات نکلتا ہے (مقالات الشعراء۔ باب الکاف بعنوان کاظم صفحہ ۶۵۷-۶۵۸)

مزار آپ کا مزار جھوک میں زیارت گاہ خاص و عام ہے، اور یہ درگاہ سندھ کی بڑی درگاہوں میں شمار ہوتی ہے۔

اولاد حضرت صوفی شاہ عنایت کے دو صاحبزادوں کا تذکرہ ہمیں تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے، اُن میں سے بڑے صاحبزادے کا نام میاں عزت اللہ تھا، جو آپ کی شہادت کے بعد سجادہ نشین ہوئے، شاہ عزت اللہ نے ۱۱۸۶ھ میں وفات پائی اور دوسرے صاحبزادے کا نام شاہ سلام اللہ تھا۔

شاہ سلام اللہ بھی بڑے عابد و زاہد صاحبِ تقویٰ و تقدس بزرگ تھے، سالہا سال آپ نے صحراؤں میں عبادت و ریاضت میں گزارے، یہاں تک کہ اِن ریاضتوں اور مجاہدوں کی وجہ سے آپ پر سکر کی کیفیت طاری رہتی تھی، ہمیشہ شہرت سے متنفر رہے اور گوشۂ گمنامی کو پسند فرمایا، آپ کے متوسلین اپنی راحتوں کو قربان کر کے آپ کے ساتھ تکلیفیں برداشت کرتے تھے، لیکن آپ کا دامنِ توسل کسی طرح نہیں چھوڑتے تھے، صاحبِ خوارق و کرامات تھے، آپ کی بہت سی کرامتیں مشہور ہیں، منجملہ اُن کے ایک کرامت یہ بھی ہے کہ اُس زمانے میں جب کہ میاں غلام شاہ خان[1] اور میاں عطر خاں کلہوڑا دونوں بھائیوں کے درمیان سلطنت پر جھگڑا تھا، اور یہ دونوں بھائی ملک کے لئے ایک دوسرے سے دست و گریبان تھے، کسی نے شاہ سلام اللہ کی مجلس میں ان دونوں بھائیوں کے تنازع کا تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا اِن سے غین صاحب اورنگ و تاج ہوگا، یہ اشارہ میاں غلام شاہ کی طرف تھا، حالانکہ اُس وقت کے حالات کے لحاظ سے کسی کو یقین نہ تھا کہ غلام شاہ کامیاب ہو سکے گا، آپ کی اس پیشگوئی کو کچھ دن بھی نہ گذرے تھے کہ غلام شاہ

---

[1] غلام شاہ، خاندان کلہوڑا کا چوتھا بادشاہ ہے جو میاں محمد مراد یاب کے قید ہونے کے بعد ۱۱۷۰ھ میں تخت نشین ہوا، اور ۱۱۸۶ھ میں وفات پائی۔

www.maktabah.org

لله الحمد نه مردیم و رسیدیم به دوست
آفرین باد برین همتِ مردانهٔ ما



درگاه صوفی شاه عنایت شہید
واقع جھوک
(بشکریہ سندھی ادبی بورڈ)

www.maktabah.org

www.maktabah.org

تخت و تاج کا وارث ہوا۔

مریدین و معتقدین

سندھ اور بیرونِ سندھ میں صوفی شاہ عنایت کے مریدین و معتقدین کی تعداد بہت کثیر تھی، وہ ان مخصوص بزرگوں میں سے تھے جن کی روحانی عظمت کا سکہ عوام و خواص سب کے قلوب پر بیٹھا ہوا تھا، تحفۃ الکرام کے مصنف میر علی شیر قانع ٹھٹھوی لکھتے ہیں۔

خامۂ خامکار چہ قدر شرح اوصاف بزرگی ایں خاندان کند، خدام ایں سلسلہ امروز ہم باآنکہ ہزارانِ ہزار در فترت شہادت بکار آمدند، و کسے ازاں دو دمانِ مشیخت دوست نیست، در سند ہزاراں ہزار مریدان عیان و نہاں اند و در دیگر بلادِ مشائخ کبار بتوسلِ ارادت ایں در داخلِ اجلہ اہلِ کمال می باشند[1]۔

شاہ غلام محمد

شاہ غلام محمد کا اجمالی تذکرہ اوپر گذر چکا ہے، یہ آپ کے خلفاء میں بڑا مرتبہ رکھتے تھے، آنھوں نے ٹھٹھ سے واپسی کے بعد دہلی میں شاہ صاحب کے کام کو جاری رکھا، اور ہزاروں تشنگانِ معرفت اپنی پیاس بجھانے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اُنھوں نے دہلی میں وفات پائی۔

میر جان اللہ شاہ رضوی

میر جان اللہ رضوی روہڑی کے رہنے والے تھے، حضرت صوفی شاہ عنایت کے ارشد خلفاء میں تھے، ان کے بزرگوں میں ..... ساتویں صدی ہجری میں سید محمد مکی نے مشہد سے آکر بھکر کو اپنا وطن بنایا اور وہیں وفات پائی اور قلعہ ارک میں مدفون ہوئے[2]، سادات بھکری انھیں کی اولاد میں

---

[1] تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۷۰ - ۱۷۱

[2] تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۷۱ بضمن مخدوم صدہو۔

www.maktabah.org

ہیں، اور یہ پہلے سید ہیں جو بھکر میں آئے، پھر شاہ بیگ ارغون کے اشارے پر یہ خاندان بھکر سے آکر روہڑی میں آباد ہوا۔ بہت سے بزرگ اس خاندان میں گزرے اُن میں سے ایک بزرگ حیدر شاہ حقانی بھی تھے، انھیں کی اولاد میں میرجان اللہ شاہ رضوی تھے۔ میرجان اللہ شاہ رضوی کے متعلق صاحب تحفۃ الکرام نے بہت ہی اختصار سے کام لیا ہے۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ حیدر شاہ حقانی کی اولاد میں تھے، اپنی فطری صلاحیتوں کی وجہ سے طالب راہ حق ہو کر صوفی شاہ عنایت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کی، صوفی شاہ عنایت نے ان کے جوہرِ قابل کو سنوارا اور نکھارا، اور اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا، پھر یہ اپنے وطن روہڑی لوٹ آئے، عظیم المرتبت شاعر تھے، میرتخلص فرماتے تھے، ان کا دیوان جو اپنے اندر عرفان و معرفت کے بہت سے جواہر ریزے لئے ہوئے ہے موجود ہے ان کے صاحبزادوں میں میر قلندر علی کو میر علی شیر قانع صاحب تحفۃ الکرام نے شاہ آباد میں کئی مرتبہ دیکھا تھا، جن کے متعلق ان کا بیان ہے کہ وہ فقیر دوست اور جادۂ سلوک پر قایم ہیں، صرف اتنے ہی حالات پر قانع نے قناعت کی ہے، جو بڑی حد تک تشنہ ہیں۔[1]

لیکن پروفیسر لطف اللہ بدوی نے اپنے مضمون "میرجان اللہ شاہ رضوی میں" جو نئی زندگی کے شہید نمبر فروری ۱۹۵۸ء میں شایع ہوا ہے، آپ کے کچھ مزید حالات کا اضافہ کیا ہے، ہم اس سے آپ کے کچھ اور حالات اور نمونہ کلام پیش کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں۔

اپنے شیخ سے میرجان اللہ شاہ رضوی کی عقیدت و محبت کا یہ حال تھا کہ جبکہ نواب اعظم خاں اور میاں یار محمد کلہوڑا کی ظالمانہ اور جابرانہ طاقتیں، صوفی شاہ عنایت جیسے حق پرستوں سے ٹکرا رہی تھیں، اور آپ صبر و شکر سے اُن مصائب کو برداشت

لے تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۲۸، ۱۲۹۔

www.maktabah.org

کر رہے تھے تو یہ بیقرار ہو کر حضرت صوفی شاہ عنایت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نواب کے مقابلے کی اجازت چاہی آپ نے ان کو منع فرما دیا، انھوں نے اپنے مرشد کے ارشاد کی تعمیل کی اور خاموش ہو کر بیٹھ گئے، آخر آپ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، میر جان اللہ کے قلب پر اس واقعہ سے جو قیامت گزری انھوں نے اپنے اس درد کا اور اس واقعہ کا اظہار اپنے مشہور قصیدے حجۃ اللہ میں نہایت ہی حسرت ناک طریقے پر کیا ہے، اس قصیدے کے چند شعر یہ ہیں۔

اے بر قدِ تو زیبا تشریفِ کبریائی
وے از تو شد ہویدا در بندگی خدائی
حقا کہ نارِ پاکی، دور از غبارِ خاکی
دادند ہر دو عالم بر عصمتِ گواہی
نازت بتو امامت، بالا بتو شجاعت
در محفلِ سخاوت حاتم کند گدائی
اے فقر بر تو زیبا، وے زہد بر تو شیدا
عشق از تو شد ہویدا اے جانِ پارسائی
وضع قلندرانت، کو بادہ از مشائخ
شد بر سرت مسلّم آئینِ مقتدائی
در عہدِ تو ولایت بر اوجِ عزت آمد
چوں ختم بر محمدؐ شد کارِ انبیائی
طلّابِ حق ز ہر سو در حضرتت دویدند
از خاندانِ دیگر بر خاست پیشوائی
شیخانِ کبر کیشاں اندر حسد فتادند
دادند در خلایق انکار را روائی

www.maktabah.org

فرخ سیرِ مخبط، آں شاہِ جاہلیت
برگشتہ بے تحقق بر قول ادعائی
ترسید زینکہ گیرد ملکش فقیر تارک
یارب نعوذ باللہ از حق ررستائی
برخاست تا نشاند شمع وجودِ حق را
عاقل ز سر بریدن افزوں کند ضیائی
آں مرشدِ زمانہ، آں عارفِ زمانہ
رخت از جہاں بروں زد در عالمِ خدائی

با میر دل شکستہ، پیوستہ باش مونس
در حضرتِ تو دارد آئین جبہ سائی
جز تو کسے ندارم، جز تو کسے نخواہم
بے تو دمے نباشم باشد کہ رُخ نمائی
نامِ قصیدہ کردم، در قدرِ حجت اللہ
بر سنت محمدؐ در حضرتِ خدائی

واقعۂ شہادت کے بعد میر جان اللہ شاہ رضوی روہڑی میں آکر مقیم ہو گئے اور ساری عمر یادِ الٰہی مصروف رہے، آپ کی وجہ سے روہڑی قادریہ سلسلہ کا ایک بڑا مرکز بنی۔

میر جان اللہ فارسی کے بڑے خوش گو شاعر تھے، ان کی شاعری صوفی شاہ عنایت کے خیالات کی آئینہ دار ہے وہ اپنے اشعار میں تصوف کے حقائق کو بڑے دل نشین انداز میں پیش کرتے ہیں، علوئے فکر، سلامت و روانی، برجستگی و بیساختگی

www.maktabah.org

سوز و گداز اُن کی شاعری کی جان ہیں، اُن کے تمام اشعار میں از دل خیزد بر دل ریزد کی کیفیت پائی جاتی ہے وحدت الوجود کے نظریہ کو اُنھوں نے عجیب دلکش انداز میں اپنے اشعار میں سمویا ہے، فرماتے ہیں۔

مخفی و پیدا بود یارے کہ من می بینمش
گاہ در خلوت، گہے در انجمن می بینمش
آن گل اندامے کہ در لیلیٰ و مجنوں جلوہ کرد
در لباسِ بلبل و گل در چمن می بینمش
کثرتِ صورت حجابِ معنیِ وحدت نشد
سنبلش لا ہیر بر برگِ سمن می بینمش

دیدہ بکشا کہ وقتِ دیدار است
جابجا جلوہ ہائے دلدار است

غیر نباید بچشم محرمِ دوست
عالم آئینہ دارِ جلوۂ اوست
قمریاں پائے بندِ عشقِ وے اند
سرو دیگر مبیں کہ بر لبِ جوست

شوکتِ الفاظ، علوئے تخیل روانی و برجستگی کے اعتبار سے ایک غزل کے چند شعر ملاحظہ ہوں۔

دریغا نم ز شورِ عشق رنگ انداختم رفتم
بنائے کعبہ در دیرِ فرنگ انداختم رفتم

www.maktabah.org

زعشقم سالکِ ملکوت سرمستِ جنوں گشتہ
بمینا خانۂ افلاک سنگ انداختم رفتم
بآسانی نیاید گوہرِ مقصود در دستم
بسدرہ فرش درکامِ نہنگ انداختم رفتم
تعلل در طریقِ عشق باشد عین گمراہی
بزیرِ پا سرِ خود بے درنگ انداختم رفتم
نوائے من کمند انداز باشد میر دلہا را
زِ زلفِ دلبراں او تارِ چنگ انداختم رفتم

وہ اپنے اشعار کی رنگینی اور معارف کو اپنے شیخ کا فیض بتاتے ہوئے فرماتے ہیں

ایں کہ می جوشد معارف میر در گفتارِ من
از تلطف ہائے آں شاہِ شہیداں یافتہ

میر جان اللہ رضوی یکم ربیع الاول ۱۱۸۰ھ کو واصل الی اللہ ہوئے[۵۱]

سید طالب اللہ

سید طالب اللہ کا شمار حضرت صوفی شاہ عنایت کے ممتاز ترین مریدوں میں ہوتا ہے، صاحبِ تحفۃ الطاہرین نے لکھا ہے کہ سید طالب اللہ نے فیوضِ باطنی کو صوفی شاہ عنایت اللہ سے حاصل کیا تھا؛ اپنے مرشد کی شہادت کے بعد، سید طالب اللہ کوہ مکلی پر مقیم ہو گئے تھے، ان پر استغراق کی کیفیت طاری رہتی تھی، صاحبِ وجد و حال و اہلِ کمال تھے سید طالب اللہ نے ٹھٹھہ ہی میں وفات پائی، اُن کا مزار مکلی میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔[۵۲]

شاہ اسمٰعیل صوفی

سید حسام الدین صاحب راشدی نے تحفۃ الکرام کے حوالے سے

---

[۵۱] ماخوذ از نئی زندگی شہید نمبر مضمون میر جان اللہ شاہ رضوی مرتبہ پروفیسر لطف اللہ بدوی۔

[۵۲] تحفۃ الطاہرین صفحہ ۱۷۔

www.maktabah.org

اپنے مضمون "شاہ شہید کے سوانح کے ماخذ" مطبوعہ نئی زندگی سنہ ۱۹۵۶ء میں صوفی شاہ عنایت کے بعض مخلص معتقدین کا تذکرہ کیا ہے، اُن میں سے آپ کے ایک مخلص و معتقد شاہ اسداللہ معروف بہ شاہ اسماعیل بھی ہیں، یہ بزرگ شاہ عاشق اللہ کے مرید تھے، لیکن حضرت صوفی شاہ عنایت سے بھی بیحد دلی عقیدت رکھتے تھے، میر علی شیر قانع ٹھٹھوی نے اُن کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے تحفۃ الکرام میں لکھا ہے۔

> شاہ اسماعیل صوفی مرید خدمت شاہ عاشق اللہ است کہ از ہند وارد شدہ، و مخلص جناب شاہ عنایت اللہ صوفی کہ مذکور شد، در رتبہ بایں نزدیکی ہمچو صاحبے کمالی برنخواستہ زبان قاصر ہر قدر وصفِ کمالش بیان نماید ہنوز قاصر است[1]۔

صوفی شاہ اسماعیل پر ہمیشہ استغراق کی کیفیت طاری رہتی تھی، اُن کو مثنوی مولانا روم پر بڑا عبور تھا، اور اس کا درس دیتے تھے عارفِ رومی کے معارف کو وہ نہایت ہی دلکش انداز میں بیان فرماتے تھے۔

شاہ مسعود دولھاری یہ شاہ اسمٰعیل کے ممتاز ترین مریدوں میں ہیں، شاہ اسماعیل کی وفات کے بعد آپ صوفی شاہ عنایت کے خلیفہ شاہ غلام محمد کی خدمت میں چلے گئے اور اور تعلیم سلوک کی تکمیل کر کے ٹھٹھہ واپس ہوئے۔

شاہ عبداللطیف بھٹائی صاحب تحفۃ الکرام کا بیان ہے کہ شاہ عبداللطیف بھٹائی شاہ اسمٰعیل صوفی کے خاص دوستوں میں تھے، اور وہ بھی صوفی شاہ عنایت شہید سے بیحد محبت و عقیدت رکھتے تھے "شاہ جو رسالو" میں بعض ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جن کے متعلق خیال ہوتا ہے کہ وہ صوفی شاہ عنایت کی شہادت سے متاثر ہو کر شاہ عبداللطیف نے کہے ہیں[2]۔

---

[1] تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۲۳ اس کے علاوہ تحفۃ الطاہرین صفحہ ۶۹ پر بھی آپ کا تذکرہ ملتا ہے۔

[2] مخلصین و معتقدین کے متعلق تمام مواد رسالہ نئی زندگی مضمون شاہ شہید کی سوانح کے ماخذ مرتبہ سید حسام الدین راشدی بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۵۶ء و تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۲۳ سے لیا گیا ہے۔

www.maktabah.org

(۱۳)

حضرت شیخ عیسیٰ جنداللہ

نام ونسب آپ کا اسم گرامی عیسیٰ، لقب مسیح الاولیاء اور جنداللہ تھا، آپ کے والد کا نام نامی قاسم تھا، آپ کے آباؤ اجداد قصبہ بات کے رہنے والے تھے جو تعلقہ سیون میں ایک قصبہ ہے، یہ قصبہ شیخ عیسیٰ جنداللہ کے آباؤ اجداد نے آباد کیا تھا، حضرت مسیح الاولیاء نے اپنا سلسلۂ نسب اپنی تصنیف عین المعانی میں اس طرح لکھا ہے۔ عیسیٰ بن قاسم، بن رکن الدین بن معروف بن شہاب الدین المعروف الشہابی الجندی السندی الہندی —

ترک وطن: ــــــــــــ ۹۵۰ھ میں جب ہمایوں کے سندھ میں آنے کی وجہ سے شورش و بدامنی پھیلی تو سندھ کے بہت سے علماء اور صوفیا کے گھرانے ترک وطن کر کے مختلف ممالک میں آباد ہوئے انھیں ہجرت کرنے والوں میں شیخ عیسیٰ جنداللہ کے والد ماجد شیخ قاسم بن شیخ یوسف بھی تھے، شیخ قاسم اور اُن کے بڑے بھائی شیخ طاہر محمد محدث اپنے خاندان کے ساتھ ہجرت کر کے پہلے احمد آباد تشریف لائے، اور اُنھوں نے اُسی زمانے میں حضرت محمد غوث گوالیاری سے بیعت ہو کر چودہ خانوادوں میں خلافت حاصل کی، پھر آپ اپنے مرشد کی اجازت سے اپنے خاندان کے ساتھ برار تشریف لائے، اُس زمانے میں برار کا حاکم تفال خاں تھا، جو ان بزرگوں کے ساتھ نہایت احترام وعزت

www.maktabah.org

سے پیش آیا، اور یہ بھی اس کے خلوص و قدر افزائیوں کو دیکھ کر ایلچ پور ہی میں مقیم ہو گئے، وہاں تقریباً ۲۲ سال تک مقیم رہ کر علم و عرفان کی دولت، عام کرتے رہے۔

ولادت ۵، ذالحجہ ۹۶۱ھ شب یکشنبہ کو مسیح الاولیار شیخ عیسیٰ کی ولادت باسعادت ایلچپور ہیں ہی ہوئی، اس روز آپ کے والد ماجد شیخ قاسم گھر پر موجود نہ تھے، آپ کے چچا شیخ طاہر محمد محدث نے آپ کا نام عیسیٰ رکھا۔

تعلیم نو سال کی عمر میں آپ نے قرآن مجید حفظ کر لیا، پھر علوم متداولہ کی طرف توجہ فرمائی، اور اپنے چچا شیخ طاہر محدث سے فقہ، حدیث، تجوید اور دوسرے فنون کی تعلیم حاصل کی، ابھی آپ کا آغاز شباب ہی تھا کہ ۹۸۱ھ میں آپ کے والد شیخ قاسم واصل الی اللہ ہوئے۔

۹۸۲ھ میں تفال خاں کی وفات کی وجہ سے برار کا نظم و نسق درہم و برہم ہو گیا، محمد شاہ فاروقی حاکم برہانپور کی قدر افزائیاں اور اس کا بیحد اصرار حضرت شیخ طاہر محدث اور ان کے متعلقین کو کھینچ کر برہانپور لایا، شیخ عیسیٰ بھی آپ کے ساتھ برہان پور آ گئے۔

شیخ طاہر محمد محدث اور شیخ عیسیٰ کے برہان پور میں قیام کے بعد، سندھ کے وہ خانوادے جو ہجرت کر کے ہندوستان کے مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے، برہان پور میں آ کر آباد ہونے لگے، اور برہان پور اہل سندھ کا مرکز بنا، یہاں تک کہ آپ کے مکان کے متصل سندھیوں کی آبادی نے ایک مستقل محلہ کی صورت اختیار کی، اور یہ محلہ سندھی پورہ کہلانے لگا، جو آج بھی اسی نام سے موسوم ہے۔

سفر شیخ عیسیٰ اگرچہ علوم متداولہ کی تعلیم اپنے چچا سے حاصل کر چکے تھے، لیکن ذوق علمی کا قافلہ رواں دواں تھا، آپ بایں علم و فضل شیخ یوسف کے درس میں

www.maktabah.org

شریک ہوئے، اور وہاں سے اکتساب کرنے کے بعد، آپ مزید حصولِ علم کے لئے آگرہ کی جانب روانہ ہوئے، آگرے میں آپ کی ملاقات حضرت قاضی جلال الدین ملتانی سے ہوئی جو اپنے وقت کے جلیل القدر عالم اور بزرگ تھے۔

چچا کا خط ابھی آپ آگرے ہی میں مقیم تھے کہ آپ کو اپنے چچا شیخ طاہر کا خط ملا جس میں تحریر تھا کہ حکیم عثمان بوبکانی جو اپنے علم و فضل کی وجہ سے یگانۂ روزگار ہیں برہان پور آئے ہوئے ہیں، شاید اس سرچشمۂ علوم سے تم زیادہ سکون حاصل کر سکو، یہ خط ملتے ہی آپ برہان پور واپس چلے آئے اور حکیم بوبکانی کے درس میں شریک ہو گئے، لیکن اب معرفت و عرفان کے حصول کی ایک نئی لگن قلب میں پیدا ہو چکی تھی، اور آپ مرشد طریقت کے تلاش میں تھے۔

بیعت اتفاقاً ایک روز آپ چوک بازار میں ایک دکان پر تشریف فرما تھے کہ اُدھر سے حضرت شیخ لشکر محمد عارف اور اُن کے ماموں گذرے، شیخ عیسیٰ کو دکان پر بیٹھا ہوا دیکھ کر شیخ لشکر محمد عارف نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ شیخ طاہر محدث کے بھتیجے ہیں، اور ان کا نام شیخ عیسیٰ ہے، شیخ لشکر محمد عارف نے شیخ عیسیٰ سے مخاطب ہو کر فرمایا، میاں تم تو ہمارے ہو، ہمارے پاس کیوں نہیں آتے، یہ فرما کر آپ روانہ ہو گئے۔

اس ارشاد کے چند دن بعد آپ شیخ لشکر محمد عارف کی خدمت میں پہنچے، اور ایک ہی ملاقات میں آپ نے محسوس کیا کہ جس رہبر طریقت کی آپ کو تلاش تھی، وہ آپ ہی ہیں، دو ایک ملاقاتوں کے بعد آپ شیخ لشکر محمد عارف کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے، اور مختلف ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد اپنے شیخ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

ریاضتیں اور مجاہدے ریاضتوں اور مجاہدوں کی یہ کیفیت تھی کہ آپ

www.maktabah.org

کے ایک گرامی قدر خلیفہ شیخ برہان الدین راز الٰہی کا بیان ہے کہ حضرت لشکر محمد عارف کے ارشاد پر میرے شیخ حضرت عیسیٰ جند اللہ نے دریائے تاپتی کے کنارے ایک چلہ کھینچا چالیس روز تک یہ کیفیت تھی کہ اگر غیب سے کھانے کا کوئی سامان ہو گیا تو اس سے ورنہ نیم کے پتوں سے افطار کرتے اور فرمایا کرتے تھے کہ نیم کے پتے اس وقت کڑوے نہیں بلکہ میٹھے معلوم ہوتے تھے۔

اطاعتِ شیخ ایک دفعہ حضرت شیخ لشکر محمد عارف کے مکان کی تعمیر کا کام شروع ہو رہا تھا، زمین کو ہموار کرنے کے لئے آپ کے بعض مرید مٹی کی ٹوکریاں بھر بھر گڑھے میں ڈال رہے تھے اس وقت شیخ عیسیٰ بھی تشریف لائے اور کام میں شریک ہوئے، کثرتِ ریاضت و مجاہدے نے اس قدر کمزور کر دیا تھا کہ آپ ٹوکری اٹھا کر لا رہے تھے کہ راستے میں گر پڑے، حضرت لشکر محمد عارف نے آپ کو دوڑ کر اٹھایا، اور نہایت شفقت سے فرمایا کہ میاں تم جواہر خمسہ پڑھو، دوسرے ریاضتیں اور مجاہدے کرو، تمہارا کام یہ نہیں ہے، پھر آہستہ سے کان میں فرمایا۔

آفریں باد کارِ طالبانِ حق چنیں است

توکل و استغنا توکل و استغنا کا یہ عالم تھا کہ اُس زمانے میں جب کہ آپ گجرات تشریف لے گئے، راستہ میں آپ کا قیام اوجین میں شیخ عبد الکریم ابن شیخ عیسیٰ کی خانقاہ میں ہوا اتفاق سے اس وقت مالوہ کا حاکم بھی اپنے مصاحبین کے ساتھ اوجین ہی میں ٹھیرا ہوا تھا، اوجین کے شیوخ نے چاہا کہ آپ کی ملاقات حاکم مالوہ سے کرائیں، تاکہ آپ کچھ دنیاوی فائدہ پہنچے، لیکن آپ نے اسے پسند نہ فرمایا اور اُجین سے روانہ ہو گئے۔

بیعت لینے کا طریقہ آپ کے پاس جب کوئی مرید ہونے کے لئے آتا،

www.maktabah.org

اور آپ اس میں صلاحیت پاتے تو بیعت کر لیتے ورنہ انکار فرما دیتے، یا اُس سے فرما دیتے کہ تمھارے لئے مناسب یہ ہے کہ فلاں صاحب سے بیعت کرو۔
جس کو مرید کرتے اس کے دونوں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر یہ پڑھواتے:۔

الحمد للّٰہ الذی لا الٰہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ استغفر اللّٰہ ربی من کل ذنب اذنبتہ عمداً او خطاءً سراً او علانیۃً واتوب الیہ من الذنب الذی اعلم ومن الذنب الذی لا اعلم وانت علام الغیوب، اِنّ الذین یبایعون اللّٰہ اذیبایعونک تحت الشجرۃ ید اللّٰہ فوق ایدیھم،

پھر اس کے بعد طالبِ سلوک سے ارشاد فرماتے کہ خدا سے تعالیٰ نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے، ان کو حرام جانو، روزانہ پانچ وقت کی نماز وقت پر ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اگر تمھارے پاس نصابِ شرعی کے مطابق مال ہو تو اس کی زکوۃ ادا کرو، اور اگر اللہ نے تمھیں استطاعت دی ہے تو حج کرو پھر مرید کے ہاتھ چھوڑ دیتے، اور ارشاد فرماتے کہ دو رکعت نماز شکرانہ ادا کرو۔

اگر کسی عورت کو مرید فرماتے تو درمیان میں پردہ ڈال دیا جاتا، اور پردے کے اندر سے دوپٹہ ...... مرید ہونے والی خاتون کے ہاتھ میں اس طرح دیا جاتا کہ اس کا ایک سرا آپ کے ہاتھ میں ہوتا، اور اس کو بھی آپ مندرجہ بالا دعا و استغفار پڑھوا کر دو رکعت نماز شکرانہ پڑھنے کا حکم دیتے۔

عورتوں کو مرید کرنے کے بعد ایک دامنی بھی عطا فرماتے، یہ چار گز لمبا ایک کپڑا ہوتا تھا جس پر آپ کے بڑے صاحبزادے بابا عبدالستار یہ عبارت تحریر کرتے تھے۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ

www.maktabah.org

قل یا عبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً انہ ھو الغفور الرحیم۔

فلانۃ بنتِ فلانۃِ را حق بسحانہ وتعالیٰ بحرمت کلمۃ طیب وآیۃ مسطورہ وبحق النبی وآلہ و اصحابہ بیامرزد۔

مریدوں کی تعلیم مریدوں کی تعلیم وتربیت میں ہمیشہ شفقت کو پیش نظر رکھتے، اور حالات کے لحاظ سے نصائح کو تمثیلات کے رنگ میں اس طرح پیش فرماتے کہ وہ سننے والے کے آئینۂ قلب پر منقش ہو جاتی تھیں۔ ابتدائے سلوک میں مرید کو فنا فی الشیخ کی تعلیم فرماتے تھے۔

اپنے مرید خاص شیخ برہان الدین راز الٰہی کو تاکید فرمائی تھی کہ اپنے مرشد کا تصور اس طرح غالب رکھو کہ جب کسی سے ملاقات کا اتفاق ہو تو خواہ وہ مشایخانہ وضع میں ہو، یا قلندروں کے لباس میں، تمھیں سمجھنا چاہیئے کہ میرا پیر بیٹھا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ مرشد کا وجود بھی مرید اور خدا کے درمیان ایک واسطہ ہے، اگر مرشد کا وجود درمیان میں نہ ہو تو جمال الٰہی کی تجلی مرید کو نظر نہیں آسکتی۔

سماع سماع سے آپ کو رغبت تھی، لیکن منکرینِ سماع کو بھی آپ بُرا نہیں سمجھتے تھے، آپ کی مجلسوں میں سماع کے آداب کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی۔

ایک دفعہ آپ کی خانقاہ میں مجلسِ سماع منعقد ہو رہی تھی، مرتاض صوفیا کا اجتماع تھا۔ اتفاقاً ملا محجیب علی سندھی بھی ادھر آ نکلے اور محفل سماع میں شریک ہو گئے لیکن اُنھوں نے آداب سماع کا خیال نہیں رکھا اور اپنے قریب بیٹھے ہوئے ساتھی

سے باتیں کرنے لگے، اُن کا یہ طرز آداب سماع کے خلاف تھا اور سامعین کے لئے ناگوار تھا، آپ نے اسے محسوس فرما کر ملا مجیب علی سے مخاطب ہو کر نہایت شفقت سے فرمایا :-

السّماع کالصّلوٰۃ

درس و تدریس درس و تدریس آپ کا خاص مشغلہ تھا۔ آپ کے درس میں ایک جاذبیت اور کشش تھی کہ علاوہ طلبا کے دُور دُور سے اہل فن بھی آتے اور شریک درس ہو کر استفادہ کرتے تھے۔ اکثر علمار جو خود بھی صاحب درس و تدریس تھے، میلوں سے آپ کا درس سننے کے لئے روزانہ پیدل آتے تھے آپ کی تعلیم کی خصوصیت یہ تھی کہ درس کے معنی و غوامض کو آپ ایسے سہل اور دل نشین طریقے پر بیان فرماتے کہ سامعین اور طلبا اس میں ایک خاص لطف محسوس کرتے تھے

تصانیف شیخ عیسیٰ جند اللہ نے فارسی اور عربی میں تصانیف کا بیش بہا ذخیرہ چھوڑا جو علمی دنیا میں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ آپ کی کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں :-

(۱) روضۃ الحسنیٰ۔ شرح اسمائے الٰہی۔ سنہ تالیف ۹۸۹ھ

(۲) عین المعانی " " " ۹۹۷ھ

(۳) انوار الاسرار۔ تفسیر

(۴) رسالہ حواس پنجگانہ۔

(۵) حاشیہ بر اشارۂ غریبہ کتاب انسان کامل مصنفہ شیخ عبدالکریم جیلی قدس سرہٗ۔

(۶) شرح قصیدہ بردہ۔ فارسی شرح۔

(۷) رسالہ قبلۃ المذاہب اربعہ مع اشارات اہل تصوف۔

(۸) حاشیہ بر شرح ضیائیہ۔ یہ شرح مولانا جامی کی ہے۔

www.maktabah.org

مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات ' موت ہے اس پر حرام



مقبرۂ حضرت مسیح الاولیاء شیخ عیسیٰ جند اللہ قدس سرہ
واقع سندھی پورہ - برہانپور
(بشکریہ سندھی ادبی بورڈ)

www.maktabah.org

www.maktabah.org

(۹) فتح محمدی در علوم ما یتعلق به التفسیر۔

(۱۰) تتمیم شرح مائۃ عامل۔

(۱۱) رسالۂ عقود۔

(۱۲) دو رُباعی کی دو شرح۔

(۱۳) ترجمہ اسرار الوحی۔

ان کے علاوہ بھی آپ کے بعض اور رسائل ہیں۔

وفات ۱۴ر شوال ۱۰۳۱ھ کو آپ واصل الی اللہ ہوئے اور اپنے حجرۂ عبادت میں مدفون ہوئے۔ خانخاناں عبد الرحیم نے آپ کے مزار مبارک پر گنبد تعمیر کرایا۔

اولاد آپ نے اپنی وفات کے بعد چار صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں چھوڑیں جن کے نام یہ ہیں :-

(۱) شیخ عبد السّتار (۲) شیخ فتح محمد (۳) شیخ طٰہٰ (۴) شیخ ہاشم

(۱) امۃ الرحمٰن (۲) فاطمہ۔

خلفا شیخ عیسیٰ جند اللہ کے بہت سے خلفا رہے۔ جن سے سلسلہ قادریہ اور شطاریہ کا فیض نہ صرف خاندیس اور برار میں عام ہوا بلکہ دور دراز ملکوں میں پھیلا۔ ان میں سے بعض خلفا کے نام یہ ہیں :-

(۱) حضرت شیخ عبد العزیز لاہوری۔

(۲) حضرت شیخ محمد صدیق کابلی۔

(۳) حضرت شیخ عبد القدوس۔

(۴) حضرت شیخ فرید بن عبد الحکیم۔

(۵) حضرت نور الایمان۔

www.maktabah.org

(۶) حضرت شیخ محمد سندھی۔
(۷) حضرت حاجی نعمت اللہ۔
(۸) حضرت شیخ برہان الدین رازالٰہی۔
(۹) حضرت شیخ اسماعیل فرجی۔
(۱۰) حضرت سید قاسم [1]

---

[1] شیخ عیسٰی جند اللہ کے تمام تر حالات جناب سید محمد مطیع اللہ راشد برہانپوری کی تالیف "برہان پور کے سندھی اولیا" شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ سے ماخوذ ہیں۔ شیخ عیسٰی جند اللہ اور اُن سندھی اولیائے کرام کے حالات کی تفصیل جو سندھ سے ہجرت کرکے برہان پور میں آباد ہوئے اگر مطلوب ہو تو راشد صاحب کے اس تذکرہ کا مطالعہ بہت ضروری ہے، کیونکہ یہ اس موضوع پر ایک جامع تذکرہ ہے جو مستند ماخذوں سے ماخوذ ہے۔

www.maktabah.org

(۳۲)

قاضی عبدالرحمٰن شہید

(مخدوم کھوڑا)

خاندان و وطن قاضی عبدالرحمٰن شہید جو مخدوم عبدالرحمٰن شہید کے نام سے مشہور ہیں، روہڑی سے تقریباً بیس کوس کے فاصلے پر "کھوڑا" نامی گاؤں کے رہنے والے تھے۔ اُن کا سلسلۂ نسب یہ ہے:۔

مخدوم عبدالرحمٰن شہید بن مخدوم محمد بن مخدوم محمد عاقل بن محمد عبدالخالق بن مخدوم یحییٰ بن مخدوم جمال الدین بن مخدوم اسداللہ بن مخدوم احمد بن مخدوم محمد بن ... بن سیدنا عبیداللہ بن جمال الدین محمد بن عبداللہ بن سید ابراہیم شہید بن اسحاق بن معروف بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن علی بن سیدنا عبداللہ بن سیدنا عباسؓ [1]

اس خاندان کے بزرگوں میں سید ابراہیم شہید خلیفہ معتصم باللہ[2] عباسی کی خلافت کے زمانے میں بغداد سے تبلیغ اسلام کے لیے سندھ تشریف لائے اور حیدرآباد جسے اس زمانے میں نیرن کوٹ کہتے تھے، اس کے قریب گلور نامی ایک پہاڑ پر قیام فرمایا اور گلور کے لوگوں کو وعظ و نصیحت اور شریعتِ اسلامیہ کا پابند بنانے میں مشغول ہو گئے اس وجہ سے وہ لوگوں میں گلور والے کہلانے لگے۔ سید ابراہیم نے ۲۲۱ھ میں وفات پائی۔

---

[1] یہ شجرہ نسب تحفۃ الکرام سندھی کے فٹ نوٹس مرتبہ مولانا مخدوم امیر احمد سے ماخوذ ہے۔

[2] ابو اسحاق معتصم بن ہارون الرشید مامون کی وفات کے بعد ۱۹ رجب ۲۱۸ھ کو خلیفہ ہوا اور ۲۰ ربیع الاول ۲۲۷ھ کو معتصم نے وفات پائی۔

www.maktabah.org

سید ابراہیم شہید کی اولاد میں ایک بزرگ مخدوم اسد اللہ نامی اکبر کے زمانے میں قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز ہوئے، انھوں نے سندھ کا دورہ کرتے ہوئے ریاست خیرپور کے علاقے کے ایک گاؤں پیپری میں ۹۶۶ھ میں وفات پائی۔ ان کی وفات کے بعد ان کے بڑے فرزند مخدوم جمال الدین نے پیپری ہی میں سکونت اختیار کرلی، ان کے فرزند مخدوم یحییٰ نے بھی اسی گاؤں میں وفات پائی، ان دونوں بزرگوں کے مزار پیپری میں آج بھی زیارت گاہِ عام وخاص ہیں[1]۔

مخدوم یحییٰ کے صاحبزادے مخدوم عبدالخالق پیپری سے "کھوڑا" نامی گاؤں میں آکر آباد ہوئے۔ ان کی اولاد اس گاؤں میں آج تک موجود ہے۔ مخدوم عبدالرحمٰن کے دادا مخدوم عاقل کے متعلق لکھا ہے کہ وہ علم وفضل، زہد وریاضت، ہدایت وارشاد کے جامع تھے اور ہر وقت یاد الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔

مخدوم عبدالرحمٰن شہید انھیں عبدالخالق کے پرپوتے ہیں جنھوں نے علوم ظاہری اور باطنی کی تکمیل اپنے والد محترم مخدوم محمد علیہ الرحمہ سے کی۔

استقامت دین

مخدوم عبدالرحمٰن شہید عالم باعمل اور استقامت دین کا ایک بہترین نمونہ تھے۔ صاحب تذکرہ مخادیم کھوڑا نے ان کے استقامت دین کے بہت سے واقعات نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مخدوم عبدالرحمٰن اپنے وقت کے جلیل القدر اور صاحب کرامت بزرگ ہیں۔

صاحب تحفۃ الکرام نے ان کی سیرت وکردار کی بلندی کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ۔

قاضی عبدالرحمٰن اوامر ونواہی کے سختی سے پابند تھے اور مقدمات

---

[1] یہ تمام تفصیل تحفۃ الکرام سندھی کے فٹ نوٹس مرتبہ مولانا مخدوم امیر احمد بضمن قاضی عبدالرحمٰن شہید سے ماخوذ ہے۔

www.makitabah.org

کے فیصلوں میں انتہائی احتیاط سے کام لیتے تھے اور سنت نبوی کی ترویج میں انتہائی کوشش کرتے تھے، اور جو لوگ بدعات و گمراہی میں مبتلا تھے انھیں سختی سے منع فرماتے تھے۔ بہت سے لوگ ان کے اشارے کے منتظر رہتے تھے۔

شہادت کا واقعہ

مخدوم عبدالرحمٰن اپنے موضع میں اطمینان سے تبلیغ دین اور اشاعتِ حق میں مصروف تھے کہ اچانک ایک نہایت افسوسناک واقعہ پیش آیا۔ ہُوا یہ کہ روہڑی کے سیدوں میں سے ایک سید ایک خوبصورت مطربہ پر فریفتہ ہوگیا اور اسے زبردستی اپنے گھر میں ڈال لینا چاہا۔ اس مطربہ کا شوہر غریب تھا۔ وہ آپ کے پاس رجوع ہوا اور حضرت مخدوم سے فریاد کی اور اپنی بیوی کو بھی آپ کی پناہ میں لے آیا، اس کے فریاد کرنے پر آپ نے روہڑی کے سیدوں کو لکھا کہ تمہارا یہ فعل سراسر ظلم ہے اور تمہارے لئے کسی طرح مناسب نہیں پھر مخدوم نے اپنے چند آدمیوں کے ساتھ اس عورت کو اپنے خاص خادم زیرک کی نگرانی میں بھجوایا کہ وہ اس کو حفاظت سے اس کے گھر پہنچادیں۔ اتفاقاً اس شخص کو جو اس عورت پر عاشق تھا، خبر لگ گئی اور وہ اپنے چند ساتھیوں کو لے کر آیا اور اس نے مخدوم کے آدمیوں پر ہلہ بول دیا، جس میں دونوں طرف کے کچھ لوگ مارے گئے۔

سادات روہڑی پر حضرت مخدوم کا احسان یہ بھی تھا کہ روہڑی کے سادات کو پھلوں اور سبزیوں میں سے سرکاری طور پر حصہ ملا کرتا تھا، میاں نور محمد کلھوڑا کے زمانے میں یہ حصہ بند ہوگیا تھا، سادات حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس زمانے کے فرماں روا میاں نور محمد کلھوڑا سے سفارش کے طالب ہوئے، آپ خود بنفس نفیس خدا آباد تشریف لے گئے اور میاں نور محمد سے سفارش فرماکر ان کا حصہ جاری کرادیا۔ لیکن اس موقع پر سادات روہڑی نے آپ کے احسانات

www.makhtabah.org

فراموش کر کے مخدوم کے خلاف حاکم کے پاس دعویٰ دائر کیا کہ مخدوم کے آدمیوں نے ہمارے آدمیوں کو قتل کر دیا ہے۔ اتفاق سے روہڑی میں کلہوڑا حکومت کی طرف سے معین ڈھر نامی حاکم تھا، اسے مخدوم سے خواہ مخواہ کی دشمنی تھی، اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ میاں نور محمد کلہوڑا بھی درپردہ مخدوم سے دشمنی رکھتا ہے۔ اس نے حق و انصاف کو بالائے طاق رکھ کر میاں نور محمد کلہوڑا کو لکھا کہ مخدوم کے خلاف قتل کا مقدمہ دائر ہوا ہے، میاں نور محمد نے اس اطلاع کے ملنے پر ایک نو مسلم سیوستانی کو فوج دے کر بھیجا کہ مخدوم کو شہید کر دو۔

شہادت یہ نو مسلم سیوستانی کھوڑا پہنچا تو سب سے پہلے اس نے بستی کا محاصرہ کر لیا۔ لوگوں میں خبر پھیلی تو لوگ آپ کے پاس جمع ہونے لگے۔ آپ انھیں دعائیں دے کر رخصت کرتے جاتے تھے۔ آخر میں صرف دو سو آٹھ افراد رہ گئے ان میں سید بھی تھے، اکابرِ علما بھی، اور حافظِ قرآن بھی۔ حضرت مخدوم نے ان سے فرمایا کہ سب کے سب ظہر کی نماز کے بعد قبلہ رو ہو کر اللہ کا ذکر بالجہر شروع کریں اور اگر ہمارے مقابل تلواریں بھی نکال لیں تو اللہ کی رضا پر راضی رہیں اور منتشر نہ ہوں۔ آپ کے بھائی مخدوم محمد عاقل نے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو میں ابھی دشمنوں کو تہ و بالا کر دوں فرمایا، میں خود بھی یہ کر سکتا ہوں لیکن میں اسے پسند نہیں کرتا۔ پھر آپ نے اپنے دونوں صاحبزادوں کو جو ابھی بچے ہی تھے پیار کیا، اس کے بعد قبلہ رُخ ہو کر ذکر کرنے لگے۔ اس وقت محاصرین اندر داخل ہوئے اور آپ سے کہا کہ ہم تمھارا خون شیشے میں بھر کر لے جائیں گے۔ مخدوم نے فرمایا خون تو اس وقت لے جاؤ گے جب کہ میرے جسم سے خون نکلے۔ میرے جسم سے تو ایک قطرہ خون بھی نہ نکلے گا اسی حالت میں ظالموں نے آپ کو شہید کر دیا۔ شہادت کے وقت زبان سے اللہ کا ذکر جاری تھا اور تسبیح ہاتھ میں تھی۔ آپ کے بعد آپ کے رفقاء بھی شہید کئے گئے

www.maktabah.org

آپ کے ساتھیوں میں سے صرف ایک صاحب بچے جو اتنے شدید زخمی ہو چکے تھے کہ اُن کے متعلق بھی شہادت کا گمان ہوتا تھا۔ پھر محاصرین زنانخانے میں گھسنے لگے کہ شاید وہاں کچھ لوگ چھپے ہوئے ہوں۔ لیکن اتفاق سے لکیاری کے ایک سیّد جن کا نام فیروز شاہ تھا، دروازے پر کھڑے ہو گئے اور فوجیوں کو گھر میں گھسنے سے روکا۔ یہ حزنیہ ۱۱۴۵ھ میں پیش آیا۔ "ستون سندھ فتاد" سے آپ کی تاریخ شہادت نکلتی ہے۔

صاحب تحفۃ الکرام نے آپ کی شہادت کا واقعہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے :-

آخر با جماعہ موفق در امر حمایت اسلام میان مسجد در نماز شہید شدہ[1]۔	آخر اپنے حامیوں کی جماعت کے ساتھ حمایت اسلام کی خاطر بحالتِ نماز مسجد میں شہید ہوئے۔

مرثیے مخدوم عبد الرحمٰن شہید کی شہادت پر ملک میں صفِ ماتم بچھ گئی متعدد لوگوں نے مرثیے کہے۔ ہم ان میں سے ایک مرثیے کے چند شعر یہاں نقل کرتے ہیں۔

این چہ سودا در دماغِ دہر پا انداختہ
این چہ شور و شر بگردوں در صدا انداختہ
نے بیک شہر است و نے بیک کوچہ است وائے
خشت ماتم ہر کسے در ہر سرا انداختہ
ہر زماں در فکر می بینم بہ ہر جا فوج فوج
ہر کسے با ہر کسے لا والیِ انداختہ

---

[1] تحفۃ الکرام جلد ۳ - صـ ۱۳۲

www.maktabah.org

یا قیامت گشت قائم ، یا بہ رشد آسماں
ہائے وہوی در جہاں چوں کربلا انداختہ
یا بقتلِ عبد رحماں رحمتِ رحماں علیہ
در جہاں تپ لرزہ و رنج و بلا انداختہ
ہر کجا آں شاہباز دین و دولت می دوید
ہر غراب کفر و بدعت قا و قا انداختہ

اولاد مخدوم عبدالرحمٰن شہید کے دو صاحبزادے تھے ، بڑے کا نام مخدوم محمدی اور چھوٹے کا نام مخدوم احمدی تھا ، مخدوم عبدالرحمٰن کی شہادت کے وقت مخدوم محمدی کی عمر دو سال اور چھوٹے صاحبزادے مخدوم احمدی کی عمر ایک سال کی تھی -

مخدوم محمدی کے متعلق تاریخ آئینہ جہاں نما کے مصنف نے لکھا ہے کہ وہ ظاہری اور باطنی علوم میں اپنے والد کی فیض توجہ کے رہینِ منت تھے - وہ اویسی سلسلہ کے نہایت ہی عظیم تر بزرگ اور ولیٔ کامل تھے - اپنے والد کی شہادت کے بعد اُن کی عمر سات سال کی تھی کہ اُنھوں نے قرآن مجید حفظ کر لیا - آپ کی تعلیم کے لئے سندھ کے اس دَور کے مشہور عالم علامہ مخدوم ابوالمعالی نوشہرائی کو تکلیف دی گئی -

اُنھوں نے جو کتاب بھی آپ کے پڑھانے کے لئے کھولی ، مخدوم محمدی نے اس کے متعلق نہایت برجستہ اور معلومات آفرین تقریر کی کہ جس کو سن کر علامہ ابوالمعالی حیران رہ گئے - پھر قرآن ، حدیث اور تفسیر کے مشکل مسائل کو وہ اس طرح حل کرتے تھے کہ اہل علم ان کی توضیحات کو سُن کر حیران رہ جاتے تھے - ان کے اُستاد مخدوم ابوالمعالی نے جب ان کے وہبی علوم کا تبحر اس حد تک دیکھا تو ایک روز بے اختیار ہو کر فرمایا کہ ! ان صاحبزادے کا علم خضری ہے اور انھیں علم لدنی سے سرفراز فرمایا گیا

ہے۔ ان کی تعلیم کے لئے میری ضرورت نہیں۔ یہ کہہ کر اپنے وطن نوشہرہ واپس چلے آئے۔

مخدوم محمدی کی فصاحت و بلاغت و نکتہ آفرینی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک دفعہ ایک دوست اُن سے ملنے کے لئے اُن کے مکان پر آئے۔ جب وہ جانے لگے تو اُنھوں نے مخدوم محمدی کو لکھ کر بھیجا۔ "حضرتا آفتاب گرم می شود رخصت فرمایند۔" مخدوم محمدی نے اس کے جواب میں لکھا۔ "تجنیس گرم (کرم) مطلوب است، مبادا بہ تقلیب آں (مرگ) تاسف خورند۔"

سندھ کے زندۂ جاوید شاعر اور جلیل القدر صوفی شاہ عبداللطیف بھٹائی مخدوم محمدی کے ہمعصر تھے۔ صاحب تذکرہ مخادیم کھوڑا کا بیان ہے کہ ایک دفعہ شاہ عبداللطیف بھٹائی بطورِ سیاحت کھوڑا میں تشریف لائے اور شہر کے باہر میاں چنیہ کے کنوئیں کے قریب قیام فرمایا، میاں چنیہ مخدوم محمدی کے والد مخدوم عبدالرحمٰن شہید کے خلیفہ تھے۔ مخدوم محمدی کو آپ کی تشریف آوری کی خبر معلوم ہوئی تو مخدوم نے آپ کو دعوت دی۔ شاہ عبداللطیف نے اس وقت عذر کرتے ہوئے ایک شعر لکھا جس کا ماحصل یہ تھا:-

آج میں نہیں آسکتا۔ کل صبح حاضر ہوں گا اے میرے دوست، تو، اس کا
ہمنام ہے جو لاوارثوں اور یتیموں کا بوجھ اپنے کندھے پر اٹھانے والا تھا۔

دوسرے روز صبح کو شاہ عبداللطیف مخدوم صاحب کے پاس تشریف لائے اور ایک ہفتہ مخدوم کے یہاں مہمان رہے، جب رخصت ہونے لگے تو مخدوم کے لئے دُعائیں فرمائیں۔

مخدوم محمدی کے آئینۂ اخلاق میں اتباعِ شریعت، محبتِ رسولؐ اور استغنا کے جوہر نمایاں نظر آتے ہیں۔ "تذکرہ مخادیم کھوڑا" میں ان کے تفصیلی حالات

ملتے ہیں۔

مخدوم محمدی نے ربیع الاول سنہ ۱۱۷۴ھ میں وفات پائی۔ ان کا قطعۂ تاریخ وفات یہ ہے۔

بہشتم از ربیع الاول او رفت | زتاریخش بمن ہاتف چنیں گفت
دوشنبہ چونکہ باز آمد زحانوت | مقامِ رُوحِ پاکش جائے لاہوت[1]

مخدوم احمدی اپنے بھائی مخدوم محمدی کی وفات کے بعد سنہ ۱۱۷۴ھ میں مسند آرائے رشد وہدایت ہوئے۔ ان کی عمر کا بڑا حصہ اعلائے کلمۃ الحق، ترویجِ شریعت اور شرک وبدعت کی بیخ کنی میں صرف ہوا۔

مخدوم احمدی نے قادری سلسلے میں ظاہری وباطنی فیوض وبرکات اپنے شیخ پیر موسیٰ شاہ ساکن گوٹکی سے حاصل کئے تھے جو اُن کے والد قاضی عبدالرحمٰن شہید کے فیض یافتہ تھے۔ سندھ میں قادری سلسلے کے فیوض وبرکات مخدوم احمدی سے پھیلے اور اُن کے توسط سے بہت سے لوگ سلسلۂ قادریہ میں داخل ہوئے۔

احمد شاہ ابدالی مخدوم احمدی کا نہایت معتقد تھا۔ وہ ہندوستان کی طرف جاتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کا خواستگار ہوا اور اس نے فقرائ کے خرچ اور لنگر کے لئے تعلقہ گڑھی یٰسین ضلع سکھر میں بعض گاؤں مرزا پور، نو آباد دکنڑ اور جرم وغیرہ جاگیر کے طور پر عطا کئے۔

سندھ کے ممتاز راشدی خاندان کے مورثِ اعلیٰ حضرت پیر محمد راشد علیہ الرحمۃ بھی مخدوم احمدی کے شاگردوں میں تھے۔

سنہ ۱۲۰۱ھ میں مخدوم احمدی نے نہایت اہتمام سے وہ مسجد از سر نو تعمیر کرائی

---

[1] مخدوم محمدی کے متعلق تمام تفصیل تحفۃ الکرام سندھی کے فٹ نوٹس مرتبہ مخدوم امیر احمد ص ۲۳۸ تا ۲۴۰ شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ سے ماخوذ ہے۔

www.maktabah.org

جس میں اُن کے والد محترم قاضی عبدالرحمن شہید ہوئے تھے، اور اسی کے ساتھ اپنے والد کے مزار پر ایک عالیشان مقبرہ بھی تعمیر کرایا۔ تعمیر کی تاریخ اس قطعہ سے نکلتی ہے۔

دانی کہ چیست قبہ چوں شعلِ فروزاں	نورِ خدا مجسم بر تربتِ شہیداں
تاریخ سال تعمیر از غیب دوش جستم	عرش خدا ہویدا ہاتف بگفت اینساں
	۱۲۰۱ھ

آج بھی یہ مسجد اور قبہ موجود ہے جو بارہویں صدی کی تعمیری قابلیت کا ایک بہترین نمونہ ہے۔

مخدوم احمدی سنہ ۱۲۰۳ھ میں واصل الی اللہ ہوئے۔ اس آفتاب ولایت کے غروب ہونے پر ملک کے مایۂ ناز شعراء نے مرثیے کہے جو آئینۂ جہاں نما اور تذکرہ مخادیم کھوڑا میں ملتے ہیں۔

آپ کی تاریخ وفات "احمدی را مقام شد جنات" (۱۲۰۳ھ) اور "کان ولیاً ملجاء الضعفا" (۱۲۰۳ھ) سے نکلتی ہے۔

مخدوم احمدی کے صاحبزادے مخدوم محمد عاقل جلیل القدر عالم، ولی کامل تھے سندھ کے مشہور و معروف ولی اللہ مخدوم محمد اسماعیل (ساکن پریالو) کے داماد تھے۔ کھوڑا کے موجودہ مخادیم انھیں کی اولاد میں سے ہیں۔

۱؎ یہ تمام تفصیل تحفۃ الکرام سندھی فٹ نوٹس مرتبہ مولانا مخدوم امیر احمد ص ۳۳۸-۳۳۹ سے ماخوذ ہے۔

www.maktabah.org

(۳۳)

شاہ عبداللطیف بھٹائی

یوں تو سندھ میں بڑے بڑے صوفی، درویش اور شاعر پیدا ہوئے، لیکن جو شہرت اور مقبولیت بحیثیت ایک روحانی پیشوا اور شاعر کے شاہ عبداللطیف کو میسر آئی وہ دوسروں کا حصہ نہ بن سکی، اگر ایک طرف اُن کی ذات فیوض و برکات کا سرچشمہ تھی تو دوسری طرف اُن کی شاعری اپنے اندر اثر و تاثیر، سوز و گداز کا ایک خزینہ لئے ہوئے تھی۔ اُنھوں نے جو کچھ بھی کہا ہے اس میں اپنا دل نکال کر رکھ دیا ہے۔ اُن کا ہر شعر روح کی گہرائیوں سے نکلتا ہے اور دل کی پہنائیوں میں اُتر جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے پاکیزہ نغموں سے سندھ کے گاؤں، قصبے اور شہر گونج اُٹھے اور اُن کی درویشی اور شاعری کی شہرت اپنے وطن سے نکل کر دوسرے ملکوں میں پھیلی۔ اُن کے کلام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اُس سے تعلیم یافتہ طبقہ بھی لطف اندوز ہوتا ہے اور ناخواندہ طبقہ بھی اُن کے اشعار میں ایک لذت محسوس کرتا ہے۔ آج بھی عورتیں گھروں میں، کسان کھیتوں میں بچے گلیوں میں، صوفیا خانقاہوں میں شاہ کے کلام کو پڑھتے اور سر دھنتے ہیں۔

نام و نسب آپ کا نام عبداللطیف، آپ کے والد ماجد کا نام سید حبیب شاہ تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ شاہ عبداللطیف بن سید حبیب شاہ بن سید عبدالقدوس بن سید جمال بن سید عبدالکریم بن سید للہ۔ آپ کی والدہ درویش مخدوم عربی دیانہ کی صاحبزادی تھیں[1]۔ آپ کے خاندان کا تعلق کاظمی سادات سے ہے[2]

[1] نذر لطیف مضمون حیات جاوداں مرتبہ علی مظہر رضوی [2] نذر لطیف مضمون سندھ کے صوفی شاعر مرتبہ اللہ بخش صاحب عقیلی۔

www.maktabah.org

اس خاندان کے ایک بزرگ سید حیدر سنہ ۸۰۱ھ میں سندھ تشریف لائے اور قصبۂ ہالہ میں سکونت اختیار کی، پھر سید حیدر کے خاندان کے کچھ افراد مُلبرڑی میں آباد ہو گئے جو حیدرآباد سندھ کے جنوب میں واقع ہے۔ اس خانوادے کے جو افراد ملبرڑی میں آباد ہوئے۔ اسی شاخ میں سید عبد الکریم متعلوی بھی ہیں جو شاہ عبد اللطیف کے پردادا[1] ہیں شاہ عبد اللطیف کے والد سید حبیب شاہ بہت ہی زاہد و عابد بزرگ تھے۔ صاحب وجد و حال تھے۔ ہمیشہ آپ پر استغراق کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ آپ پر استغراق میں اس درجہ محویت طاری رہتی تھی کہ کبھی آپ کے صاحبزادے شاہ عبد اللطیف آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور گفتگو کرتے تو آپ پوچھتے "تم کون ہو؟" وہ فرماتے کہ حضور کا غلام عبد اللطیف ہے، فرماتے کہ میں نہیں جانتا۔ مخدوم محمد صادق نقشبندی نے سید حبیب شاہ کی تاریخ وفات اس حدیث سے نکالی ہے۔ الموت جسر یوصل الحبیب الی لقاء الحبیب[2]۔

ولادت

شاہ عبد اللطیف کی ولادت باسعادت ہالاحویلی[3] جو پرگنہ ہالہ کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے سنہ ۱۶۸۹ء ۱۱۰۱ھ میں ہوئی۔ یہ اورنگ زیب عالمگیر کی حکومت کا زمانہ تھا۔

تعلیم

آپ نے کن مدارس میں تعلیم پائی اور کون سے اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب طے کیا اس سلسلے میں آپ کے تمام تذکرہ نگار خاموش ہیں۔ بلکہ مشہور تو یہ ہے کہ شاہ عبد اللطیف نے کسی سے تعلیم حاصل نہیں کی اور وہ اُمی تھے۔ لیکن ہماری رائے میں یہ قیاس صحیح نہیں۔ کیونکہ اُن کی شاعری اور کلام کے

---

[1] نذر لطیف مضمون شعلۂ نوا ص۹۷ مرتبہ نصر اللہ خان [2] تحفۃ الکرام جلد ۳ ص۱۲۳ [3] نذر لطیف ص۱۱ میں پیر احمد بشیر صاحب نے اپنے مضمون رومی پاکستان میں لکھا ہے کہ شاہ عبد اللطیف کی پیدائش کے وقت شاہ حبیب ہالاحویلی کے مقام پر آباد تھے۔ اس لحاظ سے آپ کی جائے پیدائش ہالاحویلی قرار پاتی ہے۔

کا مطالعہ کرنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے وقت کے بڑے عالم تھے۔ عربی، فارسی اور ہندی پر آپ کو بڑی قدرت تھی۔ قرآن مجید، حدیث، تصوف اور دوسرے علوم پر آپ کی گہری نظر تھی۔ قرآن و حدیث کے اعلیٰ مضامین کو اور تصوف کے معارف اور اصطلاحوں کو جس دلکش انداز میں آپ نے اپنی سندھی شاعری میں سمویا ہے یہ سب چیزیں آپ کے علم و فضل کی شاہد ہیں۔

آپ کے بچپن کا زمانہ اپنے والد سید حبیب شاہ کے ساتھ بالا حویلی ہی میں گزرا۔ لیکن جب آپ کے والد کوٹڑی چلے آئے تو آپ بھی اپنے والد کے ساتھ چند دن کوٹڑی میں رہے۔

ابتدا ہی سے علم و عرفان، سلوک و معرفت کا نور آپ کے چہرے سے ہویدا تھا آپ زمانۂ شعور ہی سے ذکر و فکر میں مصروف رہتے تھے، کہتے ہیں کہ کچھ دن آپ پر عشق مجازی کا بھی غلبہ رہا، اور اسی حیرانی میں آپ جوگیوں اور سنیاسیوں کے ساتھ صحرا نوردی کرتے رہے، آخر یہی عشق مجازی عشق حقیقی کا راہبر بنا اور ایک دم دل انوارِ الٰہی سے روشن ہو گیا، اور آپ صحرا نوردی چھوڑ کر ایک خاص مقام پر یادِ الٰہی میں مصروف ہو گئے۔

بھٹ میں قیام جس مقام کو حضرت شاہ عبد اللطیف نے اپنے قیام کے لئے پسند فرمایا، یہ مقام اب شاہ بھٹ کے نام سے مشہور ہے۔ بھٹ سندھی زبان میں ریت کے ٹیلے کو کہتے ہیں۔ شاہ کی برکات سے یہ ویرانہ مقام خوب آباد ہوا۔ جس وقت آپ بھٹ میں آباد ہوئے اُس وقت آپ کی عمر چھبیس سال کی تھی۔ اسی مقام پر بیٹھ کر آپ نے علم و عرفان کے چشمے جاری کئے اور رشد و ہدایت کی وہ شمع روشن کی جس کی روشنی سندھ سے نکل کر دور دور پھیلی۔

شاہ عبد اللطیف نے سترھویں اور اٹھارویں صدی کے بہت سے انقلابات

دیکھے تھے۔ اورنگ زیب نے جب وفات پائی تو اس وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی، یہ وہ زمانہ تھا کہ جب کہ سلطنت مغلیہ کے عروج کا آفتاب زوال پذیر ہو رہا تھا، اُن کے وطن میں خاندان کلھوڑا کی حکومت مرکزی حکومت کا جوا کندھے سے اُتار کر تیزی سے خود مختاری کی طرف قدم بڑھا رہی تھی۔ انھوں نے وہ وقت بھی دیکھا کہ جب سندھ کو نادر شاہ[1] نے لوٹا، اور کلھوڑا فرمانروا ایران کے باجگزار بنے۔ انھیں کے سامنے وہ وقت بھی آیا جب احمد شاہ ابدالی دندناتا ہوا دہلی آیا اور اس نے سندھ کو کابل کے ماتحت بنایا۔

یہی وہ زمانہ تھا جب ایک طرف سیاسی نظام متزلزل ہو رہا تھا تو دوسری طرف اخلاقی قدروں کی گرفت ڈھیلی پڑ رہی تھی۔ فکر و عمل و اخلاق و کردار کا قوام بگڑ چکا تھا۔ طبقاتی تفاوت نے غریبوں کے لئے زندگی کو ایک عذاب بنا دیا تھا۔ زندگی کی ساری راحتیں امیر اور دولت مند طبقے کے لیے تھیں، اور غریب بیچارے زمین کا بوجھ بنے ہوئے تھے۔ صوفیائے خام اور علمائے سوء رشد و ہدایت کے پردے میں گمراہیوں کو رواج دے رہے تھے۔ یہ تھا وہ ماحول جس نے شاہ عبداللطیف کے حساس دل کو بے حد متاثر کیا۔ انھوں نے وقت کی آواز کو پہچانا اور دکھی انسانیت کو محبت کا پیغام دیا۔ آپ کی ساری زندگی کی جد و جہد کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ انسانوں کے رشتے کو خدا سے جوڑا جائے، رسولِ اکرم کی محبت سے قلوب کو گرمایا جائے۔ بگڑی ہوئی زندگی کو حسنِ اخلاق اور پاکیزہ کردار سے آراستہ کیا جائے۔ ظلم کے خبیث درخت کو اُکھیڑ کر انسانیت کو محبت و خلوص سے آشنا کیا جائے۔

---

[1] نادر شاہ ۱۱۵۲ھ کے اواخر میں سندھ آیا اور ۱۱ محرم ۱۱۵۳ھ کو لاڑکانہ سے ایران روانہ ہوا اور ۱۱۶۰ھ میں قتل ہوا۔ (فٹ نوٹس مقالات الشعراء مرتبہ سید حسام الدین صاحب راشدی ص ۲۰۶-۲۰۸)

www.maktabah.org

بھٹ میں قیام فرمانے کے بعد تقریباً چالیس سال تک اس مقصد کے لئے شاہ عبداللطیف نے جو انتھک کوشش کی ہے، ان کی پوری شاعری اس پر گواہ ہے۔ انھوں نے اپنے پیغام کو عام بنانے کے لئے اپنی شاعری میں سندھ کی اُن رومانی داستانوں کو بنیاد بنایا ہے جنھیں سندھ کے لوگ بڑے ذوق وشوق سے سنتے تھے۔ انھیں کہانیوں کے پردے میں آپ نے عوام کے دکھوں اور غموں کی ترجمانی کی ہے، اور اُن میں زندگی کی ایک نئی اُمنگ اور ولولہ پیدا کیا ہے۔ خالق اور مخلوق کی محبت، اُن کی شاعری کا موضوع خاص ہے، اُن کی شاعری میں تصوّف اور شعریت کا ایک ایسا حسین امتزاج ہے کہ پڑھنے والا ان کے نغموں میں ایک روحانی کیف محسوس کرتا ہے۔

شاہ جو رسالو

شاہ کے مجموعۂ کلام کا نام "شاہ جو رسالو" ہے۔ جو سندھ کے چپے چپے میں نہایت عقیدت واخلاص کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ یہ کلام اُن کے مریدوں اور فقیروں نے جمع کیا تھا۔ اُن کے بعض مرید تو ایسے تھے کہ انھیں شاہ کا پورا کلام زبانی یاد تھا۔ ہاشم، تمر اور بلال کے متعلق تو مشہور ہے کہ شاہ کا کوئی شعر ایسا نہ تھا جو اُن کو زبانی یاد نہ ہو۔

"شاہ جو رسالو" کو سب سے پہلے ڈاکٹر ٹرمپ نے جرمنی سے طبع کرایا تھا۔ اب تک اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ پھر اس کا ایک ایڈیشن ڈاکٹر گربخشانی نے شائع کیا۔ یہ ایڈیشن سب سے زیادہ مقبول ہوا کیونکہ اس کی تصحیح میں ڈاکٹر صاحب نے بڑی محنت وتحقیق سے کام لیا ہے۔ اب سندھی ادبی بورڈ کی جانب سے سندھ کے فاضل ومحقق علامہ ڈاکٹر داؤد پوتہ "شاہ جو رسالو" پر تحقیقی کام کر رہے ہیں۔

غریبوں کی محبّت

شاہ عبداللطیف کو غریبوں سے بیحد محبت تھی۔ وہ اُن کے دکھ درد کو محسوس کرتے اور اپنی شاعری میں عوام اور غریبوں کی ترجمانی کرتے تھے۔

www.maktabah.org

مشہور ہے کہ ایک مرتبہ شاہ عبداللطیف شاہ بندر گئے اور کسی قریب کے گاؤں میں شتربانوں کے خیمے میں ٹھیرے ۔ شاہ عبداللطیف جہاں ٹھیرے ہوئے تھے کچھ اُونٹ چیختے، چلاتے اور بلبلاتے ہوئے آئے ۔ آپ نے اونٹ والوں سے اسکی وجہ پوچھی ۔ انھوں نے بتایا کہ ڈیرے نامی گاؤں کا حاکم جو بہت بڑا ظالم انسان ہے اس گاؤں میں جو غریب اُونٹ والے بھولے سے آنکلتے ہیں یہ ان اونٹوں کی ٹانگوں اور دُموں میں کپڑے کے گولے بنوا کر اُن گولوں میں آگ لگوا دیتا ہے ۔ جب وہ جلنے کی تکلیف سے بلبلاتے ہیں تو یہ بہت خوش ہوتا ہے ۔ اس وقت بھی یہ اُونٹ اسی تکلیف سے بلبلا رہے ہیں ۔ شاہ عبداللطیف کو یہ بات سُن کر بہت دکھ ہوا اور اُونٹوں کو دیکھ کر بڑا رحم آیا ۔ آپ نے اسی وقت سندھی میں ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا کہ :-

یہ محل غارت ہوں ، شتربانوں کے خیمے آباد رہیں
میں اُونٹنیوں کے دُودھ کو کبھی نہیں بھول سکتا
شتربان ہمیشہ آباد رہیں ، اور اُن کو ستانے والے
دُودھ کو ترسیں

پھر شاہ نے اُن اونٹ والوں سے کہا ، جاؤ میرے بیٹو ! کچھ دن نہیں گذرتے کہ کہر قوم کے محل ویران ہو کر اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ بنیں گے ۔ کہتے ہیں کہ کچھ دن بھی نہیں گذرے تھے کہ یہ گاؤں ویران ہو کر اُونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ بنا[۱]۔

وطن کی محبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حب الوطنی کو ایمان کی نشانی قرار دیا ہے ۔ شاہ عبداللطیف کو اپنے وطن (سندھ) سے غیر معمولی محبت تھی ۔ انھوں نے شاہ جو رسالو میں جا بجا اپنے وطن کے لئے

---

[۱] نذر لطیف صفحہ ۱۶۵ مضمون بعنوان " شاہ پر تحقیق " مرتبہ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ پروفیسر سندھ یونیورسٹی

خیر و برکت کی دعا کی ہے۔ ایک دوہے میں فرماتے ہیں۔

میری خواہش ہے کہ اپنے وطن کو دیکھتے دیکھتے جان دوں
میرے جسم کو قید نہ کرنا
پردیسن کو اس کے محبوب سے جُدا نہ کرنا

* میرا جی چاہتا ہے کہ اپنے وطن تھر کی ٹھنڈی مٹی اپنے سر پر ڈال لوں۔
اگر میں پردیس میں مرجاؤں تو میری لاش کو ملیر میں دفن کرنا

شاہ کی حب الوطنی کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ انھوں نے اس زمانے میں جب کہ سندھ میں فارسی شاعری کا چرچا تھا اور اس دور کے سندھی شعراء فارسی میں شعر کہنا اپنا طرۂ امتیاز سمجھتے تھے۔ فارسی زبان کو ایک سرکاری حیثیت حاصل تھی اور فارسی شاعری ہی سے اس زمانے کے اُمراء اور اہلِ کمال کی مجلسیں گونجتی تھیں عین اس زمانے میں جب کہ سندھ میں فارسی شاعری کی مقبولیت کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ شاہ نے زمانے کی رَو سے ہٹ کر سندھی زبان کو اپنی شاعری کا ذریعہ بنایا۔ اور اپنی بے مثل شاعری سے سندھی زبان کو مالا مال کر دیا۔ اس لحاظ سے شاہ عبداللطیف سندھی زبان کے سب سے بڑے محسن ہیں۔

شاعری

شاہ کی شاعری پر اُن کے تبصرہ نگار کے لئے ضروری ہے کہ وہ سندھی زبان، سندھ کی قدیم تہذیب اور تصوف کے حقائق و معارف پر وسیع نظر رکھتا ہو۔ ان عناصر کے بغیر اُن کے شعر کی اعماقِ روح تک پہنچنا تقریباً ناممکن ہے۔ لیکن اس وقت تک اُن کے کلام کا جو حصّہ اُردو میں منتقل ہو چکا ہے ہم اُس میں سے چند دُوہے نمونتاً یہاں نقل کرتے ہیں جو اُن کے شاعرانہ کمالات کے مظہر ہیں اور جن میں ان کی فکرِ رسا نے تصوف کے نہایت باریک نکات کو بیحد حُسن اور دلکشی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ایک جگہ خود ہی اُنھوں نے اپنے کلام کے

www.maktabah.org

مقصد اور مطمحِ نظر کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے۔

اس کلام کو معمولی اشعار نہ سمجھو، یہ آیاتِ ربانی ہیں
یہ آیات پڑھنے والوں کو محبوبِ حقیقی کی طرف لے جاتی ہیں

ایک جگہ وہ اپنے محبوب کے استغنا اور شانِ جمال کو بیان کرتے ہوئے، جو دلکش اندازِ بیان اختیار کرتے ہیں۔ شاید ہی اس کی مثال ہمیں کسی دوسری زبان کی شاعری میں مل سکے۔ فرماتے ہیں۔

جب میرا محبوب اپنی شانِ جمال کے ساتھ خراماں ہوتا ہے تو
زمین بھی بسم اللہ پکار اٹھتی ہے۔
دیکھو جہاں جہاں اس کے قدم گزرے وہاں راہ بھی بوسہ زن ہے
حوریں ایک طرف ادب سے کھڑی ہیں
میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرے محبوب کا چہرہ سب سے زیادہ حسین ہے۔

عاشق کے کردار کی بلندی، محبوب کے دیئے ہوئے درد کی لذت، اہلِ درد سے الفت، ان کیفیات کو شاہ نے جس نفاست و دلکشی کے ساتھ ادا کیا ہے وہ آپ اپنی مثال ہیں۔ فرماتے ہیں۔

کسی نے پوچھا تمھارا محبوب کبھی تم سے بات کرتا ہے
"نہیں"
"پھر وہ محبوب کیسا"
محبوب کا سکوت ہی میرے لئے سلام ہے

میری آنکھوں نے مجھ پر احسان کیا کہ میرے گھر کے سامنے سے ہزاروں
انسان گزرتے ہیں لیکن وہ کسی کو نہیں دیکھتیں

میری آنکھیں اگر محبوب کے سوا کسی اور کو دیکھیں تو اسے کاگا اُن کو نکال کر گڑھے میں ڈال دے

میرے دل میں درد اُٹھا کر چلے گئے، اور مجھے یہ درد اس لئے پیارا ہے کہ وہ محبوب کا دیا ہوا ہے اس لئے مجھے طبیبوں کی آواز بھی بُری لگتی ہے مجھے طبیبوں کے پاس بیٹھنا بھی گوارا نہیں، اس لئے کہ میرا سب سے بڑا دوست تو محبوب کا دیا ہوا درد ہے

اُن کا دیا ہوا زخم سدا مجھ سے یہ کہتا رہتا ہے کہ طبیب کے پاس مت جا ورنہ میں اچھا ہو جاؤں گا

آؤ چلیں ایک رات اُن کے پاس گزاریں، جن کے جسم درد سے چاک ہیں لیکن جب لوگ آتے ہیں تو اُن سے اپنا درد چھپاتے ہیں

حسن کی معصومیت، اُس کی توصیف کے نغمے شاہ نے جس انداز سے گائے ہیں، اس انداز فکر تک دوسروں کی رسائی نہیں۔ فرماتے ہیں۔

میرے محبوب کی پیشانی سے نیکیوں کے انوار ہویدا ہیں، یہی وجہ تو ہے کہ وہ مجھ جیسے بد اطوار کے پاس آنے سے گریز نہیں کرتا، اسی لئے تو میں دوستوں سے کہتا ہوں کہ سورج و چاند میرے محبوب کا مقابلہ نہیں کر سکتے، اُن میں حسن تو ہے، نیکی نہیں

---

www.mahbubh.org

میرا محبوب مجسم بھلائی ہے، وہ یہ بالکل فراموش کر چکا ہے کہ وہ سرتاپا نیکی ہے، اس کی نیکی اور معصومیت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ میرے پاس آیا تھا، لیکن اُس نے مجھ سے میرے عیبوں اور میری کوتاہیوں کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

اے چاند! تو میرے محبوب کا مقابلہ کرتا ہے، میں تجھے للکارتا ہوں۔ تو چودھویں رات کا جو سنگھار چاہے کر، ساری کائنات کا حُسن اکٹھا کر لے، لیکن میرے محبوب کے ایک جلوے کی بھی برابری نہیں کر سکتا۔

تم اور تمھارے جیسے ایک سو سورج بھی نکل آئیں، پھر بھی محبوب کے بغیر میرے لئے اندھیرا رہے گا، جاؤ نیچے اُتر جاؤ۔ تمھاری روشنی میں محبوب نہیں رہنا چاہتا۔

شاہ کی شاعری کا اصل موضوع وحدت الوجود ہے۔ انھوں نے اٹھارویں صدی ہی میں اس نظریہ کی اشاعت میں نہایت اعتدال اور احتیاط کے ساتھ حصّہ لیا ہے۔ وہ اپنے کلام میں جا بجا نئے ڈھنگ سے اس نظریہ کو بڑے دلآویز طریقے پر پیش کرتے ہیں مگر احتیاط کے دامن کو کہیں ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

جنگل اور صحرا میں تو کیوں جاتا ہے، کیوں اپنے محبوب کو اِدھر اُدھر ڈھونڈتا ہے؟ اے لطیف! محبوب حقیقی کسی دوسری

www.urdukitabkhanah.org

جگہ نہیں چھپا ہے، آنکھوں کو نیچے کر کے دیکھ، تیرے اندر ہی دوست کا مسکن ہے۔

معرفتِ حقیقی حاصل کرنے کے لئے بہت سے راستے ہیں، کوئی بھی راہ اس کا مشاہدہ کرا سکتی ہے، ایک قصر ہے جس کے لاکھوں دروازے اور ہزاروں کھڑکیاں ہیں، جس طرف نظر پھیرتا ہوں، ادھر خدا کا جلوہ ہے۔

حب الوطنی شاہ کی شاعری کا موضوعِ خاص ہے، وہ نت نئے طریقوں پر اپنے اہلِ وطن کے قلوب میں محبت وطن کے چراغ روشن کرنا چاہتے ہیں، ماروی کے پردے میں وہ اپنے ہم وطنوں کو حب الوطنی کا درس دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اگر میں پردیس میں مر جاؤں تو میری مٹی ہیاباڑی میں بسے ہوئے
غریب رشتے داروں کے ساتھ ملانا اور میری میت کو آبائی
وطن کی باڑوں سے دھواں دینا۔

وہ اپنے وطن کی بے عمل اور جامد زندگی کو دیکھ کر بے چین ہو جاتے ہیں، اور اس جمود کے طلسم کو توڑنے کے لئے وہ سندھی معاشرے کی ایک قدیم رسم کو تمثیل بنا کر عمل اور حسنِ عمل کی عجیب دلکش انداز میں دعوت دیتے ہیں۔

تمہیں کاتنے سے ذرا دلچسپی نہیں، سوتی ہوئی کروٹیں بدل
رہی ہو۔ یکایک عید آئے گی، لوگ نئے کپڑوں سے محروم
رہیں گے، خود تمہارے پاس بھی کپڑے نہیں ہوں گے، جب
تمہاری سہیلیاں تمہیں باہر لے جانے کو آئیں گی۔

www.maktabah.org

گرمی سردی میں چلتے رہو، بیٹھنے کا وقت نہیں، کہیں ایسا نہ ہو
کہ اندھیرا ہو جائے، اور محبوب کے قدموں کا شرف حاصل
نہ ہو سکے۔

بارش کی پہلی بوند پڑنے پر اہلِ سندھ کی زندگی میں جو ولولے اور اُمنگیں پیدا ہوتی ہیں ان کی عکاسی شاہ کے قلم نے جس اچھوتے اور انوکھے انداز میں کی ہے وہ سندھی ادب کا بہترین شاہکار ہے۔ فرماتے ہیں۔

دیکھو لطیف! گھنے بادل نیچے اُتر رہے ہیں، اور پانی کی بڑی
بڑی بوندیں پڑنے لگیں، اپنے بیلوں کو باہر نکالو اور میدانوں
کا رُخ کرو ـــــ یہ وقت مایوس بیٹھنے اور سستی کرنے کا نہیں۔
وہ دیکھو پھوار پڑنے لگی۔

کل رات پدم جھیل پر بارش کے دیوتا نے گھڑے کے گھڑے
اُنڈیل دیئے لیکن وہ جن کے شوہر پردیس میں ہیں، ان بادلوں کو
دیکھ کر غمگین ہیں۔

وہ موسم آگیا جب لوگ خوش ہو کر باتیں کرتے ہیں، اور موسیقی
کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ کسان اپنے ہل درست کر رہے ہیں۔
گلہ بان خوش ہیں، اور میرے محبوب نے بارش کی خوشی میں
اچھے سے اچھے کپڑے پہنے ہیں۔

جو لوگ قحط کے سہارے پر جیتے ہیں، اور جو لوگ کنجوس ہیں،

اُن سے کہو کہ چلے جائیں، گاؤں کے گلّے بارش کی خبر لا رہے ہیں
تیری رحمت کو اپنے قریب محسوس کر رہے ہیں۔

ساون کی رات آئی، قہقہے اور چہچہے بلند ہوتے ہیں
کوئل کی تیکھی تیکھی کوک، فضا کو چیرتی ہے
ہاریوں نے ہل جوت لیے، گوپیئے خوش ہیں
برکھا کی رات آگئی، خوشی کے چہچہے اور میٹھے زمزمے بلند ہوئے
مٹکے مکھن سے بھرپور ہو گئے۔

ایک جگہ وہ راہ محبت کے راہیوں کو عشق کی راہ کی کٹھنائیوں سے واقف کراتے ہوئے، نہایت ہی شیریں الفاظ میں دعوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

دار اور سولی پر چڑھنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ میرے ساتھ
اگر کسی کو چلنا ہے تو چلے، دار پر جانا تو اُن لوگوں کا کام ہے جو
محبت کا نام لیتے ہیں، سولی عاشقوں کو اپنی طرف بُلا رہی ہے
اگر تم عشق و محبت کے طالب ہو تو پیچھے مت ہٹو، پہلے سر تن سے
الگ رکھو، پھر محبت کا نام لو۔ سولی اور دار تو درحقیقت عشاق
کے لیے باعث زیب و زینت اور ہار ہے۔ ہچکچانا یا پیچھے ہٹنا
تو اُن کے لئے ایک عتاب ہے۔ وہ تو برملا دار پر آتے ہیں۔
محبت کی راہ کی رسم میں قربان ہونا اور سر کا تن سے جُدا ہونا عاشقوں
کا (ادنیٰ کرشمہ) اور ان کی زندگی کا جزو لاینفک ہے[1]۔

---

[1] یہ تمام اشعار نذر لطیف شائع کردہ محکمۂ اطلاعات سندھ کے مختلف مضامین سے ماخوذ ہیں۔

www.maktabah.org

مخالفین سے حسنِ سلوک حلم وعفو کی درویشانہ صفت آپ میں بدرجۂ کمال موجود تھی، خدا کی مخلوق سے عناد رکھنے کو آپ خلافِ طریقت سمجھتے تھے۔

مرزا مغل بیگ ارغون کی لڑکی آپ سے منسوب تھی۔ لیکن مرزا مغل بیگ کسی وجہ سے آپ سے انتہائی بغض وعداوت رکھتا تھا۔ جب اس کا انتقال ہوا تو آپ کے کسی مرید نے آپ کے سامنے اُس کی یہ تاریخ وفات کہی۔

بود خبیث
۵ ۱ ۲ ۲ ۴ ۴

آپ نے سنا تو فرمایا کہ ایسا مت کہو، بلکہ کہو۔

یک مغل بہ بود[1]
۲۰ ۱۲ ۲ ۴ ۴

وفات حضرت شاہ عبد اللطیف تریسٹھ سال کی عمر میں ~~۱۱۶۵ھ~~ ۱۷۵۲ء میں بھٹ میں واصل الی اللہ ہوئے اور وہیں مدفون ہوئے۔ تاریخِ وفات ان دو مصرعوں سے نکلتی ہے ؎

(۱) گردیدہ محوِ عشق وجودِ لطیف میر (۱۱۶۵ھ)

(۲) شد محو درمراقبہ جسمِ لطیف پاک (۱۱۶۵ھ)

صاحبِ مقالات الشعراء کا بیان ہے کہ جس روز آپ کا انتقال ہوا آپ کے بعض مرید اس صدمۂ جانکاہ کو برداشت نہ کر سکے اور جان دے دی۔[2]

آپ کا روضۂ مبارک کلہوڑا خاندان کے چوتھے بادشاہ میاں غلام شاہ نے سنہ ۱۷۵۴ء میں تعمیر کرایا اور راجہ جیسلمیر نے نوبت نذر کی۔[3]

---

[1] مقالات الشعراء مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ۔ ص ۴۲۹

[2] مقالات الشعراء ص ۴۲۸

[3] مقالات الشعراء ص ۴۲۸

www.maktabah.org

آپ کا عرس ہر سال صفر کے مہینے میں بڑی دھوم سے منایا جاتا ہے۔

فضائل صاحب مقالات الشعراء نے آپ کے محامد و فضائل کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے۔

سید عبداللطیف المعروف "بتارک" از نبایر کرام میر سید عبدالکریم صاحب بلڑی۔ خامۂ خامکار را چہ یارا کہ شمارِ کرامات و خوارق عادات آں قطب زمانہ برروی صفحۂ روزگار مثبت نماید جناب لطیف شان ہماناں دریں زمانہ آخریں دررتبۂ ولایت عدیلی نداشتہ۔ چوں از آثارِ کراماتِ او و اوصافِ خوارق وی جہان مطلع، وہم یکی از ہزاراں احوالاتِ وی کتابی علیحدہ خواہد از طولِ کلام اختصار کردہ آمد[1]۔

آنجناب اگرچہ اُمّی بودند، اما علم عالم بتمام بر لوحِ محفوظ دلِ شان مثبت بودہ۔ الحق ایں بیت قابلِ لائق شانِ شان است لمؤلفہ:

چو طفلِ غنچہ نادیدہ دبستان[2]
برسی پارۂ اسرار رحمٰن

---

[1] مقالات الشعراء مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ صہ ۴۲۸
[2] مقالات الشعراء صہ ۴۲۹

www.maktabah.org

(۳۴)

شاہ فقیر اللہ علوی

نام و نسب آپ کا اسم گرامی شاہ فقیر اللہ، آپ کے والد محترم کا نام نامی شاہ عبدالرحمن اور آپ کے دادا کا نام شمس الدین تھا۔

شاہ فقیر اللہ کی ولادت باسعادت گیارہویں صدی کے بالکل اوائل میں "رہتاس" میں ہوئی۔ آپ کا وطن حصارک وجلال آباد (افغانستان) ہے۔

تعلیم علومِ ظاہریہ کی تکمیل آپ نے افغانستان اور ہندوستان کے مختلف علاقوں میں کی، اور اپنے تبحرِ علمی کی بدولت آپ کا شمار اس دور کے ممتاز ترین علماء اور فضلاء میں ہوتا ہے۔

بیعت علومِ ظاہریہ کی تکمیل کے بعد شاہ فقیر اللہ علوی ایک طویل عرصہ تک مختلف ممالک کا سفر کرتے رہے اور زیارتِ حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔ اسی زمانے میں آپ نے سلسلۂ نقشبندیہ میں حضرت شیخ محمد مسعود دائم کے دستِ حق پرست پر بیعت کی جو اپنے زمانے کے اکابر اولیاء میں تھے، آپ کا سلسلۂ طریقت یہ ہے۔

شاہ فقیر اللہ علوی۔ شیخ محمد مسعود دائم۔ شیخ محمد سعید لاہوری۔
شیخ آدم بنوری۔ حضرت مجدد سرہندی فاروقی نقشبندی۔

سلسلۂ نقشبندیہ کے علاوہ طریقۂ قادریہ میں بھی آپ نے اجازت حاصل کی۔

قندھار میں قیام شاہ فقیر اللہ علوی ایک طویل عرصہ تک قندھار میں مقیم رہے

قندھار میں آپ نے تعلیم بھی پائی اور خود بھی تعلیم دی۔ قندھار میں اب تک ایک مسجد آپ کے نام سے موسوم ہے۔

شکارپور میں قیام

مختلف ممالک کی سیاحت کے بعد، آپ سنہ ۱۱۵۰ھ میں شکارپور (سندھ) میں تشریف لائے۔ سندھ کی سرزمین آپ کو کچھ اس طرح پسند آئی کہ شکارپور ہی کو آپ نے اپنا وطن بنایا اور یہاں ایک خانقاہ کی بنیاد رکھی جو آپ کے بعد نقشبندیہ کا سلسلہ ایک بڑا روحانی مرکز بنی۔

رشد و ہدایت

شاہ فقیر اللہ کی ذات گرامی علم و فضل، زہد و ورع، عرفان و تصوف کا وہ سرچشمہ تھی کہ سندھ، پشاور، لاہور، ہرات و قندھار سے لوگ آپ کی خدمت میں کھنچ کھنچ کر آتے، اخلاق کی تعلیم حاصل کرتے اور عرفان کے نور سے منور ہو کر جاتے تھے۔

شاہانِ وقت کی عقیدت

شاہانِ وقت آپ کے یہاں حاضری کو اپنے لئے سرمایۂ سعادت سمجھتے تھے۔ اس زمانے میں افغانستان میں احمد شاہ ابدالی برسرِ اقتدار تھا، قلات میں نصیر خان بلوچ کی حکمرانی تھی، سندھ میں میاں سرفراز خان کلہوڑا مسند آرائے سلطنت تھا اور مکران میں محبت خان بلوچ کی حکومت تھی۔ یہ چاروں کے چاروں فرمانروا آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کی بارگاہ کی آستاں بوسی کو اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتے تھے اور آپ اُن کی ذہنی اور فکری تربیت فرماتے۔

آپ کے مکتوبات کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے کئی خطوط احمد شاہ ابدالی کے نام لکھے ہیں، جن میں اُس کو حُسنِ خلق، خدا ترسی، اعلائے کلمۃ الحق اور صبر کی نصیحتیں فرمائی ہیں۔ احمد شاہ ابدالی کے وزیرِ اعظم شاہ ولی خان اور ابدالی کے ولیعہد شہزادہ سلیمان کے نام بھی کئی خط ملتے ہیں، جن میں آپ نے ان دونوں کو

متعدد نصائح اور اخلاقی درس دیئے ہیں۔

اسی طرح ہمیں آپ کے مکاتیب میں نصیر خان والیٔ قلات، محمد سرفراز خان کلھوڑا والیٔ سندھ اور محمد خان بلوچ والیٔ مکران کے نام بھی آپ کے خطوط ملتے ہیں جس میں آپ نے ان کو حق شناسی، مردم پروری، عرفان اور نکوکاری کی تلقین فرمائی ہے اور بعض عرفان و تصوف کے مسائل کو نہایت واضح اور دلکش انداز میں پیش فرمایا ہے۔

علمائے عصر سے تعلقات

آپ اپنے معاصر علماء کی بے حد عزت و توقیر فرماتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ہند و افغانستان کے بہت سے علماء شاہ صاحب سے غیر معمولی محبت و عقیدت رکھتے تھے، اور ان بزرگوں میں آپس میں خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ جن علماء و اکابر سے آپ کی خط و کتابت اور تعلقات تھے، ہم اُن میں سے چند کے نام یہاں لکھتے ہیں۔

(۱) ملا فیض اللہ کاکر قندھاری۔

(۲) ملا عبدالحکیم کاکر جو ناناجی کے نام سے مشہور تھے، اور قندھار کے مشہور پیردل میں تھے۔

(۳) ملا عبداللہ کاکر۔

(۴) ملا عبداللہ خرقہ پوش قندھاری۔

(۵) ملا صاحب داد۔

(۶) محمد وارث پشاوری۔

(۷) ملا صلاح بنی کوٹی۔

(۸) حاجی مولاداد قندھاری۔

(۹) ملا رحیم داد سنجر خیل ژوب۔

www.maktabah.org

شاہ صاحب نے ملا رحیم داد کو قبائل کاکری ژوب میں الحاد کی تردید اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیے مقرر فرمایا۔ انھیں ملا رحیم داد کی خواہش پر محمد بن محمد الجامی الماسی نے ملاحدہ کے رد میں ایک رسالہ لکھا تھا، جس کا ایک قلمی نسخہ علامہ محمد شفیع لاہوری کے کتب خانے میں موجود ہے۔ ملا رحیم داد اور محمد بن محمد جامی، شاہ فقیر اللہ کے تبلیغی داعیوں میں خاص امتیاز رکھتے تھے۔

سندھ کے علماء اور صوفیاء میں جن بزرگوں کو شاہ صاحب سے ربط خاص تھا اور جن سے شاہ صاحب کی مراسلت رہتی تھی، ان میں مخدوم ملا معین ٹھٹھوی، مولانا مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی، سید مرتضائی سیوستانی، شکر اللہ ٹھٹھوی، میاں عبدالرؤف ہالہ کندی، سید محمد فاروق لکھوی، محمد میاں عبداللہ لاہوری، محمد صلاح ہالہ کندی۔ تاج محمد خوشنویس ٹھٹھوی، محمد میر داد قاری عرب، قبول محمد، حاجی اسماعیل اور پیر سید محمد راشد ابن سید محمد بقا مشہور ہیں۔

کتب خانہ شکارپور کے دوران قیام میں شاہ فقیر اللہ علوی نے ایک عظیم الشان کتب خانے کی بنیاد رکھی، جس میں متعدد نادر اور نایاب کتابیں تھیں لیکن افسوس ہے، کہ آپ کے بعد پچاس سال ہی میں اخلاف نے اسلاف کی اس گنج گراں مایہ کو تلف کر دیا، جو خدا ہی جانتا ہے کہ کس محنت سے جمع کیا گیا تھا، اب بھی اس کتب خانے کے بعض قلمی نسخے کہیں کہیں نظر آتے ہیں، جامع ترمذی کا ایک قلمی نسخہ جو حرم کعبہ میں بیٹھ کر لکھا گیا تھا اور جس پر متعدد علماء کے اسناد قرارت و اجازت ثبت ہیں اور شاہ فقیر اللہ علوی نے بھی اپنے قلم سے اس پر چند سطریں تحریر فرما کر اپنی مُہر ثبت کی ہے۔ یہ بیش بہا نسخہ سید حسام الدین صاحب راشدی کے کتب خانے میں موجود ہے۔

تصانیف شاہ فقیر اللہ علوی نے تصانیف کا ایک بیش بہا ذخیرہ چھوڑا جن کی

www.maktabah.org

تعداد ۱۷ ہے، ان کی تصانیف کے نام یہ ہیں۔

(۱) "فتح العجیل فی المدارج التکمیل" یہ کتاب تصوف اور سلوک میں عربی میں ہے۔

(۲) "براھین النجات من مصائب الدنیا والعرصات"

(۳) "فیوضات الٰہیہ"

(۴) "طریق الارشاد فی تکمیل المومنین والاولاد"

(۵) "منتخب الاصول" (یہ تصنیف اصولِ فقہ پر ہے)

(۶) "وثیقۃ الاکابر" (یہ کتاب عربی میں اسناد علم حدیث پر ہے) جو سنہ ۱۱۶۰ھ کی تالیف ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری میں موجود ہے، جس کا نمبر (۳۷۵) ہے۔ اور ایک قلمی نسخہ حافظ خان محمد صاحب کاکڑ کے پاس کوئٹہ میں موجود ہے۔)

(۷) "قطب الارشاد" بامدارج عالیہ در تصوف واسرار حروف واسمار واخلاق، یہ کتاب قاہرہ سے طبع ہو چکی ہے اور اس کا ایک قلمی نسخہ پشاور لائبریری میں بھی موجود ہے، جس کا نمبر (۹۶۹) ہے۔

(۸) "فتوحات الغیبیہ فی شرح عقاید الصوفیہ" (یہ کتاب عربی میں ہے اور کافی ضخیم ہے، اس کتاب کا موضوع فلسفہ وتصوف واخلاق اہلِ طریقہ اور صوفیا کے عقاید کی توضیح وشرح ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ محب محترم سید حسام الدین راشدی کے کتب خانے میں موجود ہے، اور اس نسخہ کو بجا طور پر تصوف کی انسائیکلو پیڈیا کہا جا سکتا ہے۔

(۹) "جواھر الاوراد" (یہ کتاب عربی میں ہے)

(۱۰) "قصیدۂ صبر ورۂ" (یہ وہ قصیدہ ہے جو ۱۲/ جمادی الاول سنہ ۱۱۶۲ھ

میں شاہ صاحب نے روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے بیٹھ کر عربی میں نظم کیا تھا۔

(۱۱) "کتاب الازھار فی ثبوت الاثار" (یہ کتاب عربی میں ہے)

(۱۲) "فوائد فقیر اللہ" (یہ کتاب طب اور وظائف پر پشتو میں ہے)

(۱۳) "شرح قصیدۃ بانت السعاد" (اس کی ضخامت تقریباً ۸۵ صفحات ہے اور فارسی میں ہے۔)

(۱۴) "ملفوظات" (یہ کتاب ۳۳۲ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کا ایک نسخہ حافظ خان محمد صاحب کے پاس کوئٹہ میں موجود ہے۔)

(۱۵) "مکتوبات شاہ فقیر اللہ علوی" (یہ مکاتیب ۳۹۰ صفحات پر مشتمل ہیں جو آپ نے اس وقت کے جلیل القدر علماء، سیاسی مفکرین اور فرمانروایان وقت کے نام لکھے تھے۔ یہ خطوط تصوف و عرفان، اخلاق و فقہ اور اسرار اسمائے الٰہی کے باریک نکات پر مشتمل ہیں۔ ان مکاتیب کے مطالعہ سے شاہ فقیر اللہ کی علمیت، تبحر اور روحانی افکار و خیالات، اور آپ کی تبلیغی اور اصلاحی سرگرمیوں کا پورا نقشہ ہماری آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتا ہے، اور روحانی تعلیم و تربیت اور صحت فکر کے لئے جو آپ نے سعی فرمائی ہے اس کا علم ان ہی مکتوبات سے ہوتا ہے اور ہمارے سامنے شاہ صاحب کی زندگی کے علمی اور عملی پہلو اس طرح آتے ہیں کہ وہ آپ کی شخصیت کی صحیح عکاسی کرتے ہیں۔ یہ خطوط عربی و فارسی میں ہیں۔ ان خطوط کو شاہ فقیر اللہ علوی کے ایک ممتاز شاگرد محمد فاضل نے جمع کیا تھا، جن کو آپ نے ان خطوط کے جمع کرنے پر مامور فرمایا تھا، آخر کتاب میں چند مکتوب آپ کے مرشد حضرت محمد مسعود پشاوری کے بھی ہیں جو انھوں نے شاہ فقیر اللہ کے نام تحریر فرمائے تھے۔ مکاتیب کا یہ مجموعہ لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔

(۱۶) "ملفوظات و عملیات" اس کتاب کا بھی ایک نسخہ حافظ خان محمد صاحب

www.maktabah.org

کے پاس موجود ہے۔

(۱۱) "شرح ابیات مشکل مثنوی" (یہ نسخہ ۶۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور اس کا ایک قلمی نسخہ کابل میں پایا گیا۔

شاعری

حضرت شاہ فقیراللہ علوی کو شعر و سخن سے بھی دلچسپی تھی، آپ فارسی، عربی اور پشتو میں شعر کہتے تھے، فارسی میں آپ کا تخلص "فقیر" تھا۔ ایک غزل ملاحظہ ہو۔

مصدرِ فیضے کہ عالم را تر و تازہ نمود
فی الحقیقت ہست چوں مرآت در جسمِ شہود
خاکی از زیبا رُخ سلمیٰ است اگر بنگری
قلبِ دانا را ازیں رہ بیں درِ معنی کشود
مے پرست ار مے نیابد شاد نمی گردد درست
یادِ جامِ مے بیکسر عقل صوفی در ربُود
سرمۂ چشمِ عزیزاں است خاکِ میکدہ
یادری بخت فیروز است کو ایں کردہ سود
لب اگر تر سازد آں رندِ خراباتی بے
جامہ و جاں را نثار جامِ مے خواہد نمود
مست با عقل آنچناں گردد کہ در روزِ جزا
چوں رُخِ دلبر نباشد دیگرش گفت و شنود
درد می یابد شفا از صدقِ دل گر مے خورد
درد مندے گرچہ در امراض بس مرہون بود

www.maktabah.org



علم فقیہ و حکیم، فقر مسیح و کلیم
علم ہے جویائے راہ، فقر ہے دانائے راہ

مقبرہ شاہ فقیر اللہ علوی

واقع شکارپور، سندھ

(بشکریہ سندھی ادبی بورڈ)

www.makhzan.org

www.maktabah.org

رو بمختار آورد آں کو کہ از روزِ ازل
از نقوشِ این و آں لوحِ دلِ او سادہ بود

وفات ۲۳ر صفر ۱۱۹۵ھ کو حضرت شاہ فقیر اللہ علوی واصل الی اللہ ہوئے۔ آپ کا مزار شکارپور (سندھ) میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔[1]

---

[1] شاہ فقیر اللہ علوی کے حالات محترمی آقائے حبیبی کے شکریہ کے ساتھ اُن کے اس مضمون سے ماخوذ ہیں جو رسالہ سروش (فارسی) شمارہ ۲۱ جلد دوم ۱۵ر مارچ ۱۹۵۸ء کو بعنوان شاہ فقیر اللہ جلال آبادی کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔

www.maktabah.org

(۳۵)

درویش قطب

ارادت

درویش قطب مخدوم نوح کے مرید تھے، اور کاہرہ بیلہ کے رہنے والے تھے[1]۔ اور عجیب و غریب کیفیات و حالات رکھتے تھے۔

بوبک میں تشریف آوری

ایک مرتبہ قصبۂ بوبک میں تشریف لائے۔ ایک طالب علم نے ان سے پوچھا کہ آپ کس کے مرید ہیں، فرمایا خدا کا۔ لوگوں کو یہ جواب سن کر بہت غصہ آیا اور وہ ان کو پکڑ کر مخدوم جعفر[2] کے پاس لے جانے لگے تاکہ وہ ان کو سزا دیں۔ جب لوگ انہیں پکڑ رہے تھے تو انھوں نے کہا کہ میں نے غلط کہا بلکہ خدا میرا مرید ہے، لوگوں کو اور بھی غصہ آیا۔ لوگ انھیں پکڑ کر مخدوم جعفر کے پاس لے گئے۔ مخدوم جعفر نے ان سے پوچھا کہ تم یہ کیا کہتے ہو کہ خدا میرا مرید ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہاں خدا میرا مرید ہے، اس لئے کہ وہ جو کچھ ہمارے حق میں ارادہ کرتا ہے، لامحالہ اس کا ظہور ہوتا ہے، ہمارے پیدا کرنے میں پہلے اللہ کا ارادہ تھا، اور ہمیں اس کے ارادے

---

[1] وطن کی صراحت دلیل الذاکرین ص۲۶ سے لی گئی ہے۔

[2] مخدوم جعفر کے والد کا نام مخدوم میداں تھا، مخدوم جعفر جامع کمالات بزرگ اور مخدوم نوح بھکری کے ہمعصر تھے۔ کمال اور فضیلت کے اعتبار سے ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ اُن کی تصانیف میں "عجالۃ الراغبین" مشہور ہے۔ مخدوم جعفر کے دو صاحبزادے تھے مخدوم عبدالغنی اور مخدوم نورالدین، دونوں صاحبزادے صاحب علم و فضل تھے۔ مخدوم عبدالغنی نے میاں محمد مرادیاب خان کلہوڑا کے عہد حکومت میں وفات پائی اور مخدوم نورالدین میاں غلام شاہ کلہوڑا کے عہد حکومت میں واصل الی اللہ ہوئے۔ تحفۃ الکرام جلد ۳ ص۱۹۲

www.maktabah.org

میں مطلقاً دخل نہیں۔ جو کچھ کرتا ہے، وہ کرتا ہے، اور یوں تو بظاہر میں مخدوم نوح کا مرید ہوں۔

ایک روز کسی شخص نے اُن سے کہا کہ بظاہر تم میں کوئی قابلیت نظر نہیں آتی، لیکن تم کہتے ہو کہ خدا تم سے دوستی رکھتا ہے؟ فرمایا کیا تم نے نہیں سنا کہ ایک بادشاہ جو ہزاروں صاحب جمال و خوبصورت کنیزوں کا مالک تھا، اُس نے ایک خاکروب عورت کو دیکھا اور اُس پر عاشق ہو گیا۔ آخر اس کی محبت کی آنکھ نے کوئی خوبی تو اُس میں دیکھی ہو گی۔

وطن و مدفن

ان کے وطن اور مدفن کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا، لیکن سندھ کے صوفیاء کے سلسلے میں ان کا تذکرہ ملتا ہے۔[1]

---

[1] یہ تمام تفصیل تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۶۹ سے ماخوذ ہے۔

www.maktabah.org

حضرت مخدوم لعل شہباز قلندر سیوستانی

نام و نسب اسم گرامی عثمان تھا۔ لیکن عام طور پر لعل شہباز قلندر کے لقب سے مشہور ہیں۔ یہ لقب آپ کو آپ کے مرشد نے دیا تھا۔ آپ کے والد ماجد کا نام سید کبیر ہے، آپ حضرت امام محمد جعفر صادقؒ کی اولاد سے ہیں سلسلۂ نسب یہ ہے:-

حضرت عثمان مروندی بن سید کبیر بن سید شمس الدین بن سید نور شاہ بن سید محمود شاہ بن سید احمد شاہ بن سید ہادی بن سید مہدی بن سید منتخب بن سید غالب بن سید منصور بن سید اسماعیل بن امام محمد بن جعفر صادق علیہ السلام[1]

وطن حضرت لعل شہباز کے آباو اجداد کا وطن مروند تھا۔ جس کو ہمند بھی کہتے ہیں یہ مقام ہرات کے قریب افغانستان میں واقع ہے[2]۔

ولادت مخدوم شہباز قلندر ۵۷۳ھ / ۱۱۷۷ء مروند میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم و تربیت حاصل کی[3]۔

۱؎ لب تاریخ سندھ قلمی مملوکہ سندھی ادبی بورڈ ص

۲؎ لب تاریخ سندھ ص سوج کوثر ص۳۳۱ پر شیخ اکرم نے اس کا نام مرند لکھا ہے اور اس کا جائے وقوع تبریز کے قریب بتایا ہے۔

۳؎ لب تاریخ سندھ ص

www.maktabah.org

بیعت سن شعور کو پہنچنے کے بعد حضرت بابا ابراہیم قدس سرہٗ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ان سے شرف بیعت حاصل کیا، اور ایک سال کی مختلف عبادوں اور ریاضتوں کے بعد انوار الٰہی سے اپنے قلب کو روشن و منور بنا کر بابا ابراہیم سے خلافت حاصل کی۔[1] بہت دن تک آپ شیخ منصور کی خدمت میں بھی رہے۔[2]

سیاحت اس کے بعد بھی روحانی کسب کمال کے لئے آپ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں گھومتے رہے۔ اور مختلف اولیاء و صوفیائے کرام کی روح پرور صحبتوں سے مستفیض ہوئے۔ جن میں حضرت شیخ فرید گنج شکرؒ[3] حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ[4] حضرت مخدوم جہانیاں جلال الدین بخاریؒ[5] خصوصیت کے ساتھ

---

[1] موج کوثر ص ۲۳۱

[2] لب تاریخ سندھ قلمی ص۳

[3] آپ کا نام مسعود، لقب فریدالدین تھا۔ گنج شکر کے لقب سے بھی مشہور ہوئے۔ حضرت گنج شکر کی ولادت ۵۸۹ھ میں قصبہ کھتی وال ضلع ملتان میں ہوئی۔ اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے بیعت و خلافت حاصل کی اور ۶۶۴ھ میں آپ نے وفات پائی (بزم صوفیا ص ۱۲۲/۱۲۳)

[4] حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی، ملتان کے نواح قلعہ کوٹ کروڑ میں ۱۱۸۲ء میں پیدا ہوئے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے بیعت و خلافت حاصل کی اور ملتان میں توطن اختیار کیا اور ۱۲۶۲ء/۶۶۱ھ میں آپ نے وفات پائی (سنہ ولادت و وفات موج کوثر اور بقیہ حالات بزم صوفیا سے ماخوذ ہیں)

[5] آپ کا اسم گرامی سید جلال الدین۔ لقب مخدوم جہانیاں جہاں گشت تھا۔ صاحب سیر العارفین کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آپ نے عید کے دن حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی نے حضرت شیخ علاء الدین اور شیخ رکن الدین کے مزارات پر مراقبہ کیا اور مراقبہ میں ان بزرگوں سے عیدی طلب کی تو ان بزرگوں کی طرف سے عیدی میں مخدوم جہانیاں کا لقب ملا۔ جب وہاں سے آپ واپس ہوئے تو راستے میں جو کوئی آپ کو ملتا بے اختیار مخدوم جہانیاں کہہ کر پکارتا تھا۔ مخدوم جہانیاں کے والد کا نام سید احمد کبیر اور دادا کا نام حضرت جلال الدین سرخ بخاری تھا۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ حضرت مخدوم جہانیاں

www.maktabah.org

قابلِ ذکر ہیں۔ شیخ صدرالدین عارف[1] سے بھی آپ کی ملاقاتیں رہیں۔

خان شہید کی عقیدت

بلبن[2] کا بیٹا خان شہید آپ کا بیحد معتقد تھا۔ خان شہید[3] کی بڑی آرزو یہ تھی کہ آپ ملتان[4] میں قیام فرمائیں اور

(بقیہ فٹ نوٹ) کی ولادت (فٹ ۳ میں ۷۰۷ھ میں) ہوئی۔ آپ نے شروع میں تربیت اپنے چچا سید محمد بخاری سے حاصل کی۔ پھر اُچھ کے قاضی علامہ بہاءالدین سے ظاہری تعلیم حاصل کی۔ طریقت کی تعلیم پہلے آپ نے اپنے والد سے پائی۔ پھر حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ملتانیؒ کے پوتے حضرت شیخ ابوالفتح رکن الدین کے ہاتھ پر بیعت کی اور اُنہیں سے خلافت حاصل کی۔ سلطان محمد تغلق نے حضرت مخدوم جہانیاں کو شیخ الاسلام بنا کر اُن کے سپرد چالیس خانقاہیں کی تھیں۔ لیکن آپ سب کو چھوڑ کر حج کے لئے روانہ ہو گئے۔ سلطان فیروز شاہ بھی آپ کا بیحد معتقد تھا۔ آپ ہی کی کوشش سے سندھ کے سمہ خاندان کے بادشاہ جام بابنیہ اور سلطان فیروز کے درمیان صلح ہوئی۔ جس کا حال میں نے اپنی کتاب "سندھ کی تاریخی کہانیاں" میں مفصل لکھا ہے۔ مخدوم جہانیاں نے اٹھتر سال ایک ماہ چھبیس روز کی عمر میں ۷۸۵ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار مبارک اُچھ میں ہے جو ریاست بھاولپور میں ملتان سے ستر میل کے فاصلے پر جنوب مغرب میں واقع ہے۔ (ماخوذ از بزم صوفیاء۔ سید صباح الدین۔ تذکرہ حضرت سید جلال الدین بخاری وتحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۲۰)

[1] شیخ صدرالدین عارف حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی کے فرزند ہیں۔ اپنے والد سے روحانی اور ظاہری تعلیم حاصل کی ۶۸۴ھ میں آپ نے ملتان میں وفات پائی (بزم صوفیاء صفحہ ۱۱۹)

[2] بلبن کا نام غیاث الدین تھا۔ چنگیز خانی حملے میں گرفتار ہو کر بغداد میں ایک غلام کی حیثیت سے فروخت ہوا اور ایک بزرگ جمال الدین بصری نے اسے خریدا اور تعلیم و تربیت دی پھر بلبن دہلی آیا۔ اور بہشتی و فراش کی معمولی خدمتوں سے ترقی کرتے کرتے نائب الملک بن گیا۔ ۶۶۴ھ میں سلطان ناصرالدین محمود کی وفات کے بعد وہ ہندوستان کا بادشاہ بن گیا۔ ۶۸۶ھ میں بلبن نے وفات پائی۔ (موجِ کوثر و تاریخ فیروز شاہی)

[3] خان شہید کا اصل نام سلطان محمد تھا۔ یہ غیاث الدین بلبن کا بیٹا ہے، خان شہید کی تعلیم و تربیت غیاث الدین بلبن نے بہترین طریقے پر کی تھی۔ وہ نہایت ہی قابل مرتاض نوجوان تھا۔ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر اور حضرت بہاءالدین زکریا جیسے جلیل القدر بزرگوں کی خدمت میں اس کو تقرب حاصل تھا اور امیر خسرو اور امیر حسن جیسے بزرگ و شاعر اُس سے متعلق تھے، باپ کی ساری تمنائیں اسی سے

www.maktabah.org

اس کے لئے اُس نے ایک خانقاہ بھی بنوانا شروع کی لیکن آپ نے ملتان میں قیام پسند نہیں فرمایا۔ لیکن پھر بھی کبھی کبھی خان شہید کے پاس جاتے اور شیخ صدرالدین عارف کی مجلس سماع میں شریک ہوتے تھے۔

سندھ میں تشریف آوری

صاحب تحفۃ الکرام کا بیان ہے کہ آپ سیر و سیاحت کرتے ہوئے حضرت بوعلی قلندرؒ[1] کی خدمت میں پہونچے۔ اُنھوں نے فرمایا کہ ہند میں تین سو قلندر موجود ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ سندھ ہی تشریف لے جائیں۔ اُن کے مشورہ کے مطابق آپ نے سندھ میں پہنچ کر سیوستان[2] میں قیام فرمایا۔

(بقیہ فٹ نوٹ) وابستہ تھیں۔ غیاث الدین نے اسے منگولوں کی روک تھام پر مقرر کیا تھا۔ انہیں کے ہاتھوں شہید ہوا۔ (تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۳۶ و موج کوثر صفحہ ۱۲۴) [۲] ملتان ایک قدیم شہر ہے جس کو متعین نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کب آباد ہوا۔ مجمع الاسرار میں ہے کہ سام بن نریمان اکثر شکار کے لئے یہاں آتا تھا جہاں اب ملتان آباد ہے۔ اُسے یہ جگہ پسند آئی اور اُس نے اس شہر کی بنیاد رکھی۔ یہاں کی چھینٹ اور صنعت رنگریزی بہت مشہور تھی۔ (ہیئت العالم قلمی نسخہ مصنفہ شیخ محمد اعظم ٹھٹھوی مملوکہ سندھی ادبی بورڈ و تحفۃ الکرام جلد ۳)

[۱] شیخ بوعلی قلندر کا نام شرف الدین اور لقب بوعلی قلندر تھا۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی اولاد سے تھے۔ شیخ بوعلی قلندر ۶۰۵ھ میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ کمسنی میں علوم ظاہری کی تکمیل اور بیس برس تک دہلی میں قطب مینار کے قریب آپ کے درس و تدریس کا فیض جاری رہا۔ بعد میں آپ پر جذب و سرمستی کی کیفیت طاری ہوگئی اور تمام کتابوں کو دریا میں غرق کرکے جنگل کی راہ لی۔ ۱۳ رمضان ۷۲۴ھ کو وفات پائی اور کرنال میں مدفون ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کے اعزہ نے ایک رات آپ کا جسد مبارک قبر سے نکال کر پانی پت میں لے جاکر دفن کر دیا۔ (بزم صوفیا ر تذکرہ شاہ بوعلی قلندر صفحہ ۲۳۵/۲۵۰)

[۲] سیوستان کو سیون بھی کہتے ہیں۔ یہ سندھ کا بہت قدیم شہر ہے، صاحب تحفۃ الکرام کا بیان ہے کہ یہ سیوان نامی ایک شخص کے نام سے موسوم ہے جو سندکی اولاد سے تھا۔ ابتداءً یہ شہر راجان اُور کے ماتحت رہا۔ بعد میں ٹھٹھہ کے بادشاہوں کی حکومت میں شامل ہوگیا جب شاہ بیگ ارغون نے سندھ کی حکومت حاصل کی تو یہ شہر ان کے ماتحت آیا۔ لیکن اس نے اس کو ٹھٹھہ سے انتظاماً علیحدہ کر دیا پھر شاہ حسن

www.maktabah.org

پہلی برکت اتفاقاً سیوستان میں آکر آپ جس محلّے میں مقیم ہوئے وہ کسبی عورتوں کا تھا۔ اس عارف باللہ کے قدوم میمنت لزوم کا پہلا اثر یہ تھا کہ وہاں زناکاری اور فحاشی کا بازار سرد پڑ گیا، نیکی اور پرہیز گاری کی طرف قلوب مائل ہوئے اور زانیہ عورتوں نے آپ کے دستِ حق پرست پر توبہ کی۔[1]

رشد و ہدایت مخدوم شہباز قلندر نے سیوستان میں رہ کر بھٹکے ہوئے لوگوں کو سیدھے راستے پر لگایا، اُن کے اخلاق کو سنوارا، انسانوں کے دلوں میں نیکی اور سچائی کی لگن پیدا کی اور ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور پیار سے رہنا سکھایا۔

وہ تقریباً چھ سال تک سیوستان میں رہ کر اسلام کا نور سندھ میں پھیلاتے رہے۔ ہزاروں انسانوں نے آپ سے ہدایت پائی اور بہت سے بھٹکے ہوئے لوگوں کا رشتہ اللہ سے جوڑا۔

جذب و سکر آخر عمر میں آپ پر جذب و سکر کی کیفیت طاری ہو گئی تھی اور قلندریہ مشرب اختیار کر لیا تھا۔ آپ کے قلندروں کو لال شہبازیہ کہتے ہیں۔

علم و فضل صاحب موج کوثر شیخ اکرام نے اپنی کتاب میں برٹن کی ہسٹری آف سندھ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ شہباز قلندر بڑے عالم اور لسانیات اور صرف و نحو میں ماہر تھے۔ چنانچہ برٹن کے زمانے (۱۸۵۱ء) میں صرف و نحو کی جو کتابیں مروج تھیں مثلاً میزان الصرف اور صرف صغیر کے متعلق قسم دوم وہ حضرت لعل شہباز قلندر سے منسوب کی جاتی ہیں۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ) ارغونوں نے اپنی حکومت کے زمانے میں اس کو ٹھٹھہ میں شامل کر لیا۔ عہدِ اکبر میں جب سندھ مغلیہ حکومت کا صوبہ بنا تو سیوستان کا حاکم علیحدہ مقرر ہوا۔ خدا یار خان کلہوڑا کے زمانے سے پہلے کی طرح یہ سندھ میں داخل ہے۔

[1] حدیقۃ الاولیاء قلمی صلہ

www.maktabah.org

شاعری

شعر و سخن سے بھی دلچسپی تھی۔ عثمانؔ تخلص فرماتے تھے۔ صاحبِ مقالات الشعراء نے آپ کی ایک غزل نقل کی ہے۔ جو آج بھی اہلِ نظر کے لئے سرمایۂ تسکین دل و جان ہے۔ فرماتے ہیں۔

زعشقِ دوست ہر ساعت، درونِ نار می رقصم
گہی بر خاک می غلطم گہی بر خار می رقصم
بیا اے مطربِ مجلس سماعِ ذوق را در دہ
کہ من از شادیٔ وصلش قلندر واری رقصم
شدم بدنام در عشقش بیا اے پارسا اکنوں
نمی ترسم ز رسوائی بہر بازار می رقصم
مرا خلقی ہمی گوید، گدا چندیں چہ می رقصی
بدل داریم اسرارے از آں اسرار می رقصم
منم عثمانِ مروندی کہ یارِ خواجہ منصورم
ملامت می کنند خلقے و من بردار می رقصم[1]

وفات

سنہ ۱۲۷۴ء مطابق ۲۱ شعبان سنہ ۶۷۳ھ[2] میں مخدوم شہباز قلندر نے وفات پائی، اور سیوستان میں آج بھی آپ کا مزار مرجع خاص و عام ہے۔

روضہ کی تعمیر

فیروز شاہ کی حکومت کے زمانے میں ملک رکن الدین عرف اختیار الدین والی سیوستان نے آپ کا روضہ مبارک تعمیر کرایا۔

اس کے بعد سنہ ۹۹۳ھ میں ترخانی خاندان کے آخری بادشاہ مرزا جانی بیگ

---

[1] مقالات الشعراء، شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ ص ۴۳۵

[2] حدیقۃ الاولیاء، قلمی ص ۵۳

www.maktabah.org

ترخان نے آپ کے روضہ کی توسیع و ترمیم کرائی۔

پھر سنہ ۱۰۰۹ھ میں مرزا جانی بیگ ترخان کے بیٹے مرزا غازی بیگ[2] نے اپنی صوبہ داری کے زمانے میں اُس میں دوبارہ ترمیم کرائی[1]۔

---

[1] مرزا جانی بیگ بن مرزا پاینده بیگ بن مرزا محمد باقی ترخان سنہ ۹۲۳ھ میں ٹھٹھ میں تخت نشین ہوا یہ ترخانی فرمانرواؤں میں نہایت ہوشمند اور مدبر فرمانروا تھا۔ سنہ ۹۹۹ھ میں اکبر کے حکم سے عبدالرحیم خانخاناں نے سندھ پر حملہ کر کے ترخانی حکومت کو ختم کر دیا۔ اور سندھ سلطنت مغلیہ کا ایک صوبہ بنا۔ خانخاناں ٹھٹھ کو فتح کر کے مرزا جانی بیگ کو اپنے ساتھ دہلی لے گیا۔ اکبر نے خانخاناں کی سفارش پر مرزا جانی بیگ کو منصب پنج ہزاری دے کر ٹھٹھ کے ساتھ سیوستان بھی اس کی جاگیر میں دے دیا۔ لیکن اسی کے ساتھ مرزا جانی بیگ کو حکم دیا کہ وہ چند روز دہلی میں اُس کے ساتھ رہے۔ اس فرمان کے بعد تقریباً آٹھ سال تک مرزا جانی بیگ اکبر کے ساتھ رہا۔ سنہ ۱۰۰۹ھ میں اکبر نے قلعہ اسیر پر چڑھائی کی تو جانی بیگ اس کے ساتھ تھا۔ حاکم قلعہ اسیر بہادر خان نے پہلے تو جنگ کی مگر جب شکست کے آثار ظاہر ہونے لگے تو اکبر سے صلح کرلی۔ اس صلح کی خبر کو سُن کر بے اختیار جانی بیگ کی زبان سے نکلا۔ بہادر خان بزدل ہے کہ وہ صلح کر رہا ہے اگر میں سندھ میں ایسا مضبوط قلعہ رکھتا تو سو برس تک اکبر کی فوجوں کو پریشان رکھتا۔ جانی بیگ کی یہ بات اکبر تک پہنچی۔ اُسے یہ سن کر بہت غصہ آیا۔ وہ چاہتا تھا کہ مرزا جانی بیگ کو اس گستاخی کی سزا دے۔ ادھر مرزا جانی بیگ کو معلوم ہوا۔ وہ بادشاہ کے عتاب سے بچنے کے لئے بھاگنے کی تیاریاں کر ہی رہا تھا کہ اچانک سرسام میں مبتلا ہوا، اور اسی بیماری میں وفات پائی۔ اس کی لاش ٹھٹھ لائی گئی اور مکلی کے قبرستان میں دفن کی گئی۔ (معصومی صنہ ۲۴ تا ۲۵۷ و لب تاریخ سندھ قلمی مملوکہ سندھی ادبی بورڈ صنہ ۱۰۱ و ذخیرۃ الخوانین قلمی مملوکہ سید حسام الدین صاحب راشدی۔)

[2] مرزا غازی بیگ بن مرزا جانی بیگ ترخانی سنہ ۱۰۰۸ھ میں بادشاہ اکبر کی جانب سے سندھ کا گورنر مقرر کیا گیا۔ اس وقت مرزا غازی بیگ کی عمر ۱۶ سال کی تھی۔ مرزا غازی بیگ نے اخوند ملا اسحاق بھکری سے تعلیم حاصل کی تھی۔ غازی بیگ نہایت فہیم، مدبر، عالم اور شاعر تھا۔ اس کے دربار میں بڑے بڑے علماء اور شعراء جمع رہتے تھے۔ طالب آملی، ملا مرشد بروجردی، ملا اسد قصہ خواں اور میر نعمت وصلی جیسے باکمال اس کے دربار کی رونق تھے۔ غازی بیگ خود بھی شاعر تھا۔ وقاری تخلص کرتا تھا۔ اُس نے تقریباً

فضائل صاحب حدیقۃ الاولیا نے آپ کے محامد و اوصاف اور اخلاق عالیہ کو حسب ذیل اشعار میں نظم کیا ہے :-

شاہ بازِ نشیمنِ لاہوت — شاہ اورنگ خطۂ ملکوت
اہلِ دل عارف معارف حق — صاحبِ وجد و تارک مطلق
شاہِ عثمان، شاہ باز لقب — اشرف الذات ہم شریف نسب
بحرِ عرفاں کنوز دانائی — مہرِ ایقاں چراغ بینائی
مست خم خانۂ محبت شوق — بلبلِ گلستانِ عالم ذوق
صاحبِ حال و کاملِ ابدال — محرم خلوتِ حریم مثال
چندساز روضہ اش بہ سیوستاں — عطرافزا چو روضۂ رضواں
فیض افزائے گنبدِ پُرنور — چو حبابی ز چشمۂ کافور
بلکہ خود باغبان صنع ازل — چیدہ آوردہ از ریاضِ اہل
گلِ صدبرگ تازہ تر از جاں — کش نسازد زبون دست خزاں
گنبدی نہ کہ روضۂ زبہشت — مشک با آب و طینتش بسرشت

(بقیہ فٹ نوٹس) پانچ ہزار شعر فارسی میں کہے۔ سنہ ۱۰۱۴ھ میں اکبر نے وفات پائی اور جہانگیر تخت نشین ہوا تو وہ بھی مرزا غازی کو بیحد عزیز رکھتا تھا۔ جہانگیر نے اپنے عہد حکومت میں مرزا غازی کو منصب "دوازدہ ہزاری" سے سرافراز کیا اور ساتھ ہی سندھ کی گورنری کے ساتھ قندھار کی گورنری بھی اس کو عطا کی۔ سنہ ۱۰۲۱ھ میں جب کہ مرزا غازی بیگ کی عمر ۲۱ سال کی تھی۔ اس کے ایک غلام عبداللطیف نے بہائی خان ولد خسرو خان کے اشارے پر زہر دے دیا۔ اُس وقت مرزا غازی قندھار میں تھا۔ قندھار سے اس کی لاش ٹھٹھہ لائی گئی اور مکلی کے قبرستان میں اپنے والد مرزا جانی بیگ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ اُس کا ایک شعر ہم نمونتاً نقل کرتے ہیں ؎

بزم عشق است "وقاری" بادب باید بود — کہ درآن جز لبِ زخم تکلم کفر است

مقالات الشعرا۔ بضمن وقاری و تحفۃ الکرام جلد ۳

خاکِ آن آستان قبلہ نشاں — سرمۂ بینش عیونِ شہاں
فیض فایض زبام و در بارش — نور رخشاں ز چار دیوارش
شب چو اجرام دروی افروزاں — شمع و قندیل مشعل تاباں
زائرانِ حریم حرمتِ او — میرسد فوج فوج از ہر سو
دہد از جود قلزم عمان — سائلاں را پُر از گہر داماں
ہر کسے را بوقفِ خواہشِ دل — گشتہ بے شبہ مدعا حاصل
ہر کہ باغم ہم آشیانہ بُود — خستۂ دشنۂ زمانہ بُود
چُوں ز اخلاص می نہد قدمے — اندر آں پاک محترم حرمے
یابد از غم نجات فیروزی — سودش راحت و فرح روزی
آستانش کہ ہست خلد مثال — ہست محطِ قوافل ابرار
برد از خوان جود از کم و بیش — ہر کسے در خود عقیدۂ خویش
ہست دربار او چو قلزم ژرف — ہر کسے راست بہرہ در خود ظرف
کس نگشتِ از نوال شاں محروم — برو البتہ حصۂ مقسوم
تا قیامت بود چنیں روشن — شمع تابانِ او بوجہ حسن
نہ پذیرد ز صرصر دوراں — انطفائے بہ ہیچ وقت او آں
فیض دربار او باستقلال — ہمچنیں بود و ہم بود لازال

دمبدم رحمتِ خداوندی
باد بر روح شاہِ مردندی[1]

---

[1] حدیقۃ الاولیاء، قلمی ص ۴۹-۵۰۔

www.maktabah.org

(۳۷)

قطب الاقطاب حضرت سیّد محمد حسین

معروف بہ

پیر مُراد

نام ونسب و خاندان حضرت پیر مُراد کا اصلی نام محمد حسین، لقب سید مراد۔ آپ کے والد کا نام سید احمد ہے، آپ کا سلسلۂ نسب بیسویں پشت میں حضرت امام موسیٰ کاظمؒ سے جا ملتا ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ سید محمد حسین بن سید احمد بن سید محمد شیرازی بن سید محمود بن سید محمد بن شاہ محمود بن سید ابراہیم بن سید قاسم بن سید زید بن سید جعفر بن شاہ حمزہ بن شاہ ہارون بن سید عقیل بن سید اسماعیل بن سید علی اصغر بن سید علی جعفر بن سید محمد بن سید علی نقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظمؒ۔

سب سے پہلے آپ کے دادا سید محمد حسینی سلطان مبارز الدین بن مظفر الدین (سنہ ۷۱۳ھ - ۷۶۵ھ) کے زمانے میں شیراز سے سندھ آئے۔ سید محمد کا ابتدائی ورود سیون میں ہوا۔ اور آپ وہاں حضرت قلندر شہباز کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

ولادت آپ کی ولادت ۸۳۱ھ ہجری میں ہوئی۔ آپ کی بزرگی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آپ کی پیدائش سے پہلے سندھ کے مشہور بزرگ پیر گرہ گنج، شیخ عیسیٰ لنگوٹی اور بعض دوسرے اولیاء اللہ نے آپ کی پیدائش کی

www.maktabah.org

خوشخبری دی، اور آپ سے اپنی عقیدت مندی کا اظہار کیا۔

مشہور ہے کہ جب حضرت پیر مُراد پیدا ہوئے تو آپ آنکھ نہیں کھولتے تھے۔ شیخ عیسیٰ لنگوٹی کو خبر ہوئی، وہ آپ کے گھر تشریف لائے اور آپ کو دیکھا۔ آپ کے دیکھتے ہی حضرت پیر مراد نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔ لوگوں نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ فرمایا، بات یہ ہے کہ میں ایک مدت سے ان کی مریدی کا انتظار کررہا تھا۔ آج مرید نے اپنی مراد کو پالیا۔

تبلیغ دین

جب حضرت پیر مراد کی عمر چالیس سال کی ہوئی تو آپ نے بزرگوں کے طریقے کے مطابق بیعت لینی شروع کی۔ آپ کی بزرگی، نیکی اور عبادت کو دیکھ کر دور دور سے لوگ آکر آپ سے بیعت ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کی پرہیز گاری، عبادت گذاری اور دینداری کے چرچے دوسرے شہروں میں پھیلے۔ اُس زمانے کے مشہور بزرگ حضرت شیخ صدرالدین جو کہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے نواسے تھے جب ان کو اس کی خبر ہوئی کہ ٹھٹھہ میں ایک بزرگ پیدا ہوئے ہیں، اور اُن کی بزرگی کی شہرت سارے سندھ میں پھیلی ہوئی ہے، تو آپ نے اپنا ایک خادم حضرت پیر مراد کو طلب کرنے کے لئے بھیجا، اور اس کے ساتھ دودھ سے مُنھ تک بھرا ہوا ایک پیالہ بھی روانہ فرمایا، شیخ صدرالدّین کا مطلب اس دودھ کے بھرے ہوئے پیالے کے بھیجنے سے یہ تھا کہ جس طرح کہ یہ پیالہ دُودھ سے بھرا ہوا ہے اور اس میں کوئی اور دوسری چیز نہیں سما سکتی، اسی طرح سندھ میں بھی ہمارے سلسلے کے سوا دوسرے کسی سلسلے کی گنجائش نہیں۔ آپ کا یہ خادم دُودھ کا یہ پیالہ لے کر ملتان سے ٹھٹھہ اس حال میں پہنچا کہ پیالے میں جو دُودھ تھا وہ اُسی حالت میں تھا اور اس میں ذرا سا بھی تغیر نہیں ہوا تھا، اور نہ اُس میں سے ایک قطرہ گرا تھا۔ جب یہ خادم حضرت پیر مراد کی خدمت میں پہنچا تو اُس نے حضرت

www.maktabah.org

شیخ صدر الدین کا پیغام پہنچا کر دودھ کا وہ پیالہ بھی پیش کیا۔ حضرت پیر مراد نے اپنی جانماز کے نیچے سے چند کلیاں نکال کر اُس پیالے میں ڈال دیں اور فرمایا کہ اسے لے جاؤ۔ اس سے آپ کا اشارہ اس طرف تھا کہ جس طرح اس پیالے میں ان کلیوں کی گنجائش اب بھی ہے، اسی طرح اس ملک میں ہمارے سلسلے کے لئے بھی جگہ خالی ہے۔ پھر فرمایا کہ شیخ صدر الدین سے عرض کر دینا کہ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی اولاد سے ہیں اور میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد سے ہوں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ روزانہ بلاناغہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرورتاً کبھی کبھی آپ کے پاس تشریف لے جاتے تھے، اس لئے بجائے میرے آپ کا یہاں تشریف لانا مناسب ہے۔ خادم یہ جواب لے کر مُلتان واپس ہُوا اور جو جواب حضرت پیر مراد نے دیا تھا بجنسہٖ حضرت شیخ صدر الدین کی خدمت میں عرض کر دیا، اسی کے ساتھ وہ پیالہ بھی پیش کیا جس میں حضرت پیر مراد نے چند کلیاں ڈال دی تھیں۔ شیخ صدر الدین نے دیکھا کہ اتنی طویل مسافت طے کرنے کے بعد بھی وہ کلیاں اسی طرح تر و تازہ تھیں اور ذرا بھی نہ مُرجھائی تھیں۔ پیر مراد کی اس کرامت کو دیکھ کر حضرت شیخ صدر الدین بہت متاثر ہوئے اور آپ حضرت پیر مُراد کی ملاقات کے لئے ملتان سے فوراً ٹھٹھہ تشریف لائے اور آپ سے نہایت خلوص و محبت سے ملے۔

مُراد کا لقب

تذکرہ نویسوں نے آپ کے لقب مراد کے سلسلے میں لکھا ہے، کہ ایک دفعہ حضرت صدر الدین اور حضرت پیر مراد نماز جمعہ کے ادا کرنے کے لئے ٹھٹھہ کی مشہور مسجد کلاں میں جو مسجد ولی نعمت کے نام سے موسوم ہے تشریف لے گئے۔ راستے میں ایک مری ہوئی بلی پڑی تھی، شیخ صدر الدین نے اس بلی کو دیکھ کر قُمْ بِاِذْنِ اللہ یعنی اللہ کے حکم سے کھڑی ہو جا کہا۔ وہ اسی وقت کھڑی ہو گئی۔ پیر مراد نے شیخ صدر الدین کی اس کرامت کو دیکھا اور خاموش رہے

www.maktabah.org

یہاں تک کہ دونوں کے دونوں مسجد میں تشریف لائے۔ اتفاقاً اُس دن کسی وجہ سے امام صاحب نہ آسکے، دیر تک لوگ اُن کا انتظار کرتے رہے۔ جب نماز کا وقت تنگ ہونے لگا، حضرت پیر مراد نے اپنے خادم سے کہا جاؤ اور راستے میں جو بھی ملے اُسے لے آؤ۔ خادم گیا، مسجد سے نکلتے ہی اُس کی نظر سب سے پہلے ایک بوڑھے برہمن پر پڑی، خادم نے اُس سے کہا کہ تمھیں قطب زماں حضرت پیر مُراد بُلا رہے ہیں۔ برہمن فوراً ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت پیر مُراد جو ہمیشہ اپنے چہرے پر نقاب ڈالے رکھتے تھے، آپ نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹائی اور اُس برہمن کی طرف ایک نظر ڈالی، نظر کا پڑنا ہی تھا کہ برہمن نے اسی وقت اپنے جنیو کو توڑ ڈالا اور مسلمان ہوگیا۔ خطبہ اور نماز جمعہ کے ادا کرنے کے بعد اسی برہمن نے منبر پر کھڑے ہوکر بسم اللہ کے چودہ طریقے پر معانی اور مطالب بیان کئے اُس وقت حضرت پیر مراد نے شیخ صدر الدین سے فرمایا، دیکھئے مُردوں کو زندہ کرنا بدعت ہے، لیکن دلوں کو زندہ کرنا اور نورِ ایمان سے منوّر کرنا بزرگوں کی سنّت ہے۔ شیخ صدر الدین نے کہا بیشک آپ ہمارے مشائخ کی مراد ہیں، اور آپ سے مرادیں حاصل ہوں گی۔ اُسی وقت سے آپ "پیر مُراد" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

مسجد صفہ کی تعمیر ٹھٹھہ میں سمہ خاندان کے چوبیسویں بادشاہ جام نظام الدین کے دیوان لکھی مل کا ایک بُت خانہ تھا۔ حضرت سید مراد نے اُس کو مسجد بنانا چاہا۔ لکھی مل نے آپ کی مخالفت شروع کی اور جام نظام الدین کے سامنے استغاثہ پیش کیا کہ پیر مراد میرے بُت خانے کو مسجد بنانا چاہتے ہیں، جام نظام الدین نے اُس کے استغاثے کی بناء پر سخت غصہ میں آکر اپنے بھلانجے جام مارک[۱]

---

[۱] جام مارک نے حضرت پیر مراد شیرازی کے دست حق پرست پر بیعت کی اور حضرت پیر مراد نے آپ کو پیر البہ کا خطاب دیا۔ البہ کے معنی ہیں مطیع۔ ان کا تفصیلی تذکرہ تحفۃ الطاہرین صلا و تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۴۰ پر موجود ہے۔

www.maktabah.org

کو آپ کے پاس بھیجا کہ وہ آپ کو مسجد بنانے سے روک دے، جام مارک جیسے ہی آپ کی خدمت میں پہنچا، آپ کی ایک نظر اس پر پڑتے ہی اس کے خیالات کی دُنیا بدل گئی اور وہ آپ کے مریدوں میں شامل ہو کر فقراء میں داخل ہو گیا۔ جام نظام الدین کو یہ معلوم ہوا تو اس نے اپنے ایک مصاحب شیخ نتھرؒ[1] کو روانہ کیا کہ وہ آپ کو اس سے باز رکھے۔ شیخ نتھرؒ بھی آپ کی خدمت میں پہنچتے ہی آپؒ کے زمرۂ عقیدتمندوں میں شامل ہو گیا، جام نظام الدین یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ جو وہاں جاتا ہے آپ کا ہو جاتا ہے اب کی مرتبہ اُس نے اپنے دوسرے مصاحب شیخ مالہ کو روانہ کیا، لیکن وہ بھی آپ کے مُریدوں میں شامل ہو گیا، اس کے بعد جام نظام الدین سمجھ گیا کہ آپ کی مخالفت فضول ہے، وہ خود عقیدتمندانہ حاضر ہوا اور اپنی غلطی کی معافی چاہی اور تعمیرِ مسجد میں آپ کو ہر قسم کی مدد بہم پہنچائی۔

تبلیغی کوششوں کے ثمرات

تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ تقریباً بارہ ہزار آدمی آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے اور فسق و فجور سے تائب ہوئے۔ ان میں سے تقریباً پانچسو افراد ایسے تھے، جو درجۂ ولایت پر فائز ہوئے۔

وفات

۸۹۳ھ[2] میں حضرت سید پیر مراد واصل الی اللہ ہوئے۔ آپ کا مزار ٹھٹھہ کے مشہور قبرستان مکلی میں آج بھی زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

---

[1] شیخ نتھرؒ نے بھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور درجۂ ولایت پر فائز ہوئے۔ شیخ نتھرؒ کا تفصیلی تذکرہ تحفۃ الطاہرین صـ۱۷۳ پر ملتا ہے۔

[2] سید مراد کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ بعضوں نے یکم ربیع الاول بعض نے ۲ ربیع الاول بعض نے ۸ ربیع الاول آپ کی تاریخ وفات لکھی ہے۔ لیکن صاحب معارف الانوار نے ۱۲ ربیع الاول ۸۹۳ھ آپ کی تاریخ وفات لکھی ہے اور یہی روایت صحیح ہے۔ سنہ وفات ساجداً او خالصاً للہ سے نکلتا ہے۔ (حواشی مکلی نامہ مرتبہ سید حسام الدین راشدی شائع شدہ رسالہ مہران سندھی ادبی بورڈ نمبر ۲ جلد ۵ ۱۹۵۶ء)

www.maktabah.org

فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ　　فقر ہے میروں کا میر فقر ہے شاہوں کا شاہ



شاہ مراد شیرازی کا قبرستان

(بشکریہ سندھی ادبی بورڈ)

www.maktabah.org

www.maktabah.org

نمازِ جنازہ سید مراد کی نمازِ جنازہ سندھ کے فرمانروا جام نظام الدینؒ[1] نے پڑھائی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ آپ کے صاحبزادے سید منصور نے آپ کے جنازے کی نماز کی امامت کی اور اپنے والد کی پائنتی دفن کئے گئے۔

خلفاء آپ کے خلفاء میں حضرت سید علی کلاں شیرازی جو آپ کے حقیقی بڑے بھائی بھی تھے۔ سید جلال بن سید علی کلاں، شیخ البہ، شیخ حاجی محمد حسین صفائی، شیخ احمد خان ناہیو، شیخ مالہ، شیخ نتھڑ اور شیخ عیسٰی لنگوٹی مشہور ہیں۔

فضائل سید عبد القادر بن ہاشم حسینی صاحبِ حدیقۃ الاولیاء نے پیر مراد کے محامد و اوصاف کو ایک نظم میں منظوم کیا ہے جس کے چند شعر یہاں نقل کئے جاتے ہیں:-

ملک سیرت آں پیرِ سید مراد — خجستہ لقا و مبارک نہاد
فروزاں چراغی ز آلِ رسول — گُلِ گلشنِ مرتضا و بتول
سراپردۂ قربِ حق منزلش — محلِ فیوضاتِ فیبی دلش
سرِ حلقۂ جمعِ قدوسیاں — شناسائی اسرارِ روحانیاں
انیس سراپردۂ وجد و حال — جلیس در بارگاہِ وصال

---

[1] جام نظام الدین نندا سمہ خاندان کا بادشاہ ہے جو ۲۵ ربیع الاول ۸۶۶ھ کو جام سنجر کی وفات کے بعد مسند آرائے سلطنتِ سندھ ہوا۔ یہ اپنے اخلاق و کردار، تقویٰ اور پرہیزگاری علم و فضل کے اعتبار سے سمہ خاندان میں سب سے بہترین بادشاہ تھا، اسی کے آخری زمانے میں شاہ بیگ ارغون نے سندھ پر حملہ کیا۔ جام نندا نے اس کے مقابلہ کے لئے لشکر بھجوایا جو شاہ بیگ ارغون کی فوج سے بڑی شجاعت و دلیری کے ساتھ لڑا، اور اس لڑائی میں شاہ بیگ ارغون کا بھائی مارا گیا۔ شاہ بیگ شکست کھا کر قندھار لوٹ گیا، اور جام نظام الدین نندا کی زندگی میں اس کی جرأت نہ ہوئی کہ وہ دوبارہ سندھ کا رُخ کرے۔ جام نظام الدین نے ۹۱۴ھ میں وفات پائی (معصومی و حواشی مکلی نامہ)

زخمخانهٔ شوق سرمست بود — زخود نیست با حق همه هست بود
غریقی فرو رفته دریای عشق — حریقی شرار تجلای عشق
حقائق شناسِ مقالات بود — خداوندِ کشف و کرامات بود
بسی طالباں را زفیضِ نظر — شده جانبِ وصل حق راه بر
بسی را بارشاد و تلقیں نمود — سوی مقصدِ دیں رهش برکشود
زهی آستانش مسرّت فزا — زمرآتِ دل زنگ غفلت زدا
مزارِ شریفش که در مکلی است — زمرآتِ دل زنگِ غم منجلی است
فزای مرائش فرح بخش روح — صفای درش مایهٔ صد فتوح
غبارِ مزارش چو کحلُ البصر — فزائیدهٔ روشنی در نظر
زارباب حاجت هزاراں هزار — رسد در مزارش بلیل و نهار
کشد هر کسی در خود اعتقاد — در آغوشِ وصلت عروس مراد
کسی کو بپای درش سر نهد — گُل کام دل را بسر بر نهد
درآستانش کر بس دلکشا است — کلیدِ کشائندهٔ کارها است
خدایا بریں خاکِ پاکِ مزار — سحاب زبارانِ رحمت ببار
بریں مستمند دل آوارهٔ
زفیضِ عمیمش رساں بهرهٔ[1]

---

[1] حدیقة الاولیاء قلمی ملوکہ سندھ یونیورسٹی ص ۷۵-۷۶۔

(۳۸)

شیخ موسیٰ آمیدانی

حالات شیخ موسیٰ آمیدانی کے آبا و اجداد ہندوستان کے رہنے والے تھے۔ یہ خود سلطان علاء الدین کے زمانے میں سندھ تشریف لائے۔ عارفِ کامل اور صاحبِ باطن بزرگ تھے۔ اہلِ سندھ نے آپ کے فیوض و برکات سے کافی استفادہ کیا۔ آپ نے سندھ ہی میں وفات پائی۔ آپ کا مزار پُرانوار نہر ساکرہ کے کنارے واقع ہے[1]۔

---

[1] حدیقۃ الاولیاء قلمی ص ۲۰۳-۲۰۴

www.maktabah.org

(۳۹)

سیّد شاہ مسکین

نام وحالات آپ کا اسمِ مبارک شاہ مسکین تھا، ٹھٹھہ کے رہنے والے تھے آپ کا شمار ٹھٹھہ کے اولیائے کبار میں ہوتا ہے۔ صاحبِ تحفۃ الطاہرین نے آپ کے مراتبِ عالیہ کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

آن شہبازِ فضای لاہوت، یکہ تازانِ میدانِ جبروت، سرِ دفترِ اولیارِ کبار، سالارِ قوافلِ ابرار، صاحبِ مناقبِ علیہ، مظہرِ کراماتِ جلیۃ، گل دستۂ بوستانِ اصطفا، گلِ سرسبزِ حدیقۂ ارتضا، شہسوارِ مضمارِ معرفت ویقین یعنی سید شاہ مسکین علیہ الرحمہ۔

علوئے مرتبت ٹھٹھہ کے مشہور صوفی ودرویش میاں ابوالقاسم نقش بندی سید شاہ مسکین کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ ٹھٹھہ کے قبرستان میں جتنے اولیاء اللہ آرام فرما ہیں، اُن میں جو شان سید شاہ مسکین کی ہے کوئی دوسرا اُن کی ہمسری نہیں کرتا۔

عبادات عبادات میں وہ ذکر الٰہی، وظائف اور درود کو بیحد پسند کرتے تھے۔ آپ کا تمام وقت انھیں عبادات میں صرف ہوتا تھا۔ خود بھی کثرت سے جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود بھیجتے تھے، اور درود بھیجنے والے کو بیحد عزیز رکھتے تھے۔

رُشد وہدایت آپ سے بہت سے لوگوں نے تزکیۂ باطن اور تربیت رُوحانی حاصل کی۔ اُن میں سے خاکی شاہ بہت مشہور ہیں۔ خاکی شاہ کی عمر کا بڑا حصہ آپ کی

خدمت اور ارادت میں گذرا۔

شہادت ۹۶۳ھ میں مرزا عیسیٰ ترخان کے عہد میں پرتگیزیوں کی اُس یلغار میں جو اُنھوں نے ٹھٹھہ پر کی تھی۔ آپ نے شہادت پائی۔ آپ کا مزار محلہ غلہ بازار ٹھٹھہ میں اپنے مرشد کے متصل واقع ہے۔

۱؎ مرزا شاہ حسن ارغون کی وفات کے بعد بالائی سندھ کی حکومت سلطان محمود کو ملی اور زیرین سندھ پر مرزا عیسیٰ ترخان بادشاہ ہُوا۔ سلطان محمود کا دارالحکومت بھکر اور مرزا عیسیٰ ترخان کا دارالسلطنت ٹھٹھہ قرار پایا۔ اِن دونوں حکومتوں کے قائم ہونے کے بعد دونوں میں اختلافات پیدا ہوئے اور نوبت لڑائی تک پہنچی۔ ۹۶۳ھ میں مرزا عیسیٰ ترخان اپنی فوجیں لے کر بھکر کی طرف بڑھا۔ اُس نے اپنی امداد کے لئے گوا سے پرتگیزیوں کو بھی بلوایا تھا۔ ابھی وہ پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ مرزا عیسیٰ بھکر روانہ ہوگیا اُس نے بھکر کا محاصرہ کیا۔ سلطان محمود قلعہ بند ہوگیا۔ یہ محاصرہ تقریباً پندرہ روز رہا۔ فریقین میں معمولی معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ ابھی مرزا عیسیٰ بھکر ہی میں تھا کہ پرتگیزی فوجیں ٹھٹھہ پہنچیں، انھوں نے دیکھا کہ مرزا عیسیٰ جا چکا ہے، اور (بغیر) اب جنگ کے فوائد حاصل نہیں ہو سکتے۔ اس لئے انھوں نے ٹھٹھہ ہی کو لوٹنا شروع کر دیا۔ قتل عام کیا اور اس کے بعد شہر میں آگ لگادی۔ جس سے شہر کی شاندار عمارتیں جل گئیں۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ مرزا عیسیٰ کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ محاصرہ چھوڑ کر ٹھٹھہ آیا۔ سلطان محمود اس کا پیچھا کرتے کرتے سیوستان تک آیا۔ لیکن اس زمانے کے ایک بزرگ پیر کلاں نے دونوں کے بیچ میں پڑ کر صلح کرادی۔

پرتگیزیوں نے اس قتل و غارت گری میں جن مساجد میں مسلمانوں کو شہید کیا وہ ان مساجد کے سامنے ہی دفن کئے گئے۔ اس طرح ٹھٹھہ میں پانچ گنج شہیداں موجود ہیں۔

(ماخوذ از حاشیہ تحفۃ الطاہرین مرتبہ آغا بدر عالم صفحہ ۱)

www.maktabah.org

(۴۰)

سید میر کلاں

نام و نسب اسم گرامی سید میر تھا۔ کربلا کے سادات کے خاندان سے تھے۔ ترک وطن کرکے جب آپ قندھار تشریف لائے، تو وہاں کے مشہور بزرگ میر شیر قلندرؒ[1] کے مزار پر حاضر ہوئے اور قندھار ہی میں سکونت اختیار کرلی۔

سندھ میں تشریف آوری شاہ بیگ ارغون کے سندھ فتح کرنے کے بعد آپ قندھار سے سندھ تشریف لائے۔ اور سیوستان کے قرب و جوار میں آپ مقیم ہوئے۔

حضرت شہباز قلندر کی عقیدت سندھ کے مشہور شیخ حضرت شہباز قلندر سے غیر معمولی عقیدت رکھتے تھے۔ اور آپ کے وقت کا بڑا حصہ حضرت شہباز قلندر کے مزار مبارک پر عبادت و ریاضت میں گزرتا تھا۔

---

[1] میر شیر قلندر کا اصل نام سید محمد تھا۔ بچپن ہی سے آپ کو ریاضت و عبادت الٰہی کا شوق تھا جس کی وجہ سے آپ بہت جلد تصوف و درویشی کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہوئے۔ میر شیر قلندر آپ کو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ اپنی ہیئت بدل کر شیر کی صورت میں ظاہر ہوئے تھے اُس وقت سے آپ شیر قلندر کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ میر شیر قلندر نے عاشورے کے روز ۳ ستمبر ۵۹۲ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار موضع اشکلجہ میں واقع ہے جو قندھار سے سمت مغرب میں دس میل کے فاصلے پر واقع ہے (معصومی ص ۱۳۷/۱۴۰)

www.maktabah.org

زہد و عبادت ساری عمر زہد و عبادت میں بسر کی۔ یہاں تک کہ لوگ اُن کے زہد و عبادت کو دیکھ کر کہتے تھے کہ اس زمانے میں سید میر کے زہد و عبادت کی نظیر نہیں ملتی۔

فقراء و مساکین کا خیال فقراء و مساکین کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے۔ جو بھی فقیر و مسکین آپ کے پاس آتا محروم نہ جاتا۔

وفات تذکرہ نگاروں نے آپ کا سنہ وفات نہیں لکھا۔ لیکن آپ کا شمار مرزا شاہ حسن ارغون کے ہمعصروں میں کیا جاتا ہے قیاس چاہتا ہے کہ دسویں صدی ہجری کے آخر میں آپ نے وفات پائی ہوگی۔ کیونکہ خود شاہ حسن ارغون نے سنہ ۹۶۲ھ میں وفات پائی ہے۔

اولاد کثیر الاولاد تھے۔ میر معصوم بھکری مصنف تاریخ معصومی انہیں کی اولاد سے ہیں۔[1]

---

[1] سید میر کلاں کے حالات تاریخ معصومی صہ ۱۹۵ سے لئے گئے ہیں۔

(٤١)

شیخ میر محمدؒ

مشہور بہ

میاں میر

نام۔ نسب۔ وطن شیخ میر محمد نام، کنیت میاں میر ہے۔ سیوستان[1] آپ کا وطن تھا۔ آپ کے والد کا اسم گرامی قاضی سائیں دتہ بن قاضی قلندر اور والدہ محترمہ کا نام بی بی فاطمہ بنت قاضی قاضن تھا۔ دارا شکوہ نے اپنی کتاب سکینۃ الاولیاء[2] میں آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح مندرج کیا ہے[3]۔

والد قاضی سائیں دتہ — والدہ بی بی فاطمہ بنت قاضی قاضن

- قاضی بولنؒ
- قاضی عثمان
- قاضی طاہر
- بی بی جمال خاتون (متوفی ١٠٥٠ھ)
  - محمد شریف (متوفی ۵ رجب ١٠٥٢ھ) (جو میاں میر کی وفات کے بعد اُن کے پہلے سجادہ نشیں ہوئے)
- میاں میر
- چاچن مائیؒ

---

[1] سیوستان کو سیوان اور سہوان بھی کہتے ہیں۔ یہ بہت قدیم شہر ہے جو سند کی اولاد سہوان کے نام سے موسوم ہے۔ یہ شہر اس وقت ضلع داڈو میں واقع ہے۔ (تحفۃ الکرام) [2] سکینۃ الاولیاء دارا شکوہ کی تصنیف ہے جو اس نے میاں میر اور اُن کے مریدین کے حالات میں سنہ ١٠٥٠ھ میں لکھی اور اس کا اُردو ترجمہ سنہ ١٩٢٠ء میں لاہور سے شائع ہوا۔ [3] فٹ نوٹ مقالات الشعراء مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ مرتبہ سید حسام الدین صاحب راشدی مدظلہ بعض قادری۔

www.maktabah.org

میاں میر خاندانی اعتبار سے فاروقی ہیں۔ آخر میں آپ کا سلسلۂ نسب حضرت عمرؓ فاروق رضؓ سے جا ملتا ہے۔ آپ کے والد قاضی سائیں دتہ اپنے علم و فضل، تقویٰ و تقدس کے اعتبار سے نہ صرف سیوستان بلکہ تمام سندھ میں ممتاز مانے جاتے تھے تحفۃ الکرام میں ہے کہ :-

قاضی سائیں دتہ از اولادِ حضرت فاروق و اجلۂ علمائے روزگار بود
شریعت را یارِ طریقت و طریقت توامان حقیقت داشتہ در سوستان
نامی بل در تمامیِ سند گرامی گزشتہ [1]

ولادت دارا شکوہ نے اپنی مشہور کتاب سکینۃ الاولیاء میں میاں میر کی ولادت کی تاریخ آپ کے بھائی کے حوالے سے ۹۳۸ھ لکھی ہے۔ اور آپ کی عمر کے متعلق بھی دارا شکوہ نے اختلاف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں نے بعض لوگوں سے سُنا ہے کہ آپ نے ایک سو سات ۱۰۷ سال کی عمر پائی، اور بعض بیان کرتے ہیں کہ آپ نے ستانوے ۹۷ سال کی عمر پائی۔ لیکن میں نے ایک محضر دیکھا ہے جسے آپ کے بھتیجے سیوستان سے تصحیح کر کے لائے تھے اُس میں آپ کا سنہ ولادت ۹۷۵ھ [2] تھا۔ اس لحاظ سے آپ کی عمر ستر ۷۰ سال قرار پاتی ہے۔

تعلیم طریقت ابتداً آپ کے والد ماجد نے آپ کو سلسلۂ قادریہ کے سلوک کی تعلیم دی۔ لیکن دینیات کی تعلیم آپ نے مختلف اساتذہ سے حاصل کی۔

بیعت تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے بعد میاں میر نے شیخ خضر قادری سیوستانی سے بیعت کی اور تزکیۂ نفس و غیر معمولی ریاضتوں اور مجاہدوں

---

[1] تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۳۸

[2] صاحب تحفۃ الکرام نے آپ کا سنہ ولادت ۹۵۷ھ لکھا ہے۔ (تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۴۸)

www.maktabah.org

کی وجہ سے پیشوائے اولیاء اور قطب زماں کے لقب سے مشہور ہوئے۔

رشد و ہدایت اپنے والد کی وفات کے بعد اُن کی جگہ میاں میر مسند آرائے رُشد و ہدایت ہوئے۔ اُنھوں نے نہ صرف سندھ بلکہ پنجاب کو بھی اپنی رُوحانی نعمتوں سے مالا مال کر دیا۔ اور اپنے مریدوں کی اصلاح فکر اور تہذیب نفس کر کے ایک ایسی جماعت پیدا کی جس سے رشد و ہدایت کے چشمے پھوٹے۔ میاں میر ایک قدیم طرز کے صوفی تھے جو فنافی اللہ کی منزل میں تھے۔ ان کا تمام وقت عبادتوں اور ریاضتوں میں گزرتا تھا۔ وہ وحدت الوجود کے فلسفے کو اپنا منتہائے نظر بنائے ہوئے تھے۔ عمل صالح کی روایت ہے کہ آپ کو شیخ محی الدین ابن عربی کی فتوحاتِ مکیہ کا اکثر حصّہ حفظ یاد تھا۔ اور مولانا جامی کی شرح فصوص الحکم بھی آپ کو پوری حفظ تھی۔ شہرت سے آپ کو نفرت تھی اور گوشۂ تنہائی کو آپ عزیز رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ سندھ سے لاہور تشریف لانے کے بعد چالیس سال تک لاہور والوں کو اس کا علم بھی نہ ہو سکا کہ اُن کے شہر میں ایسی بزرگ ترین ہستی موجود ہے جس کی مثال مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔ تقریباً ساٹھ سال تک آپ لاہور میں رہے اور وہاں کی دُنیا آپ سے فیضیاب ہوئی۔

وفات میاں میر ستر سال کی عمر میں ۷ ربیع الاول ۱۰۴۵ھ / ۱۶۳۵ء کو واصل الی اللہ ہوئے۔ سکینۃ الاولیاء میں ہے کہ آخر عمر میں آپ اسہال میں مبتلا ہوئے پانچ روز تک بیمار رہے اور محلہ خانپورہ میں وفات پائی۔ آج بھی آپ کا مزار ہاشم پورہ میں جو اب میاں میر کے نام سے موسوم ہے، زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

آپ کے مزار مبارک کی تعمیر کے لئے دارا شکوہ نے جو آپ کا معتقد تھا تمام مسالہ جمع کیا۔ لیکن تعمیر کی نوبت نہ آنے پائی تھی کہ دارا شکوہ اپنے بھائی کے حکم سے قتل کیا گیا۔ بہت دن تک مزار کی عمارت نامکمل رہی۔ کئی سال کے بعد اورنگ زیب آپ کے مزار پر حاضر ہوا اور اُس نے عمارت کو مکمل کرایا۔ دارا شکوہ کی بیوی نادرہ کی قبر

www.maktabah.org

آپ کے مزارِ مبارک کے قریب بارہ دری میں واقع ہے۔

تاریخ وفات

متعدّد مریدوں اور عقیدت مندوں نے تاریخ وفات کہہ کر اپنی عقیدت اور دلی سوز وغم کا اظہار کیا۔ ملا فتح اللہ جو آپ کے مریدوں میں سے تھے اُن کی یہ تاریخ آپ کے گنبد کے دروازہ پر کندہ ہے۔

میاں میر سر دفترِ عارفاں
کہ خاک درش رشکِ اکسیر شد
سفر جانب شہر جاوید کرد
ازیں محنت آباد دل گیر شد
خرد بہر سالِ وفاتش نوشت
بفردوسِ والا میاں میر شد

۱۰۴۵ھ

مفتی غلام سرور لاہوری نے تاریخ ولادت و وفات یک جا کہہ کر اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔

میرِ دُنیا و دیں میاں میر یست — واقفِ راز و محرم اسرار
ہست "میر بہشت" تولیدش — ہم میاں میر چشمۂ انوار

باز فرمودہ شیخ والا جاہ — عقل تولید او بصد تکرار
بندۂ مقتدا میاں میراست — سالِ تولید آں شہ ابرار

ہادی صدق میر اشرف خواں — وصلِ آں شاہ زبدۃ الاخیار
نیز فیّاض حق ولی آمد — ہم میاں میر دستگیر اے یار

۱۰۴۵ھ

www.maktabah.org

جہانگیر کی عقیدت

جہانگیر[1] آپ سے بے حد عقیدت رکھتا تھا۔ اُس نے اپنی تزک میں لکھا ہے :-

جب مجھے علم ہوا کہ لاہور میں ایک درویش میاں میر نامی سندھ کے رہنے والے نہایت فاضل، بابرکت اور صاحب حال بزرگ ہیں، اور توکل اور گوشۂ عزلت کو اپنا شعار بنائے ہوئے فقر کی دولت کی بدولت غنی اور دُنیا سے مستغنی ہیں۔ اِن اوصاف کی بنا پر میرا دل اُن کی ملاقات کے لئے بے چین ہوا اور اُن کی زیارت کیلئے میں نے اپنے دل میں غیر معمولی رغبت پائی۔ لیکن میرے لئے لاہور جانا مشکل تھا، میں نے ایک خط کے ذریعے سے اُن کی خدمت میں اشتیاقِ ملاقات ظاہر کیا، حضرت باوجود ضعفِ پیری کے زحمت فرما کر تشریف لائے اور ایک طویل عرصہ تک میں خلوت میں آپ کے ساتھ بیٹھا، اور آپ کی صحبت سے مستفید ہوا۔ بلاشبہ آپ کی ذات غیر معمولی شرف کی حامل ہے۔ اور اس زمانے میں آپ کا وجود مغتنمات میں سے ہے۔ ان مُلاقاتوں میں مجھے آپ سے بہت سے معارف و حقائق سُننے کا اتفاق ہوا۔ میں نے ہر چند چاہا کہ آپ کی خدمت میں نذر پیش کروں۔ لیکن آپ کے پایۂ عالی کو دیکھتے ہوئے مجھے اپنی اس تمنّا کے اظہار کی جرارت نہ ہُوئی، آخر میں نے ایک سفید ہرن کی کھال جانماز کے طور پر آپ کی خدمت میں پیش کی۔

---

[1] جہانگیر سنہ ۱۰۱۴ھ میں تخت نشین ہوا۔ اور ۲۸ رصفر سنہ ۱۰۳۷ھ کو ۲۳ سال ۸ ماہ ۵ اروز حکومت کرکے اُس نے اُنسٹھ سال گیارہ ماہ بارہ روز کی عمر میں وفات پائی۔ (فٹ نوٹس مقالات الشعراء مرتبہ سید حسام الدین راشدی صد ۲۲۵ بحوالہ مفتاح التواریخ)

www.maktabah.org

شاہجہاں کی عقیدت

شاہجہاںؒ بھی آپ سے غیر معمولی عقیدت رکھتا تھا وہ بحیثیت ایک مخلص معتقد کے دو مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نامہؒ میں ان ملاقاتوں کا تذکرہ ملتا ہے، ایک ملاقات کے متعلق بادشاہ نامے میں ہے :-

۸/ رجب ۱۰۴۴ھ

خدیو خدا آگاہ، ارباب صفت و صفا، رہنمائے اصحاب معرفت و تقیٰ، قدوۂ حق شناساں، صافی ضمیر، میاں میر کہ جن کی تشریف آوری سے پہلے بھی یہ گھر مہبط انوار بن چکا تھا، دوبارہ تشریف لائے، اور بادشاہ کی گذارش پر آپ نے بہت سے دقائق حقائق اور غوامض و معارف کو اس دلکش طریقے پر بیان فرمایا جو انشراح صدر اور انبساطِ قلب کا موجب تھا۔

شاہجہاں پر آپ کی عقیدت کا تاثر اس درجہ تھا کہ وہ آپ کی بزرگی اور علوئے مرتبت کے سامنے کسی دوسرے کو نہ مانتا تھا۔ "عمل صالح" میں ہے کہ

حضرت بادشاہ حقائق آگاہ، اس مقتدائے صاحب عرفان (میاں میر) کی صحبت کے اس درجہ والا و شیدا تھے کہ اُس سے زیادہ کسی عقیدت و شیفتگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ بارہا آپ کے محمودہ اطوار اور مبارک احوال کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے کہ اس سرزمین کے مشائخ میں میں نے میاں میر جیسا کامل نہیں پایا۔ اور اُن کے بعد شیخ المشائخ شیخ فضل اللہ ہیں۔

ؒ عہد حکومت شاہجہاں - ۸/ جمادی الثانی ۱۰۳۷ھ تا یکم ذیقعدہ ۱۰۶۸ھ ہجری وفات ۲۶/ رجب ۱۰۷۶ھ (افٹ نوٹس مقالات الشعراء ص۱۴۱ بضمن ابراہیم)

www.maktabah.org

دارا شکوہ کی عقیدت

دارا شکوہ[1] بھی حضرت میاں میرؒ کا عاشق تھا۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ نے بھی اس کی روحانی تربیت اور ذوق و شوق کو آب و رنگ بخشا تھا۔

دارا شکوہ کی روایت ہے کہ جب کہ میری عمر بیس سال کی تھی، میں ایسا سخت بیمار ہوا کہ طبیبوں نے جواب دے دیا۔ میرے والد مجھے لے کر میاں میرؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ میرا یہ لڑکا بیمار ہے اور طبیب اس کے علاج سے عاجز آچکے ہیں۔ آپ اس کے لئے دعا فرمائیے۔ آپ نے پانی پر دم کر کے مجھے دیا۔ میں اس کے پینے سے ایک ہفتے بعد بالکل اچھا ہو گیا۔

---

[1] دارا شکوہ شاہجہاں کا سب سے بڑا لڑکا تھا جو اپنی دو بہنوں حورالنساء اور جہاں آرا بیگم کے بعد ۲۹ صفر روز شنبہ ۱۰۲۴ھ کو بانو بیگم المخاطب بہ ممتاز محل کے بطن سے اجمیر میں بمقام ساگر تال پیدا ہوا۔ ابو طالب کلیم نے اس کی تاریخ ولادت اس مصرع سے نکالی: ع

"گل اولین گلستان شاہی" (۱۰۲۴ھ)

اس کا علمی مرتبہ بہت بلند تھا۔ تصوف سے اس کو غیر معمولی دلچسپی تھی اور صوفیہ سے دلی عقیدت رکھتا تھا۔ اس کی تصانیف جن کا اس وقت تک پتہ چل سکا، اور جو فارسی ادب اور تصوف کا بہترین سرمایہ سمجھی جاتی ہیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) سفینۃ الاولیاء (۲) سکینۃ الاولیاء (یہ کتاب میاں میر اور ان کے مریدوں کے حالات پر مشتمل ہے) (۳) رسالۂ حق نما (۴) حسنات العارفین یا شطحیات (۵) مجمع البحرین (۶) سر اکبر (۷) ترجمہ بھگوت گیتا (۸) بیاض دارا شکوہ (۹) دیوان دارا شکوہ (۱۰) دیباچہ مرقع (۱۱) جوگی (۱۲) نادر النکات (۱۳) رسالہ معارف (۱۴) مکاتیب۔

۲۱ ذی الحجہ ۱۱۶۹ھ کو دارا شکوہ اپنے بھائی عالمگیر کے حکم سے قتل کیا گیا۔ سیف خاں نظر بیگ چیلا اور بعض دوسرے لوگوں نے اسے قتل کیا اور ہمایوں کے مقبرے کے تہ خانے میں جس میں شاہزادہ دانیال اور شہزادہ مراد مدفون ہیں دفن کیا گیا۔ "غم شاہ" سے یہ ہے کہ اسی لباس میں دفن کیا گیا جو قتل کے وقت اس کے جسم پر تھا۔ (ماخوذ از فٹ نوٹس مقالات الشعراء مرتبہ سید حسام الدین راشدی بضمن فارسی ہند ۵۰۲ تا ۵۰۱)

لیکن جس وقت دارا شکوہ کو بیعت کا خیال پیدا ہوا، اُس وقت میاں میر وفات پا چکے تھے، اس لئے اُس نے آپ کے خلیفہ ملا محمد بدخشی سے بیعت کی۔

خلفاء میاں میر کے خلفاء میں شیخ شاہ محمد مشہور بہ ملا شاہ بدخشی کو خاص شہرت حاصل ہے۔ ملا محمد بدخشی بن قاضی ملا عبدی موضع ارکسا (علاقہ روستاق۔ بدخشاں) میں پیدا ہوئے، اور ۱۰۲۳ھ میں لاہور آکر میاں میر کے مرید ہوئے اور تیس سال تک پیر کی خدمت میں رہ کر ریاضتیں اور مجاہدے کرکے انھوں نے کشمیر کو اپنا وطن بنایا، دارا شکوہ اور جہاں آرا نے اُن کے لئے ایک پہاڑ کے دامن میں خانقاہ تعمیر کرائی۔ جب تک اُن کے پیر حیات رہے وہ التزاماً موسم سرما میں کشمیر سے لاہور آکے پیر کی خدمت میں حاضر ہوتے، دارا شکوہ نے ملا محمد بدخشی کی ریاضتوں اور مجاہدوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مجھے لوگوں سے معلوم ہوا کہ آپ متواتر سات سال تک عشا کی نماز کے بعد صبح کی نماز تک حبس نفس کے ساتھ ذکر خفی کرتے تھے۔ اس کا بیان ہے، کہ تیس سال تک آپ ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں سوئے۔

کشمیر میں زہد و ریاضت کی وجہ سے ملا محمد بدخشی کو غیر معمولی مقبولیت حاصل تھی اور دوسرے لوگ آپ سے بیحد متاثر ہوتے تھے۔ تصوف میں آپ کا مسلک صرف وحدت الوجود تھا۔

ولی رام نامی ایک کائستھ جو مغلیہ حکومت میں ایک امیر تھا، وہ دارا شکوہ اور ملا بدخشی سے اس قدر متاثر ہوا کہ سب کچھ تج کر ملا بدخشی سے بیعت ہوا۔ ولی رام کے بعض اشعار تذکروں میں ملتے ہیں۔ جن میں وحدت الوجود کا رنگ نمایاں طور پر جھلکتا ہے۔

رباعی

بی نشانیم تو، با نشان تو ایم
مانہ آن خودیم، آن تو ایم
مظہر جلوۂ صفات تو اند
این نشانہا نشان ذات تو اند

www.maktabah.org

پاکی از فکر و از قیاسِ ما　　اے تو پیدا دریں لباسِ ما
مظہرِ ذاتِ تو ہمہ اشیا　　بے تو ما توئی، و خود تو و ما
ذاتِ تو در صفاتِ تو پیدا　　صفتِ عینِ ذات اسے مولا
ما ہمہ موج بحرِ ذاتِ توایم　　مظہرِ مجملِ صفاتِ تو ایم

ملا بدخشی بھی بلند پایہ شاعر تھے، دارا شکوہ نے سکینۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ اُن کا ایک مجموعہ کلام بھی مرتب ہوچکا تھا۔ سکینۃ الاولیاء میں اُس نے اُن کی بعض غزلیں بھی نقل کی ہیں جو اُن کے علوئے فکر، نزاکتِ تخییل اور مسلکِ وحدت الوجود کی آئینہ دار ہیں۔ ہم اُن کے یہاں بعض اشعار نقل کرتے ہیں۔

رباعی

بردیم بسر تردد لابد را　　رفتیم تمام راہِ بود وشد را
شد تا مطلب مقابل آئینہ دل　　دیدیم در آئینہ جمالِ خود را

حرفِ دیوانگی است در دلِ ما　　چہ زند سر دگر ازیں گلِ ما
در تماشاش فرضہا ہمہ رفت　　چیست پرسیدن از نوافلِ ما
روی او در مقابلِ مرات　　روی ما بود در مقابلِ ما
در رہِ عشق آنکہ ما را کشت　　غیرِ ما کس نبود قاتلِ ما
وصل داد ایں خبر کہ غیر یکی　　نیست موصول ما و واصلِ ما
از سرِ اتحاد ایں برخاست　　میل ما اوست، اوست مائلِ ما
ماکہ جز حق نہ ایم از عرفاں　　پس چہ پرسی ز حق و باطلِ ما

رُباعی

آں راکہ نجاست بر سرِ ایماں جنگ　　او مومن وز ایمانِ من او را صد ننگ
مومن نشود تا کہ برابر نشود　　با بانگِ نماز، بانگ ناقوسِ فرنگ

www.maktabah.org

ملا بدخشی بعض مرتبہ غلبۂ حال کی وجہ سے ایسے اشعار کہہ جاتے جو شرعی نقطۂ نظر سے قابلِ اعتراض ٹھرتے۔ ایک دفعہ انھوں نے ایک اسی قسم کا شعر کہا۔ اس شعر پر کشمیر کے علمار نے ان کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ دیا، اور شاہجہاں سے گذارش کی کہ وہ ان پر حدِ شرعی جاری کرے، شاہجہاں نے علمار کے ارشاد کے مطابق ظفر خان گورنر کشمیر کو لکھا کہ ان پر حد جاری کرے۔ مگر دارا شکوہ نے سفارش کی کہ حد کے جاری کرنے میں جلدی نہ کرنی چاہیئے اور دوسرے بزرگوں خصوصًا میاں میر سے بھی اس معاملے میں پوچھنا چاہیئے۔ شاہجہاں نے حضرت میاں میر سے دریافت کیا، آپ نے فرمایا کہ غلبۂ حال کی وجہ سے ملا بدخشی سے یہ باتیں سرزد ہوتی ہیں، جو کسی طرح مناسب نہیں، لیکن اُسے اِس وجہ سے قتل نہ کرنا چاہیئے۔ شاہجہاں نے آپ کے مشورے پر عمل کیا، اور خاموش رہا۔ چند دن کے بعد جب ۱۶۳۹ء میں شاہجہاں کشمیر آیا تو اس نے بعض صوفیانہ مسائل پر ملا بدخشی سے گفتگو کی۔ صاحب بادشاہ نامہ[1] نے اس ملاقات کا تذکرہ تفصیل سے کرتے ہوئے لکھا ہے کہ۔

> یکم جمادی الثانی ۱۰۴۹ھ کو ملا شاہ بدخشی جو میاں میر قادری کے خلیفہ ہیں، اور کشمیر میں گوشۂ تنہائی میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ بادشاہِ درویش نواز (شاہجہاں) کی طلب پر تشریف لائے۔ اور اس ملاقات میں بہت سے بلند نکات کے متعلق گفتگو ہوئی۔ بادشاہ نے اُن کو نہایت تلطف و مہربانی سے خوش ہو کر رخصت کیا۔

۱۰۵۰ھ میں دارا شکوہ اور اس کی بہن جہاں آرا ملا شاہ محمد بدخشی سے مُرید ہوئے، وہ دارا شکوہ سے اس قدر خوش تھے کہ فرمایا کرتے تھے کہ اس سے سلسلۂ قادریہ کو غیر معمولی ترقی ہوگی۔

---

[1] بادشاہ نامہ کا مولف شیخ عبدالحمید ہے۔

www.maktabah.org

سنہ ۱۰۶۹ھ میں جب اورنگ زیب صاحب تخت و تاج ہوا تو علماء نے پھر ایک مرتبہ ملا بدخشی کے خلاف آواز بلند کی۔ علماء کے احتجاج پر اورنگ زیب نے اُن کو طلب کیا لیکن کشمیر کے گورنر نے لکھا کہ ملا بدخشی خرابی صحت کی وجہ سے سفر کے قابل نہیں۔ اُسی زمانے میں ملا شاہ بدخشی کے وہ اشعار جو آپ نے اورنگ زیب کی تخت نشینی کی مبارک باد پر لکھے تھے، وہ اورنگ زیب تک پہنچائے گئے جو یہ تھے۔

صحنِ دلِ من چو گُلِ خورشید شگفت ۔۔۔ کآمد حق و غبارِ باطل را رُفت
تاریخِ جلوسِ شاہ حق آگہ خواست ۔۔۔ "ظِلّ الحق" "الحق" ایں را حق گفت
۱۰۶۹ھ

اس کے بعد اورنگ زیب نے اپنے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا اور حکم دیا کہ ملا بدخشی اب کشمیر کے بجائے لاہور میں رہیں۔ اس حکم کے بعد ملا بدخشی نے لاہور میں اقامت اختیار فرمائی لیکن لاہور کی زندگی میں وہ بالکل گوشہ تنہائی اختیار کئے رہے حتیٰ کہ اپنے مریدین کے وہ کسی سے نہ ملتے تھے۔ ابھی آپ کو لاہور میں ایک سال بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ ملا بدخشی بخار میں مبتلا ہوئے اور اسی بیماری میں ۱۵ صفر سنہ ۱۰۷۲ھ کو آپ نے لاہور ہی میں وفات پائی اور احاطہ میاں میر میں مدفون ہوئے۔

ا۔ میاں میر اور ملا بدخشی کے حالات کی یہ تفصیل اردو کوثر مولفہ شیخ اکرام صاحب ص ۳۵۱ تا ۳۶۰ اور فٹ نوٹس مقالات الشعراء بہمن قادری ص ۵۰۲ تا ۵۰۳ مرتبہ سید حسام الدین راشدی صاحب سندھی سے ماخوذ ہے۔

۲۔ سید حسام الدین صاحب راشدی نے مقالات الشعراء کے فٹ نوٹس (بہمن قادری) میں لکھا ہے کہ ملا بدخشی کے سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ صاحب تاریخ لاہور سید عبداللطیف نے آپ کا سنہ وفات (۱۰۸۰ھ) اور صاحب مفتاح التواریخ نے بحوالہ مراۃ جہاں سنہ ۱۰۷۱ھ نقل کیا ہے۔ اور مفتی غلام سرور نے جو آپ کی تاریخ وفات کہی ہے اس سے ۱۰۶۹ھ مستخرج ہوتا ہے۔ رفٹ نوٹس مقالات الشعراء بہمن قادری ص ۵۰۳ شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ۔

شیخ مغل چاچک

حالات

شیخ مغل چاچک[1] سندھ کے ممتاز ترین صوفیاء میں تھے۔ سید عبدالقادر حسینی صاحب حدیقۃ الاولیاء نے ان کے محامد و مناقب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

وے از جملہ اولیائے اہل دل و عارف کامل بودہ سرخیل مرتاضان و زاہدان و سردفتر مستعدان و مجاہدان گشتہ ہموارہ ہمیشہ پاس جواہر انفاس عیسوی داشت۔

میر علی شیر قانع ٹھٹھوی اپنی مشہور کتاب تحفۃ الکرام میں ان کے متعلق لکھتے ہیں۔

شیخ مغل چاچک از اجل اولیائے اہل دل و در کرامت و کشف کامل بودہ[2]۔

صاحب تحفۃ الطاہرین نے ان کی مدح سرائی ان الفاظ میں کی ہے۔

وے صاحب وجد و حالات و مظہر کشف و کرامات بود[3]۔

شیخ مغل چاچک کو ابتدا ہی سے عبادت کا بڑا ذوق و شوق تھا اور ہمیشہ اپنے دن اور رات کو ذکر الٰہی سے معمور رکھتے تھے۔ رات کو کثرت عبادت کی وجہ سے

---

۱ سندھ کی ایک قوم کا نام ہے اور اس نام سے ایک گاؤں بھی تعلقہ بدین میں ہے۔ اس گاؤں کے اس نام کی وجہ سے اس کے آس پاس کے علاقے کو سرکار چاچکاں کہتے ہیں۔

۲ حدیقۃ الاولیاء قلمی ص ۲۴۴ ۲ تحفۃ الکرام ص ۲۴۹ ۳ تحفۃ الطاہرین ص ۲۴

مطلقاً نہ سوتے تھے۔

مرزا شاہ حسن ارغون اپنے زمانۂ حکومت میں نصرپور کے ایک رئیس کو قید کردیا۔ اس رئیس کے اعزہ وابستہ با شیخ مغل چاچک سے بے حد عقیدت وارادت رکھتے تھے۔ لیکن اس مصیبت کے موقع پر وہ شیخ برکیہ کاتیار کے پاس رجوع ہوکر خواستگارِ دعا ہوئے۔ شیخ برکیہ کاتیار نے اُن سے کہا کہ وہ ایک گائے لے کر آئیں، یہ لوگ اپنے گاؤں واپس ہوئے اور گائے لے کر چلے۔ ان کے راستے میں قوم ماہیان کا ایک تالاب پڑتا تھا، جس کے متصل ایک سبزہ زار تھا۔ شیخ مغل چاچک ہمیشہ اس تالاب میں غسل کرکے اس سبزہ زار میں عبادت و اوراد و وظائف میں دن کا بڑا حصہ گزارتے تھے۔ جس وقت یہ لوگ گائے لے کر اس تالاب کے پاس سے گزرے۔ تو اس وقت آپ اُسی سبزہ زار میں موجود تھے۔ آپ نے ان لوگوں کو گزرتے ہوئے دیکھا تو اپنے خادم سے فرمایا کہ اُن سے پوچھے کہ یہ کس کام کے لئے جارہے ہیں۔ ان لوگوں نے کوئی معقول جواب نہ دیا۔

شیخ مغل کو اُن کا یہ طرزِ عمل ناگوار گزرا اور آپ خاموش ہوگئے، جب یہ لوگ گائے لے کر شیخ برکیہ کاتیار کی خدمت میں پہنچے تو اُنھوں نے فرمایا افسوس ہے کہ تمھارا گائے کا لانا بالکل بے کار ثابت ہوا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے جو عمل کیا تھا، شیخ مغل نے اس کو رد کردیا۔ اب کچھ نہیں ہوسکتا اپنی گائے کو واپس لے جاؤ۔ چنانچہ اسی روز مرزا شاہ حسن نے اس رئیس کو قتل کرادیا۔

وفات شیخ مغل چاچک نے ٹھٹھہ میں وفات پائی۔ اور آپ کا مزارِ مبارک ٹھٹھہ کے مشہور قبرستان مکلی میں

زیارت گاہ خاص و عام ہے[1]۔

اولاد شیخ مغل چاچک کی وفات کے بعد اُن کے صاحبزادے شیخ موسیٰ مسند آرائے زہد و اتقا ہوئے۔ شیخ موسیٰ اپنی بزرگی و تقویٰ کے ساتھ ساتھ مہمان نوازی میں بھی خاص شہرت رکھتے تھے[2]۔

---

[1] یہ تمام تفصیل حدیقۃ الاولیا، قلمی ص ۲۴۴-۲۴۵-۲۴۶ و تحفۃ الکرام ص ۲۴۹/۳ و تحفۃ الطاہرین ص ۳۴-۳۵ سے ماخوذ ہے۔

[2] حدیقۃ الاولیا، قلمی ص ۲۴۶-۲۴۷

www.maktabah.org

(۴۳)

میر محمد یوسف رضوی

خاندان اسم گرامی محمد یوسف رضوی تھا۔ آپ کے والد میر محمد جادم تھے جو اپنے وقت کے مشہور بزرگ تھے۔ آپ کے آبار واجداد بھکر[1] کے سادات رضوی سے تھے۔ یہ خاندان شرافت، جلالت میں خاص امتیاز رکھتا تھا۔[2]

بیعت صاحب تحفۃ الکرام کا بیان ہے کہ میر محمد یوسف رضوی نے جناب سید شاہ مبارک سے فیض تربیت روحانی حاصل کیا تھا۔ جو شیخ دانیال کے خاص مریدوں میں تھے، اور شیخ دانیال سید محمد جونپوری[3] کے خلفا اور مریدوں میں تھے

---

[1] بھکر سندھ کا ایک قدیم شہر ہے جو سندھ کی رائے حکومت کے بعد اُس وقت آباد ہوا جب اَلُور شہر ویران ہوا، اُلور کی کچھ آبادی اس جگہ آکر آباد ہوئی، پھر اسی آبادی کو بھکر کہنے لگے۔ بھکر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب سید محمد مکی صبح کے وقت اس آبادی میں داخل ہوئے تو انھوں نے کہا۔ جعل اللہ بُکرتی فی بقعۃ المبارکۃ (اللہ میری صبح مبارک جگہ پر کرے) بُکرہ عربی میں صبح کو کہتے ہیں۔ اُسی وقت سے یہ شہر بکر کے نام سے مشہور ہو گیا۔ پھر رفتہ رفتہ یہ نام بھکر ہو گیا۔ بعضوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب سید محمد مکی اس مقام میں داخل ہوئے تو اُن کے خادموں نے اُن سے پوچھا کہ کہاں سامان رکھا جائے، فرمایا کہ جہاں تم صبح کے وقت بقر (گائے) کی آواز سنو، اس وقت سے اس کا نام بقر پھر رفتہ رفتہ بھکر ہو گیا ہے (تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۲۲)

[2] تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۰۳ و ۱۰۴

[3] سید محمد نام تھا۔ ــــــــ لیکن آپ مشہور مہدی موعود کے لقب سے ہوئے بسلسلہ

ٹھٹھہ میں تشریف آوری

جب رفتار الٰہی سے دل روشن ہوگیا تو آپ نے بھکر کی سکونت ترک کر کے ٹھٹھہ کو اپنا مسکن بنالیا، اور عبادت و ریاضت کے لئے مکلی میں اس جگہ کا انتخاب کیا جہاں سید محمد جیدی میراں

صفحہ ۲۳۴

(بقیہ فٹ نوٹس) یہ ہے سید محمد بن سید عبداللہ بن عبدالغفار بن موسیٰ بن قاسم بن نجم الدین بن عبداللہ بن یوسف بن یحییٰ بن نعمت اللہ بن اسمٰعیل بن موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن باقر علی بن زین العابدین بن سیدنا امام حسینؓ بن امیرالمومنین سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

آپ کی ولادت ۱۴ جمادی الاول بروز دوشنبہ ۸۴۷ھ کو شہر جونپور میں ہوئی۔ جب آپ کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو آپ نے شیخ دانیال جونپوری سے تعلیم شروع کی، اور سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرلیا۔ آپ کی غیر معمولی ذہانت و ذکاوت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آپ ۸۵۹ھ میں جب کہ آپ کی عمر بارہ سال کی تھی علوم ظاہریہ کی تعلیم سے فارغ ہو چکے تھے۔ آپ کے غیر معمولی تبحر علمی کو دیکھ کر اس دور کے اکابر علماء نے آپ کو اسد العلماء کا خطاب دیا تھا۔

سترہ سال کی عمر میں آپ تصوف کی طرف مائل ہوئے۔ تقریباً سات سال تک آپ پر استغراق کی کیفیت طاری رہی۔ جس کے بعد بارہ پانچ سال تک تھوڑا تھوڑا سکر و صحو کی کیفیت طاری رہی۔ اس وقت آپ کی عمر ستائیس سال کی تھی۔ اس کے بعد تقریباً گیارہ سال آپ جونپور ہی میں زہد و تقویٰ کی زندگی بسر کرتے رہے۔

۸۸۷ھ میں آپ نے جونپور سے ہجرت کر کے عظیم آباد پٹنہ کے جنگلوں میں کچھ دن قیام فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر چالیس سال کی تھی۔ یہاں سے آپ چندیری تشریف لے گئے، وہاں سے مالوہ کے پایہ تخت مانڈو میں آئے۔ یہاں کا بادشاہ غیاث الدین خلجی (متوفی ۹۰۶ھ) آپ کا معتقد ہوگیا۔ یہاں آپ کے مواعظ، پاکیزہ اخلاق اور سنت نبوی کے اتباع کی وجہ سے ہزاروں انسانوں نے ہدایت حاصل کی۔

۹۰۱ھ میں آپ بیجاپور، دکن، گجرات تشریف لائے اور تقریباً ڈیڑھ سال تک احمدآباد میں لوگوں کو ہدایت فرماتے رہے۔

سنہ ۹۰۳ھ میں آپ گجرات سے براہ نہروالہ آئے، پھر پٹن گئے۔ یہاں سے گجرات تشریف لے گئے

جونپوری اقامت پذیر ہوئے تھے۔ آپ کے وقت کا زیادہ حصہ اسی جگہ یادِ الٰہی میں گزرتا تھا۔ اور اس درجہ صاحبِ تجلیات و مظہرِ کرامات تھے کہ ہر شخص آپ کی بزرگی اور ولایت کا معترف تھا۔

(بقیہ فٹ نوٹس صفحہ ۲۳۵) آپ جہاں بھی پہنچے تھے ہر جگہ لوگوں کو ہدایت فرماتے تھے اور آپ کے مریدوں اور معتقدوں کا حلقہ وسیع ہوتا جاتا تھا۔

سنہ ۹۰۵ھ میں آپ نے بمقام برلی علی الاعلان مہدویت کا دعویٰ کیا۔ علماء اور عوام میں آپ کے خلاف شورش پیدا ہوئی۔ برلی سے آپ قصبہ تھراڈ، جالور اور ناگور ہوتے ہوئے سنہ ۹۰۶ھ میں براہ جیسلمیر نصرپور (سندھ) پہنچے۔ وہاں سے ٹھٹھہ تشریف لائے۔ ٹھٹھہ سے آپ نوسو اشخاص کے ساتھ خراساں روانہ ہوئے۔ پہلے آپ قندہار پہنچے۔ اُس وقت قندہار کا حاکم شاہ بیگ ارغون تھا جو بعد میں سندھ کا فرمانروا ہوا۔ وہ آپ کے ساتھ نہایت عزت و احترام سے پیش آیا پھر ۱۱ ربیع الاول سنہ ۹۱۰ھ قندہار سے آپ فرح پہنچے۔

۱۹ ذیقعدہ سنہ ۹۱۰ھ مطابق ۲۳ اپریل سنہ ۱۵۰۵ء کو دوشنبہ کے روز آپ نے تریسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ کے صاحبزادے میراں سید محمود نے جنازے کی نماز پڑھائی اور موضع لج اور فرح کے درمیان مدفون ہوئے۔

ٹھٹھہ کے دورانِ قیام میں شہر اور اطراف کے متعدد مقتدر اصحاب آپ کے مرید ہوئے۔ شیخ صدرالدین، خان دریاخان، علامہ قاضی قاضن، شیخ جھنڈہ پاتنی بیعت ہوئے۔ ٹھٹھہ کے مشہور رضوی سادات خاندان کے جدِ اعلیٰ سید محمد یوسف بھکری، سید مبارک شاہ شیخ دانیال کے مرید ہو کر سید محمد جونپوری کے سلسلے میں داخل ہوئے۔

صوفی شاہ عنایت کا قصبہ جھوک میراں محمد جونپوری کے نام پر ہی میراں پور سے موسوم ہوا اس لئے کہ سید صاحب نے کچھ دن اس قصبہ میں قیام فرمایا تھا (ماخوذ از فٹ نوٹ سندھی تحفۃ الطاہرین مرتبہ آغا بدرعالم دُرّانی بحوالہ تذکرہ محمد بن طاہر پٹنی مرتبہ ابوظفر ندوی)

سندھ کے فرمانروایانِ خاندان کلہوڑا کا شجرۂ طریقت بھی سید میراں محمد جونپوری سے ملتا ہے کلہوڑا خاندان کے دوسرے فرمانروا میاں نور محمد نے اپنے وصیت نامے موسوم منشور الوصیت

www.makhtaban.org

بزرگوں کا اعتراف

حقائق و معارف آگاہ سید عبد الکریم متوطن بلڑی نے آپ کی بزرگی و ولایت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہندوستان سے ایک صاحب باطن درویش بلڑی تشریف لائے اور ایک مسجد میں قیام فرمایا۔ میں ہر روز صبح کی نماز کے بعد اُن کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ ایک دن اُنھوں نے ٹھٹھہ کے اولیاء اللہ کے متعلق جو اُس وقت موجود تھے۔ مجھ سے پوچھا، میں نے ہر ایک کے متعلق مختصر طور پر جو کچھ جانتا تھا اُن کو بتلایا۔ وہ خاموشی سے سب کے حالات سنتے رہے، جب میں کہہ چکا تو اُنھوں نے فرمایا کہ اس وقت تک تم نے جن بزرگوں کے حالات مجھ سے بیان کئے ہیں مجھے اُن میں سب سے بڑھ کر ولایت و مدارج میں سید محمد یوسف نظر آتے ہیں۔ دوسرے دن حسب معمول میں جب صبح کی نماز کے بعد اُن کی خدمت میں گیا تو وہ درویش موجود نہ تھے، مجھے خیال ہوا کہ وہ غالباً ٹھٹھہ حضرت سید محمد یوسف کی خدمت میں گئے ہوں گے۔ میں بھی ٹھٹھہ پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ وہ سید محمد یوسف کی خدمت میں نہایت ادب سے جوتوں کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں بھی خاموشی سے ایک گوشے میں بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سید محمد یوسف نے اپنے جوتے تبرکاً درویش کو دیئے۔ درویش نے نہایت خوش ہو کر اس عطیہ کو قبول کیا اور آپ سے رخصت کی اجازت چاہی اور مجھ سے فرمایا کہ ان جوتوں سے میرے لئے ایک ٹوپی بنوا دو۔ میں نے فوراً ہی اُن کے ارشاد کی تعمیل کی۔ اور اُن کے لئے ایک ٹوپی تیار کرائی۔ اُنھوں نے اس کو سر پر رکھ لیا۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۲۳۶) میں نادر شاہ کی لوٹ مار کی شکایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سفاک ناپاک کے ہاتھوں سے ہمارا کتب خانہ بھی محفوظ نہ رہا۔ وہ ہمارا شجرہ بھی لے گیا۔ ہم خاندان سہروردی میں بیعت ہیں اور ہمارا سلسلہ سید میراں محمد جونپوری تک پہنچتا ہے۔

(ماخوذ از منشور الوصیت قلمی مملوکہ سید حسام الدین راشدی)

www.maktabah.org

اور خانہ کعبہ کی طرف روانہ ہو گئے۔[1]

شاعری سید محمد یوسف شعر بہت کم کہتے تھے، لیکن عشق حقیقی اُن کا سرمایہ حیات تھا اور یہی جذبہ کبھی کبھی شعر کی صورت اختیار کر لیتا تھا۔ صاحب تکملہ مقالات الشعراء ابراہیم خلیل ٹھٹوی نے اُن کی ایک رُباعی نقل کرتے ہوئے اپنے تذکرے میں لکھا ہے:

"والحمدللہ کہ بعفریک رُباعی آنجناب مسرت بخش شدہ۔ تحریر می‌یابد

آں جلوہ گوہر گوش تعلقاں را زینت بخشم منم

ہر کہ رو توجہ بہ منزل حق کند تو بیں افلاک شود مدام او

گر جہاں جملہ شود دشمنش کج نکند موئے از اندام او[2]

ازدواج و اولاد آپ نے جوانی ہی میں ایک شادی کی تھی جس سے اولاد بھی ہوئی۔ اُن میں ایک صاحبزادی بھی تھیں جب وہ جوان ہوئیں تو حضرت سید محمد یوسف نے اپنے بھتیجے سید اسحاق ولد میر کمال الدین کو بکھر سے بلا کر اُن کی شادی کر دی۔ سید اسحاق سے اُن کے ایک صاحبزادے پیدا ہوئے جن کا نام سید ابراہیم تھا۔

تربیت ایک دفعہ سید ابراہیم نے بچپن میں اپنے نانا حضرت سید محمد یوسف کے حجرے کے دروازہ کو کھٹکھٹایا۔ آپ نے پوچھا کون ہے؟ اُنھوں نے کہا سید ابراہیم۔ فرمایا بابا! اگر تم فقیر یا صرف ابراہیم کہہ دیتے تو اس سے تمہاری شان میں کچھ کمی نہ ہوتی اور بات جو تم نے سید ابراہیم کہا ہے اس سے تمہارے مرتبے میں کوئی اضافہ نہ ہوا۔[3]

مدفن مزار مبارک مکلی میں ہے اور زیارت گاہ عام و خاص ہے۔[4]

---

[1] تحفۃ الطاہرین ص۳۸ و تحفۃ الکرام جلد ۳ ص۲۰۲۔ [2] تکملہ مقالات الشعراء قلمی باب الیاء ... ملکیہ سید حسام الدین صاحب راشدی۔ [3] تحفۃ الکرام جلد ۳ ص۲۰۲ [4] تحفۃ الکرام جلد ۳ ص۲۰۲ و تحفۃ الطاہرین۔

www.maktabah.org

(۴۴)

مخدوم محمد معین ٹھٹھوی

نام ونسب ووطن آپ کا اسم گرامی محمد معین ہے۔ آپ کے والد محترم کا نام محمد امین اور آپ کے دادا کا نام شیخ طالب اللہ تھا۔ آپ کی والدہ محترمہ فاضل خاں[1] میر منشی کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کا تعلق قوم "کھاوڑ" سے ہے جو سندھ کی ایک مشہور قوم ہے۔ مخدوم محمد معین کے آباؤ اجداد شروع سے ایک موضع "قاں" کے رہنے والے تھے، لیکن آپ کے والد کسی وجہ سے ترک وطن کرکے ٹھٹھہ میں آباد ہوئے۔ یہیں فاضل خان میر منشی نے اس عقیدت کی بنا پر جو اس کو مخدوم محمد معین کے دادا سے تھی، اپنی صاحبزادی کا عقد مخدوم محمد امین سے کیا۔ ٹھٹھہ ہی میں مخدوم محمد معین کی ولادت باسعادت ہوئی۔

تعلیم ٹھٹھہ اس زمانے میں علوم وفنون کا گہوارہ اور جلیل القدر علماء کا مرکز تھا۔ مخدوم محمد معین نے ابتداءً اپنے والد ماجد محمد امین سے تعلیم وتربیت حاصل کی جو اپنے عہد کے اکابر علماء میں شمار ہوتے تھے۔ بعد آپ نے کے تحصیل

---

[1] فاضل خاں میر منشی کا نام ملا عثمان تھا۔ ٹھٹھہ کے ملاؤں کے خاندان سے تھا۔ ٹھٹھہ ہی میں تعلیم وتربیت حاصل کرکے دہلی پہنچا اور عالمگیر کے دربار میں پہنچ کر ذاتی قابلیت اور خوش خلقی کی بدولت اس کے عہد میں فائز ہوا اور اپنی غیر معمولی صلاحیتوں سے ترقی کرتے کرتے میر منشی کے عہدے تک ترقی کی، اور فاضل خان کے خطاب سے سرفراز ہو کر صدر الصدور ہو گیا۔ شاعر بھی تھا۔ اس کے بعض اشعار صاحب مقالات الشعراء نے اپنی کتاب میں نقل کئے ہیں۔ فاضل خان نے ۱۰۹۶ھ میں وفات پائی (مقالات الشعرا باب الفا بضمن فاضل خان صفحہ ۴۸۱ مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ)

www.maktabah.org

اساتذہ میں شاہ عنایت اللہ[1] تھے۔ جن سے آپ نے علوم متداولہ کی تعلیم حاصل کی، شیخ محی الدین ابن عربی کی کتاب فصوص الحکم آپ نے علی رضا درویش[2] سے اس وقت پڑھی جب وہ ٹھٹھہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ حدیث کی تعلیم آپ نے ٹھٹھہ کے مشہور عالم مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی[3] سے حاصل کی۔ مخدوم محمد معین نے اپنی تصنیف دراسات اللبیب میں اپنے اساتذہ میں شاہ ولی اللہ دہلوی اور شاہ عبدالقادر

۱؎ شاہ عنایت اللہ، علامہ احمد کتابی کے شاگرد تھے، جو بہت بڑے عالم تھے۔ جن کے شاگردوں میں علامہ ضیاء الدین ٹھٹھوی اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی بھی ہیں۔ (فٹ نوٹ مقدمہ دراسات اللبیب مرتبہ مولانا عبدالرشید نعمانی ص۲۳ مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ۔

۲؎ شاہ علی رضا درویش حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کے اولاد سے تھے، یہ چند مرتبہ ٹھٹھہ تشریف لائے، صاحب حال بزرگ تھے، اُن کی ساری عمر سیر و سیاحت میں گزری سفر اس صورت سے کرتے تھے کہ گھوڑے پر سوار رہتے، سامنے جھنڈا رہتا، اور ایک اُونٹ کتابوں سے لدا ہوا ساتھ رہتا۔ آخر عمر میں بھکر کے قرب و جوار میں مقیم ہوگئے تھے۔ میاں نور محمد کلہوڑا والیٔ سندھ نے اُن کا کچھ وظیفہ مقرر کر دیا تھا، شاعر بھی تھے۔ (مقالات الشعراء صـ۴۵۰)

۳؎ حاجی مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی بن عبدالغفور بن عبدالرحمٰن بن عبداللطیف بن عبدالرحمٰن ابن خیرالدین سندھی بتورائی۔ آپ کی ولادت ۱۰ ربیع الاول ۱۱۰۴ھ میں ہوئی۔ مخدوم ضیاء الدین کے شاگرد تھے۔ علم و فضل میں یگانۂ روزگار تھے۔ ساری عمر تبلیغ دین، احیائے سنت اور ترویج شریعت کی تلقین کرتے رہے۔ چونکہ آپ کی زبان میں تاثیر اور قلم میں طاقت تھی۔ آپ کی تبلیغ سے بہت سے ذمی مسلمان ہوئے، مخدوم محمد ہاشم نے اُس وقت کے سلاطین نادر شاہ اور احمد شاہ کو پُرزور خطوط لکھے، جن میں انھیں ترویج شریعت اور تقویت دین کی طرف توجہ دلائی۔ جس کی وجہ سے دین کو بڑی تقویت پہنچی۔ اور آپ کی استدعا کے مطابق امور دینی انجام پائے، مخدوم ہاشم کی مختلف علوم پر متعدد تصانیف ہیں۔ جنھوں نے آپ کے نام کو عرب و عجم میں روشن کر دیا۔ مخدوم محمد ہاشم کے نواسے مخدوم غلام محمد کا بیان ہے کہ آپ کی تصانیف کی تعداد (۱۵۰) ہے جن کے تام تکملہ مقالات الشعراء کے فٹ نوٹس میں صـ۵۲ تا ۵۹ پر دیئے گئے، مخدوم

نہ تخت و تاج میں، نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مرد حق آگہ کی بارگاہ میں ہے



آخری دور کے مشہور عالم مخدوم محمد ہاشم کا مزار جنہوں نے اپنی تصانیف سے سندھ کے نام کو عرب و عجم میں روشن کردیا

(بشکریہ سندھی ادبی بورڈ)

(متعلق فٹ نوٹ نمبر ۳ صفحہ ۲۴۰)

www.maktabah.org



کتبۂ مزار

علامہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی

(بشکریہ سندھی ادبی بورڈ)

www.maktabah.org

صدیقی کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ ان کے علاوہ جن سے مخدوم محمد معین استفادہ کیا کرتے تھے۔ اُن میں شیخ جلال محمد[۱] اور علامہ میر سعد اللہ پوربی[۲] بھی مشہور ہیں۔

(بقیہ فٹ نوٹس صفحہ ۲۴۰) محمد ہاشم نے ۶ رجب سنہ ۱۱۷۴ھ کو وفات پائی اور مکلی میں مدفون ہوئے۔ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۳ فٹ نوٹس و مقالات الشعراء صفحہ ۸۴۱/۸۴۲ و فٹ نوٹس تکملہ مقالات الشعراء مرتبہ سید حسام الدین صاحب راشدی صفحہ ۵۲) ٭ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی ولادت سنہ ۱۱۱۴ھ میں ہوئی۔ آپ پندرہ سال کی عمر میں علوم متداولہ سے فارغ ہو چکے تھے۔ آپ کے اساتذۂ حدیث میں شیخ ابو طاہر کردی مشہور ہیں۔

۱؎ شیخ جلال محمد لکراسے کے رہنے والے اور اپنے وقت کے یگانۂ روزگار عالم تھے، نجوم اور طب اور تمام علوم میں دستگاہ کامل رکھتے تھے، ہمیشہ گوشۂ تنہائی میں بسر کرتے، اور اُمراء کے دروازہ پر جانا پسند نہ فرماتے تھے۔ مخدوم محمد معین اُن کے علم کا لوہا مانتے تھے، اور اُن کو علم و فضل کے اعتبار سے بہت سے علماء پر ترجیح دیتے تھے۔ (مقدمہ دراسات اللبیب صفحہ ۱۶ بحوالہ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۰۴)

۲؎ میر سعد اللہ بن سید غلام محمد سلونی سنہ ۱۰۹۰ھ میں قصبہ سلون کلکٹری الہ آباد میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو و نما پائی۔ میر سعد اللہ کا سلسلۂ نسب حضرت امام موسیٰ کاظم رضا سے جا ملتا ہے۔ ان کے بھانجے شیخ پیر محمد سلونی اولیائے کبار میں سے تھے۔ میر سعد اللہ کو بچپن ہی سے طلب علم کا ذوق تھا اور بہت ہی کم عمری میں فارغ التحصیل ہو کر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے تھے تبحرِ علمی کا یہ عالم تھا کہ منطق، فلسفہ، نیرنجات، سیمیا، ہیمیا اور کیمیا وغیرہ میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ انجیل اور توریت سے آپ اس درجہ واقف تھے کہ اس دور کے پادری آپ سے درس لیتے تھے، عالمگیر جیسا صاحب علم و فضل بادشاہ اپنے خطوط میں آپ کو ہمیشہ "سیدی و سندی" کے القاب سے مخاطب فرماتا تھا۔ صاحبِ تصانیف تھے۔ آپ کی تصانیف میں (۱) حاشیہ بر حکمت (۲) رسالہ کشف الحق (۳)، رسالہ چہل بیت مثنوی (۴)، رسالہ ثبوت مذہب شیعہ (۵) رسالہ تحفۃ الرسول (۶) حاشیہ ممین الوصول (فقہ) (۷)، آداب البحث (منطق) اور (۸) حواشی بر حاشیہ قدیم و جدید وغیرہ ہیں۔ علوم باطنی میں آپ کے شیخ مولانا عبد الشکور تھے۔ جن سے آپ نے خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا آپ کا شجرۂ طریقت یہ ہے۔

www.maktabah.org

بیعت مخدوم محمد معین نے علوم ظاہری میں کامل دستگاہ حاصل کرنے کے بعد سندھ کے سلسلۂ نقشبندیہ کے مشہور شیخ مخدوم ابوالقاسم نقشبندی سے بیعت کی جو شیخ سیف الدین سرہندی کے خلفاء میں تھے۔ شیخ سیف الدین سرہندی نے اپنے والد شیخ محمد معصوم نقشبندی سے بیعت وخلافت حاصل کی تھی۔ اور وہ اپنے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۲۴۱)

سید سعد اللہ سورتی - مولینا عبدالشکور - شاہ مسعود اسفرائنی - سید علی - سید جعفر
سید ابراہیم - سید عبداللہ - سید عبدالرزاق - سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ

میر سعد اللہ پورب سے حرمین شریفین زیارت وحج کے لئے حاضر ہوئے۔ اور وہاں سے واپسی پر سورت میں سکونت اختیار فرمائی۔ اسی لئے آپ سورتی کہلاتے ہیں۔ سنہ ۱۱۳۸ھ میں آپ نے سورت ہی میں وفات پائی۔ اور اپنے مکان کے متصل منگل سرا میں مدفون ہوئے۔ سید سعد اللہؒ نے اپنی وفات کے بعد تین صاحبزادے چھوڑے۔ جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) عبدالعلی متخلص بہ عزت (۲) سید عبداللہ (۳) سید عبدالوالی۔

تکملۂ مقالات الشعراء میں ہے کہ جب مخدوم ہاشم ٹھٹھوی نے مخدوم ابوالقاسم نقشبندی سے تلقین کے لئے عرض کیا تو انھوں نے فرمایا کہ مجھ سے تلقین حاصل کرنے والوں کی صورتیں میرے سامنے پیش کی گئیں ان میں تم نہیں ہو۔ یہ جواب سن کر مخدوم محمد ہاشم نے عرض کیا تو مجھے وہ جگہ بتلایئے جہاں میرا شیخ ہے؟ آپ نے فرمایا تم سید سعد اللہ سورتی کی خدمت میں حاضر ہو، جو علامۂ عصر، صاحب ارشاد اور سلسلۂ قادریہ کے جلیل القدر بزرگ ہیں۔ آپ کے ارشاد پر مخدوم محمد ہاشم، سید سعد اللہ سورتی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے استفادہ کیا۔

(مقدمہ دراسات اللبیب فٹ نوٹ نمبر ۱ صفحہ ۱۶ بحوالہ ماثر الکرام وتکملہ مقالات الشعراء)

۶ فٹ نوٹ مقالات الشعراء مرتبہ سید حسام الدین راشدی صفحہ ۱۲۲/۱۲۳ بحوالہ گلدستہ صلحائے سورت صفحہ ۳۳ وسروآزاد صفحہ ۲۳۶ وماثر الکرام صفحہ ۲۱۷ وتحفۃ الکرام جلد ۲۔ صفحہ ۲۳-۳۴

www.maktabah.org

والد حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کے ممتاز خلفاء میں تھے۔ مخدوم محمد معین ایک طویل عرصہ تک اپنے شیخ مخدوم ابو القاسم کی خدمت میں حاضر رہ کر علوم باطنی میں استفادہ کرتے رہے، ان کی اپنے شیوخ سے محبت وعقیدت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مدت العمر اپنے آپ کو ان بزرگوں کا مرید کہتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ میں تو ان کے دروازے کا کتا ہوں[۱]۔

صوفی شاہ عنایت سے عقیدت

آخر میں مخدوم محمد معین وحدت الوجود کے نظریہ سے متاثر ہو کر صوفی شاہ عنایت اللہ سے متعلق ہو گئے۔ آپ کے شیخ مخدوم ابو القاسم نقشبندی کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے ناراضی کا اظہار فرمایا۔ کچھ دن کے بعد مخدوم محمد معین جب اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر تائب ہوئے تو شیخ نے ان کو معاف کر دیا۔ اس معافی کے چند دن بعد ہی مخدوم ابو القاسم واصل الی اللہ ہوئے[۲]۔

شاہ عبد اللطیف بھٹائی سے عقیدت

مخدوم ابو القاسم کی وفات کے بعد وہ شاہ عبد اللطیف بھٹائی کے زمرۂ عقیدت مندوں میں شامل ہو گئے۔ وہ شاہ عبد اللطیف سے غیر معمولی عقیدت و محبت رکھتے تھے، اور شاہ بھی اُن کے ساتھ نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آتے تھے۔ وہ اکثر مخدوم محمد معین کی ملاقات کے لئے ٹھٹھہ تشریف لاتے۔ آپ کی تشریف آوری [illegible] اور سماع کی مجلسیں منعقد ہوتیں۔ مخدوم محمد معین سے حضرت شاہ عبد اللطیف کے تعلق خاطر کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ وہ مخدوم محمد معین کی وفات کے

۱۔ مقدمہ دراسات اللبیب مرتبہ مولانا عبد الرشید نعمانی (ص۱۲) (بحوالہ طومار سلاسل مرتبہ میر علی شیر قانع ٹھٹوی۔

۲۔ مقدمہ دراسات اللبیب ص۱۳

www.maktabah.org

وقت ٹھٹھہ ہی میں موجود تھے [1]

مدرسہ مخدوم محمد معین کی ذات علوم و فنون کا سرچشمہ تھی، ٹھٹھہ میں آپ کا ایک مدرسہ بھی تھا [2] جس میں آپ مختلف علوم و فنون کی تعلیم دیتے اور طالب علموں کے اخراجات خود برداشت فرماتے تھے۔ اس مدرسے کی بدولت سندھ میں علم و فضل کو کافی ترقی ہوئی۔ یہاں کے تعلیم و تربیت یافتہ طلبا ملک میں پھیلے، انھوں نے جابجا درسگاہیں قائم کر کے علم کی اشاعت میں غیر معمولی حصہ لیا۔ مخدوم محمد معین کے شاگردوں میں میر نجم الدین عزلت [3]، مولوی محمد صادق [4]، علامہ محدث محمد حیات سندھی، جعفر شیرازی [5]، شرف الدین علی اور میر مرتضیٰ سیوستانی مشہور ہیں۔

---

[1] مقدمہ دراسات اللبیب ص ۲۴ بحوالۂ مقالات الشعراء

[2] مقالات الشعراء ص ۱۲۳

[3] میر نجم الدین بن میر محمد رفیع رضوی بھکری، میر محمد یوسف رضوی کی اولاد میں تھے۔ مخدوم محمد معین کے ہمشیرزادے اور خاص تلامذہ میں تھے۔ مخدوم محمد معین کی حیات ہی میں اپنے غیر معمولی تجر علمی کی وجہ سے صاحب درس و فتویٰ ہوئے۔ میر نجم الدین کے شاگردوں میں میاں احمد طالب علم اور میاں محمد باقر واعظ نے غیر معمولی شہرت حاصل کی۔ میر نجم الدین نے متعدد تصانیف چھوڑیں۔ ان میں ان کا عربی کا وہ رسالہ جو انھوں نے یک روزی منطق کے طرز پر ایک دن میں عربی میں لکھا تھا، مشہور ہے۔ فارسی میں ان کی تصنیف طوطی نامہ کو جس کی عبارت نخشبی سے زیادہ شیریں ہے، غیر معمولی شہرت حاصل ہے۔ شاعری میں عزلت تخلص کرتے تھے۔ ان کا دیوان قریب ہی میں سندھی ادبی بورڈ سے شائع ہو رہا ہے۔ میر نجم الدین عزلت نے سنہ ۱۱۶۰ھ میں وفات پائی۔ (مقالات الشعراء ص ۴۴۲ بضمن عزلت)

[4] مولوی محمد صادق ولد مخدوم عنایت اللہ مخدوم محمد معین کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ علوم عقلیہ میں غیر معمولی تجر رکھتے تھے۔ لیکن ساری عمر گوشۂ گمنامی میں بسر کی اور شہرت کی دولت سے مالا مال نہ ہو سکے۔ میر علی شیر قانع ٹھٹھوی کے استاد میاں نعمت اللہ علوم عقلیہ میں ان ہی کے شاگرد تھے۔ شیخ شکراللہ ناظم بلدہ (ٹھٹھہ) اور میرک محمد احسن شیخ الاسلام مولوی محمد صادق کی نہایت تعظیم و توقیر کرتے اور ان کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ (مقالات الشعراء ص ۳۶۰)

www.maktabah.org

اہلِ ٹھٹھ کی عقیدت

مخدوم محمد معین نہایت ہر دلعزیز بزرگ تھے۔ اُن کی خدمت میں امیر و غریب سب ہی آتے تھے۔ امراء و اہلِ دول کا اکثر جمگھٹا رہتا، اور وہ آپ کے آستانے کی حاضری کو اپنے لئے باعثِ فخر و مباہات سمجھتے تھے۔ ٹھٹھ کا گورنر نواب مہابت خاں جو اکثر آپ کی خدمت میں عقیدتاً حاضر ہوتا تھا، اسی کی استدعا پر آپ نے ایک کتاب "حلِ اصطلاحاتِ صوفیہ"

(بقیہ فٹ نوٹس صفحہ ۲۴۴)

۵ علامہ محدث محمد حیات بن ابراہیم سندھی کی ولادت سندھ کے کسی قریہ میں ہوئی۔ تحصیل علم کے لئے ٹھٹھہ تشریف لائے اور مخدوم محمد معین سے تعلیم حاصل کی۔ پھر ہجرت کر کے حرمین شریفین تشریف لے گئے اور مدینہ طیبہ میں توطن اختیار کیا۔ ابتداءً شیخ ابو الحسن بن عبد الہادی سندھی کی خدمت میں رہے اور وہاں کے شیوخِ حدیث شیخ عبد اللہ بن سالم البصری، شیخ محمد ابو طاہر بن ابراہیم کورانی اور ابو الاسرار حسن بن علی العجیمی اور دوسرے اکابر سے حدیث کی اجازت حاصل کی۔ درس کے علاوہ تنہائی کو پسند فرماتے تھے اور ہمیشہ نماز با جماعت مسجد نبوی میں صفِ اول میں ادا فرماتے تھے۔ آپ کی تصانیف میں شرح ترغیب و ترہیب، مختصر الزواجر، شرح الحکم العطائیہ وحکم الحدادیہ اور شرح اربعین نوویہ مشہور ہیں۔

علامہ محدث محمد حیات سندھی نے ۱۶ صفر ۱۱۶۳ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ (دراسات اللبیب۔ مقدمہ مولانا نعمانی ص ۵۳ بحوالہ اسلک الدرر)

۶ محمد جعفر شیرازی بطور سیاحت ٹھٹھہ آئے۔ اور کچھ دن مخدوم محمد معین کے پاس قیام کیا۔ اور آپ سے علمی استفادہ کرتے رہے، مخدوم محمد معین ہی کی سفارش پر یہ شیخ شکر اللہ ناظم ٹھٹھہ کے ذریعہ سے محمد خدا داد خاں بن میاں نور محمد کلہوڑا والی سندھ کے صاحبزادے کے دربار میں باریاب ہوئے اور ایک طویل عرصہ تک اس کے مصاحبین میں شامل رہے۔ جب صاحبزادہ محمد خدا داد خان باپ سے آزردہ ہو کر ہندوستان چلا گیا اور اس کا بھائی محمد مراد یاب خان ایران سے اپنے وطن سندھ لوٹا تو اس زمانے میں یہ شیخ شکر اللہ کے قتل کی تہمت میں میاں نور محمد کلہوڑا والی سندھ کے عتاب میں آئے۔ یہاں تک کہ اسی غم میں تقریباً بینائی کھو بیٹھے۔ کچھ دن کے علاج معالجے سے آنکھیں اچھی ہو گئیں اور میاں نور محمد نے ان کو معاف کر کے عزت کے ساتھ اپنے دربار میں رکھ لیا۔ اس کے

کے نام سے لکھی تھی۔ اسی طرح جب نواب سیف اللہ خاں ٹھٹھہ کا گورنر ہوا وہ بھی آپ سے عقیدت اور ربط رکھتا تھا۔

تصانیف مخدوم محمد معین نے تصانیف کا ایک بیش بہا ذخیرہ چھوڑا اور وہ اپنی تصانیف کی وجہ سے بھی منبع فیوض و برکات بنے۔ ان کی تصانیف سے ان کے غیر معمولی تبحر، علم و فضل اور کمال کا اندازہ ہوتا ہے۔ مولانا عبدالرشید نعمانی نے دراسات اللبیب کے مقدمے میں اُن کی حسب ذیل تصانیف کا تذکرہ کیا ہے۔

(۱) رسالہ اویسیہ۔

یہ رسالہ فارسی میں ہے جو مخدوم محمد معین نے شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک سوال پر جو آپ نے اُن سے اویسی سلسلہ کی تحقیق کے بارے میں کیا

(بقیہ فٹ نوٹس) ص۲۴۵ بعد یہ اس کے لئے "جفر جامع" کی تالیف میں مشغول ہوگئے۔ قسمت نے ایک اور کروٹ لی۔ میاں نور محمد کا انتقال ہوگیا اور محمد مرادیاب خاں اس کی جگہ والئ سندھ مقرر ہوا۔ اس نے اپنے باپ سے زیادہ اُن کی قدر و منزلت کی لیکن کچھ دن نہ گزرے تھے کہ ان کو اس کے عتاب کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ مجبوراً عتبات عالیات کی زیارت کے لئے رخصت لے کر روانہ ہوئے۔ اور ۱۱۷۰ھ میں راستے میں قتل کردیئے گئے۔ (تحفۃ الکرام جلد ۲ ص۲۰۹)

ه شرف الدین علی نواب مہابت خاں گورنر ٹھٹھہ کے مصاحبوں میں تھے۔ خدمت احتساب پر فائز تھے۔ انھوں نے بھی مخدوم محمد معین سے علمی استفادہ کیا تھا۔ مخدوم محمد معین کی تصنیف شرح "رموز صوفیاء" پر ان کا مقدمہ بھی ہے۔ مختلف علوم و فنون میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ فارسی کے پختہ گو شاعر تھے اور عارف تخلص کرتے تھے۔ (مقالات الشعراء ص۳۸۲)

ه میر مرتضیٰ سیوستان کے ایک نجیب الطرفین سادات کے گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ ٹھٹھہ میں آکر مخدوم محمد معین سے دینیات کی تعلیم حاصل کی۔ پھر سیوستان کے عہدۂ قضا پر فائز ہوئے۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی سے ان کے دوستانہ مراسم بھی تھے اور یہ شاعری میں اُن سے اصلاح بھی لیتے

تھا لکھا ہے۔

(۲) شرح رموز عقائد رموز صوفیہ ۔ یہ رسالہ آپ نے نواب مہابت خان کی استدعا پر لکھا۔ جس پر آپ کے شاگرد رشید شرف الدین علی کا مقدمہ ہے۔

(۳) اثبات رفع الیدین فی الصلوۃ کے سلسلہ میں آپ نے دو رسالے مرتب فرمائے تھے۔ ایک عربی میں اور دوسرا فارسی میں۔

(۴) ایقاظ الوسنان

(۵) غایۃ الفسخ لمسئلۃ النسخ

(۶) رسالہ فی تحقیقِ اهل البیت

(۷) غایۃ الایضاح فی المحاکمۃ بین النووی وابن الصلاح

(۸) ابراز الضمیر للمنصف الخبیر

(۹) انوار الوجد من منح المجد

(۱۰) رسالہ در بحث تناسخ

(۱۱) رسالہ فی انتقاد الموضعین من "فتح القدیر"

(۱۲) رسالہ فی تحقیق معنی الحدیث (لا نورث ما ترکنا صدقۃ)

(۱۳) مواهب سید البشر فی حدیث الائمۃ الاثنی عشر

(۱۴) قرۃ العین فی البکاء علی الامام الحسین

(۱۵) رسالہ فی بحث حدیث المصراۃ

(۱۶) الحجۃ الجلیہ فی نقض الحکم بالافضلیہ

(۱۷) رسالہ بالاجوبۃ الفاضلہ للامثلۃ العشرۃ الکاملہ

(۱۸) رسالہ فی اثبات اسلام ابی طالب

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۲۴۶) تھے۔ قانع تخلص کرتے تھے۔ یدبیضا میں اُن کے بعض اشعار ملتے ہیں (مقالات الشعراء صفحہ ۵۳)

(۱۹) دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب (یہ آپ کی سب سے آخری تصنیف ہے جس کو مولانا عبدالرشید نعمانیؒ نے ایڈٹ کیا ہے، اور سندھی ادبی بورڈ سے شائع ہو چکی ہے۔ ان کے علاوہ آپ کی بعض کتابیں اور بھی ہیں۔

شاعری کبھی کبھی شعر بھی فرماتے تھے۔ فارسی میں آپ کا تخلص تسلیم اور ہندی میں بیراگی تھا۔ ہم تبرکاً آپ کے چند شعر یہاں نقل کرتے ہیں جو مشاقانہ پختگی علوئے تخیل اور محاسنِ شعری کے آئینہ دار ہیں۔

علی ولی چو امامِ مبین ما شدہ بود
ہر دن توسنِ افلاک زینِ ما شدہ بود
کہ گفت بادت و نے درس ایما امروز
کہ شکل سجدہ بہر سو جبینِ ما شدہ بود۔
بہ بزمِ میکدہ رازِ ازل عیاں دیدم
کہ چشمِ ساقیِ ما دور بینِ ما شدہ بود
جہانِ ہوش بخود بردہ آں پریزادے
سحر کہ یک دمکے ہم نشینِ ما شدہ بود
بزور بازوئے مستی چو ہستیم بشکست
کرشمہ ات کمکے در کمینِ ما شدہ بود
بشہر عشق زفتویٔ بربط و طنبور
سجودِ کوئے خرابات دینِ ما شدہ بود
برائے نقشِ خوشِ دینِ جعفری تسلیم
زجوہر بمن دل نگینِ ما شدہ بود[1]۔

[1] مخدوم نے یہ غزل میر سید محمد عرف میر بھتو کی غزل کے جواب میں لکھی تھی۔

نکھرے ہوئے یک ذرۂ خاکی کے حضور　　　　اُبھرے ہوئے لاکھ آفتابوں کو نہ دیکھ



مزار مخدوم محمد معین ٹھٹھوی (واقع مکلی - ٹھٹھہ)

جو سندھ میں اپنے علم و فضل، تصوف، عرفان اور شاعری کی وجہ سے غیر معمولی شہرت رکھتے ہیں

www.maktabah.org

www.maktabah.org

چو آہو نافہ ریزی از دم مرداں دمے دارم
دریں بیدائے وحشت تاکہ قلاج رمے دارم

خزانِ کثرتِ موہوم نتواند خراشِ من
کہ رخسارِ گلم کز بحرِ وحدت شبنمے دارم

زپیچ و تاب کفر زلف ترسا بچۂ شوخے
پریشاں قبلہ گاہم کیش در ہم برہمے دارم

زفریاد نہان و فاش دست غمزہ پردازی
ربابِ اضطرابم نغمہ زیر و بمے دارم

بیا دریوزہ کن تسلیم زاں "تاجر"[1] کہ می گوید
زاسبابِ جہاں حاصل ہمیں جنسِ غمے دارم[2]

مبادا ہیچ کسے خستہ دل زما تسلیم
کہ زیب خرقہ ما شیوۂ کمانداری ست

کیست رُوباہ کہ از شیر ثریاں صرفہ برد
عقل از چپلقش عشق زبوں می گردد

سگت را خونِ دل دادم کہ با من آشنا گردد
ندانستم زبختِ بد کہ او دیوانہ خواہد شد[3]

---

[1] قاضی عطاء اللہ تاجر بغدادی کی طرف اشارہ ہے۔ جن کی تتبع میں یہ غزل کہی گئی [2] یہ دونوں غزلیں مقالات الشعراء ص ۱۲۶ سے ماخوذ ہیں [3] مقدمہ دراسات اللبیب بحوالہ روزِ روشن ص ۱۰۳

www.urduchannel.org

علوئے مرتبت

مخدوم محمد معین اُن بزرگوں میں تھے کہ بعض مسائل میں وہ انفرادی مسلک رکھتے تھے۔ جن سے علماء کو سخت اختلاف تھا، لیکن اس پر بھی اُن کے تذکرہ نگار اور اُس دور کے جلیل القدر علماء، باوجود اختلاف مسلک کے اُن کی عظمت اور علمی تبحر کے معترف ہیں۔

صاحبِ مقالات الشعراء نے ان کے علوئے مرتبت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے :-

جامع علوم معقول ومنقول، حاوی معالو فروع واصول، کاشف حقائق علمی وعملی، شارحِ دقایق صوری ومعنوی، علامۂ عصر، نحریر وقت، مظہر انوارِ حقائقِ ربانی، مھبط آثارِ معارف سبحانی۔ بیت

آنکہ آمد راست بر بالاش تشریفِ علوم[۱]
تا نیش کس نیست در معقول الا بو علی

مخدوم ابراہیم خلیل[۲] صاحبِ تکملہ مقالات الشعراء نے مخدوم محمد معین کو ان الفاظ میں سراہا ہے :-

عمدۃ العلماء الربانین، قدوۃ المفسرین و المحدثین المخدوم مخدوم محمد معین قدس سرہٗ۔

نواب صدیق حسن خاں نے اپنی کتاب دلیل الطالب علی ارجح المطالب میں اُنھیں شیخ علامہ ادیب محمد معین کے لقب سے یاد کیا ہے۔

---

[۱] مقالات الشعراء ص ۱۲۱ [۲] مخدوم محمد ابراہیم خلیل صدیقی بن مخدوم عبدالکریم ٹھٹھہ کے رہنے والے تھے۔ آپ کی ولادت ماہ جمادی الاول ۱۲۲۳ھ میں ہوئی۔ صاحب علم وفضل اور فارسی کے کہنہ مشق شاعر تھے۔ سندھ کے آخری دور کے فارسی گو شعراء کا تذکرہ تکملہ مقالات الشعراء خلیل کی یادگار ہے۔ خلیل نے ۱۳۱۷ھ میں وفات پائی (تکملہ مقالات الشعراء ص ۲۲۸)

سید نذیر حسن محدث دہلوی نے مخدوم محمد معین کی کتاب دراسات اللبیب پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مخدوم محمد معین اپنے زمانے کے بڑے محقق ہیں، اور ان کی کتابوں پر بڑی وسیع نظر ہے۔

مخدوم مولانا محمد ہاشم کے پوتے علامہ ابراہیم ٹھٹھوی[1] نے باوجود اس کے کہ ان کو بہت سے مسائل میں مخدوم محمد معین سے اختلاف تھا۔ بلکہ مخدوم محمد معین کے رد میں انھوں نے کتاب قسطاس المستقیم لکھی تھی۔ اس اختلاف مسائل و فکر پر بھی ان کے فنی کمال اور مہارتِ علمی کا اعتراف کیا ہے۔ قسطاس مستقیم میں ایک جگہ انھوں نے لکھا ہے:

انہ کان یری فی مدۃ عمرہ کتب علم الفلسفۃ والنجوم والموسیقی وصنف فیہا وفی الریمیا والیکمیا والہیمیا وغیرہا۔	وہ (مخدوم محمد معین) ساری عمر فلسفہ، نجوم اور موسیقی کی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہے اور اُنھوں نے ان علوم میں اور ان کے علاوہ ریمیا، کیمیا اور ہیمیا پر کتابیں لکھیں۔

شیخ فقیر اللہ علوی شکارپوری جو اپنے وقت کے عارفِ کامل اور شیخ طریقت تھے اُن کے مکاتیب کا مجموعہ لاہور سے شائع ہو چکا ہے، اس میں پانچ مکتوب مخدوم محمد معین کے نام ہیں۔ اس مجموعہ کے چوبیسویں اور پچیسویں خط میں آپ نے مخدوم محمد معین کو عالم ربّانی سے مخاطب فرمایا ہے۔

وفات مخدوم محمد معین نے ۱۱۶۱ھ کو عین مجلس سماع میں وفات پائی۔ پہلے گزر چکا ہے کہ شاہ عبد اللطیف بھٹائی سے آپ کو غیر معمولی عقیدت و محبّت تھی، اور شاہ صاحب بھی آپ سے انتہائی خلوص و محبّت رکھتے تھے۔ وفات سے

---

[1] مخدوم ابراہیم بن مخدوم عبد اللطیف بن مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی، اولیائے کاملین اور علمائے راسخین میں سے تھے ۱۱۶۲ھ میں پیدا ہوئے، خواجہ صفی اللہ کابلی سے بیعت کی اور خرقہ خلافت حاصل کیا ۱۲۲۵ھ میں بمقام مڈی علاقہ کچھ میں وفات پائی۔ (فٹ نوٹس تکملہ مقالات الشعراء مرتبہ سید حسام الدین صاحب راشدی ص ۶۵)

ایک دن پہلے شاہ عبداللطیفؒ نے اپنے وطن میں اچانک اپنے مریدوں سے فرمایا، چلو ہم اپنے دوست سے آخری ملاقات کرلیں۔ پھر آپ ٹھٹھ تشریف لائے۔ آپ کے تشریف لانے پر محفل سماع منعقد ہوئی، اس محفل میں مخدوم محمد معین بھی شریک تھے محفل سماع شباب پر تھی۔ عین سرمستی اور ذوق کے عالم میں مخدوم محمد معین اُٹھے اور اندر تشریف لے گئے اور اسی عالم میں واصل الی اللہ ہوئے اور ٹھٹھ کے مشہور قبرستان مکلی میں اپنے شیخ مخدوم ابوالقاسمؒ کی پائنتی مدفون ہوئے۔ شاہ عبداللطیف نے تجہیز و تکفین میں شرکت فرمائی۔ جب ٹھٹھ سے رخصت ہونے لگے تو فرمایا ٹھٹھ میں ہمارا آنا صرف اس (عزیز دوست) کے لئے تھا، آج یہ بھی ختم ہوا۔[۱]

تاریخہائے وفات

مخدوم محمد معین کی وفات پر علمی دنیا میں صف ماتم بچھ گئی۔ ٹھٹھ کا ہر شاعر، ادیب، اہلِ علم اس صدمے سے متاثر تھا۔ مختلف شعراء اور اہلِ کمال نے تاریخہائے وفات کہہ کر مخدوم موصوف کو خراج عقیدت پیش کیا۔

سندھ کے مشہور شاعر محسنؔ ٹھٹھوی[۲] نے اپنے قطعہ تاریخ میں اِس طرح سوز و غم

۱؎ تحفۃ الکرام جلد ۳ ص $\frac{۲۲۹}{۲۳۰}$

۲؎ سندھ کا مشہور شاعر محمد محسن ولد نور محمد ٹھٹھ کا رہنے والا تھا، اس کا خاندانی پیشہ ریشم فروشی تھا۔ لیکن فطری ذوق شعری نے اُسے اِس پیشے کی طرف متوجہ ہونے نہ دیا، میر لطف علی خان ہمت گورنر ٹھٹھ کی سرپرستی و تربیت نے محسن کے جوہر شاعری کو خوب نکھارا، اور اہلِ کمال کی صحبت نے اس کے فن شاعری کو اور بھی چار چاند لگائے۔ یہاں تک کہ شعر میں اس قدر ترقی کی کہ صاحب مقالات الشعراء کا بیان ہے کہ کمال شاعری، لطافت سخن اور ملاحت کلام میں کوئی اس کا حریف نہ تھا۔ اس کی خوش نصیبی کی انتہا یہ تھی کہ اس کا کلام اس کی زندگی میں عالمگیر مقبولیت حاصل کرچکا تھا اور لوگ دُور دُور سے اس کے کلام سے واقف ہوکر اس کے اشعار کو نقل کرنے کے لئے آتے تھے۔ لیکن ہمیشہ وہ اپنے وطن میں ناقدری کا شکار رہا۔ اس پر بھی وہ سرشار و سرخوش زندگی بسر کرکے زمانے

www.maktabah.org

کا اظہار کیا ہے۔

عارفِ دیں معین حق مخدوم
آں کہ در عشق جملہ تن دل شد
نورِ ذہنش بمشکلاتِ علوم
در شبِ جہل بدرِ کامل شد
با کمالاتِ ظاہری از فکر
باطنش مظہرِ فضائل شد
بنگاہی کہ کرد شاہدِ غیب
عین او گشت و سوئے منزل شد
لاجرم سال فوت او گفتند
"قطرۂ دُر بحر واصل شد"

سنہ ۱۱۶۱ھ

(بقیہ فٹ نوٹس ۲۵۲) کی تلخیوں کو فراموش کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

آخر میں میاں نور محمد کلہوڑہ والیٔ سندھ نے اپنے دورِ حکومت میں محسن کا آٹھ آنے یومیہ وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ جس پر وہ ہمیشہ قانع رہا۔ صاحب مقالات الشعراء نے محسن کی حسبِ ذیل تصانیف کا تذکرہ کیا ہے۔

(۱) عقد دوازدہ گوہر
(۲) طرزِ دانش
(۳) اعلام ماتم مشہور بہ حملۂ حسینی (تقریباً دس ہزار اشعار پر مشتمل ہے)
(۴) دیوان غزلیات
(۵) دیوان قصائد
(۶) بیاض محک کمال (یہ کتاب محسن نے میاں نور محمد والیٔ سندھ کے نام معنون کی تھی۔

محسن نے ۲۰ شوال سنہ ۱۱۶۳ھ میں وفات پائی۔ وفات کے وقت اس کی عمر ۴۲ سال کی تھی۔ (مقالات الشعراء ص ۷۰۲ - ۷۰۳ - ۷۰۴ - ۷۳۵)

www.maktabah.org

معین اہلِ حق مخدومِ دوراں
دلیلِ قاطع بر علم چوں سیف
کہ چوں خورشید طبعش گرم گشتے
شتائے سامعاں دم میزد از حیف
ازیں محنت سرا مردانہ در دم
بہماں خانۂ حق رفت چو ضیف
بدل گفتم اگر عرفاں شناسی
بگو زیں درد تاریخے بہر کیف
دو مدّ آہ دل پیہم زد و گفت
"معین دین احمد" رفت صد حیف
سنہ ۱۱۶۱ھ

قانع ٹھٹھوی کے اُستاد میاں نعمت اللہ نے اپنے تاسف کے جذبات کو اس طرح نظم کی صورت عطا فرمائی۔

اے کہ در حضرتِ عزت شدہ قامت مقبول
روحِ فرخندۂ تو یافت بفردوس نزول
بے تو ماتم زدگانند خلائق یکسر
بے تو در رونق علم است علامات خمول
سالِ تاریخ وفات ز خرد پُرسیدم
دست بر دست زناں گفت "شفیع تو رسول"
سنہ ۱۱۶۱ھ

www.makhtabah.org

اے دریغ از قضیۂ وحشت اثر
رحلتِ آں جان نثارِ اہلِ بیت
آں معین الحق و مخدوم الانام
باد روحش در جوارِ اہلِ بیت"
سال فوتش را چنیں گفتا خرد
"وہ چہ بود او دوستدار اہلِ بیت

ٹھٹہ کے مشہور شاعر محمد پناہ رجاؔ ٹھٹوی[1] نے اپنے درد و الم کو اس طرح اشعار کے سانچے میں ڈھالا ہے۔

مخدوم حق کہ بود بدنیا معینِ دیں
در ماتمش دلِ ہمہ مومن حزین اوست
واحسرتا چہ ماتم یک حشر آفت است
ہر یک جدا جدا دلِ اندوہگین اوست
ایں ماتمے ست عام کہ عالم فگار اوست
خاص از برائے خاطرِ ہر ہمنشینِ اوست
آمد بسالِ رحلتِ او ایں ندا زغیب
"ناجی شد او کہ آلِ محمد معینِ اوست"
سـ۱۱۶۱ھ

---

[1] محمد پناہ رجاؔ ٹھٹہ کا بلند پایہ شاعر اور فن شعر میں میر حمید الدین ابو تراب کاملؔ کا شاگرد فقراء اور اہل اللہ کا بیحد معتقد تھا۔

www.maktabah.org

(۴۵)

مخدوم محمد زماں اوّل

نام وخاندان آپ کا اسم گرامی محمد زماں لیکن آپ مشہور خواجہ کلاں کے لقب سے ہیں۔ آپ کے والد کا اسم گرامی شیخ حاجی عبداللطیف نقشبندی ہے۔ آپ کی والدۂ ماجدہ خواجہ عبدالسلام ساکن جون کی صاحبزادی تھیں آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے جاملتا ہے۔ صدیقیوں میں یہ خاندان سب سے پہلے مہدی یا ہارون کے زمانے میں سندھ آیا۔

مخدوم محمد زماں اول کے والد ماجد شیخ عبداللطیف خود بھی صاحب زہد وورع، علم وفضل سے آراستہ اور بلند پایہ بزرگ تھے، وہ مخدوم آدم کے صاحبزادے خواجہ فیض اللہ سے بیعت تھے۔ اور خواجہ حافظ مخدوم ابوالقاسم نقشبندی سے بھی غیر معمولی عقیدت ومحبت رکھتے تھے۔ ان کی تربیت باطنی میں مخدوم خواجہ ابوالقاسم نقشبندی کا بھی بڑا حصہ تھا۔

ولادت حضرت مخدوم محمد زماں اول کی ولادت باسعادت ۲۱ رمضان ۱۱۲۵ھ کو سندھ کے ایک قصبۂ لواری میں ہوئی۔ "من عبادنا المخلصین" سے آپ کا سال ولادت نکلتا ہے۔ بچپن ہی سے آپ کے چہرے سے انوار ولایت ومعرفت درخشاں تھے۔

تعلیم آپ نے علوم ظاہریہ کی تعلیم ٹھٹھہ میں مولانا محمد صادق سے حاصل کی جو ایک متبحر عالم تھے۔

www.maktabah.org

بیعت علوم ظاہری میں آپ ابھی توضیح تلویح ختم کرنے پائے تھے کہ اتفاقی طور پر آپ کی ملاقات ٹھٹھہ کے مشہور بزرگ حضرت ابوالمساکین[1] ٹھٹھوی سے ہوئی۔ حضرت ابوالمساکین نے پہلی ہی نظر میں آپ کے جوہر قابل کو پرکھ لیا۔ نہایت شفقت سے ملے، اور آپ کو اپنی خانقاہ میں لائے۔ اور متعدد ملاقاتوں کے

---

[1] حضرت ابوالمساکین کا اسم گرامی محمد تھا۔ یہ مخدوم آدم کے فرزند مخدوم محمد اشرف کے صاحبزادے ہیں۔ چونکہ بیحد فیاض و سخی تھے، اور مساکین پر غیر معمولی شفقت فرماتے تھے۔ اس لئے ابوالمساکین کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ابوالمساکین کے شیخ طریقت شیخ ابوالقاسم تھے حضرت ابوالمساکین دہلی میں حضرت خواجہ محمد زبیر کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے تھے جو خواجہ ابوالعلیٰ کے صاحبزادے اور حضرت محمد نقشبند ثانی کے نواسے تھے اور وہاں کی مسند رشد و ہدایت پر متمکن تھے اور جن کی خدمت میں حاضری کو شاہان وقت اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ ایک روز حضرت ابوالمساکین حضرت خواجہ محمد زبیر کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کی خانقاہ کے قریب سے بادشاہ کی سواری گزری۔ لوگ خانقاہ کی دیوار پر بیٹھے ہوئے بادشاہ کی سواری کا نظارہ دیکھ رہے تھے کہ خانقاہ کے بعض درویشوں کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ کاش وہ بھی بادشاہ کی سواری کو دیکھ سکتے، آپ نے ان کی تمنا کو محسوس کر لیا اور فرمایا کہ جو کوئی بھی بادشاہ کی سواری دیکھنا چاہتا ہے وہ چلا جائے، میری طرف سے اجازت ہے۔ سوائے حضرت ابوالمساکین کے تمام درویش اٹھ کر چلے گئے، صرف تنہا آپ باقی رہ گئے۔ خواجہ محمد زبیر نے آپ سے فرمایا کہ تم سندھ کے رہنے والے ہو، تم نے بادشاہ کی سواری کبھی نہ دیکھی ہوگی، جاؤ تم بھی دیکھ لو۔ آپ نے فرمایا کہ میں جس بادشاہ کے پاس آیا ہوں، اس کے پاس بیٹھا ہوں۔ مجھے کسی دوسرے بادشاہ کے دیکھنے کی ضرورت نہیں، حضرت ابوالمساکین کا بیان ہے کہ آپ میرے اس جواب سے بے حد خوش ہوئے اور میرے حال پر اس قدر توجہ فرمائی کہ اگر میں دس سال بھی عبادت کرتا تو شاید شیخ کی نظر عطوفت کو اس درجہ حاصل نہ کر سکتا۔ آپ نے مجھے خلافت سے بھی سرفراز فرمایا۔ اس کے بعد آپ حج و زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ حج کے بعد پھر آپ نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ چند روز کے لئے سندھ تشریف لائے اور تقریباً پندرہ روز قیام فرمایا۔

www.maktabah.org

آپ کو حصول معرفتِ الٰہی کی طرف توجہ دلائی، یہاں تک کہ آپ ترک تعلیم کر کے حضرت ابو المساکین کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے، بیعت ہونے کے بعد تقریباً چھ ماہ تک اپنے شیخ کی خدمت میں ریاضتیں اور مجاہدے کرتے رہے۔

خلافت

چھ ماہ کے بعد حضرت ابو المساکین نے آپ کو خلافت عطا فرماتے ہوئے اپنی دستار مبارک آپ کے سر پر رکھی، آپ کو یہ اعزاز بھی بخشا کہ آپ کے جوتے سیدھے کئے اور اپنے مریدوں کو آپ سے بیعت کرایا۔

لواری میں تشریف آوری

سنہ ۱۱۵۰ھ میں آپ اپنے وطن لواری[۵] میں تشریف لا کر زینت آرائے مسند ارشاد و ہدایت ہوئے

جس زمانے میں کہ آپ لواری تشریف لائے یہ قصبہ ویران ہو رہا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں کی زمین شور تھی، اور جنوبی دریائے سندھ کے رُخ بدل لینے کی وجہ سے قصبہ کے تمام کنوؤں کا پانی کھارا ہو چکا تھا، لوگ پانی کی دقّت کی وجہ سے آہستہ آہستہ دوسرے قصبوں اور شہروں میں منتقل ہو رہے تھے۔ آخر میں صرف آپ کے والد ماجد حاجی عبد اللطیف اس قصبہ میں رہ گئے تھے جو کسی صورت میں بھی ترکِ وطن نہ کرنا چاہتے تھے، جب تک کہ آپ کے والد حیات رہے، آپ بھی قدیم لواری میں مقیم رہے۔ لیکن اپنے والد کی رحلت کے بعد آپ نے ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی اور اس جدید شہر کا نام بھی لواری رکھا۔ اور اس میں منتقل ہو گئے۔

(بقیہ فٹ نوٹس ص ۲۵۷) پھر آپ مکہ معظمہ تشریف لے گئے، اور وہیں آپ نے سنہ ۱۱۴۹ھ میں مرض اسہال میں وفات پائی اور جنت المعلیٰ میں مدفون ہوئے، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا مزار مبارک اُم المومنین حضرت خدیجہ رض کے حجرے کے دروازے کے داہنی جانب واقع ہے۔ (مرغوب الاحباب قلمی تذکرہ حضرت ابو المساکین ٹھٹھوی)

[۵] لواری سندھ کے تعلقہ بدین میں ایک قصبہ ہے۔

www.maktabah.org

شاہ عبداللطیف بھٹائی کی حاضری

ایک دفعہ سندھ کے مشہور صوفی اور عظیم المرتبت شاعر حضرت سید شاہ عبداللطیف بھٹائی آپ کی زیارت کے لئے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ جب دروازے پر پہنچے تو خادم کے ذریعے حاضری کی اجازت طلب کی، خادم نے اندر جاکر آپ کو اطلاع دی۔ فرمایا کہ وہ سید ہیں میں خود اُن کے استقبال کے لئے آتا ہوں، خادم جس وقت یہ جواب لے کر آیا تو شاہ نے پوچھا کہ حضرت اس وقت کیا کر رہے تھے؟ خادم نے جواب دیا کہ آپ پر سکوت کا عالم طاری تھا۔ شاہ نے فرمایا کہ وہ جس عالم میں ہیں وہ اُسے چھوڑ کر کہاں ہماری طرف متوجہ ہوسکتے ہیں۔ چلو میں خود ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں، یہ کہہ کر آپ اندر داخل ہوئے جب آپ کی خدمت میں پہنچے تو سندھی کا ایک شعر پڑھا، جس کا ترجمہ یہ ہے۔

راہبر سفر پر روانہ ہوگئے

میں اُن کے بغیر کیسے زندہ رہ سکتا ہوں

آپ نے اُس کے جواب میں سندھی کے چند شعر پڑھے، جن کا ماحصل یہ ہے۔

اُن کے پاس جاکر بیٹھو جن کے ہاتھ میں ایسا قلم ہے جو تقدیر بدلتا ہے۔

وہ لوگ وہی ورق پڑھاتے ہیں جس سے محبوب کا مشاہدہ ہو

شاہ کی عقیدت

حضرت مخدوم زماں شاہ اول سے شاہ لطیف کی عقیدت و محبت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ہمیشہ حضرت مخدوم کی شان میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

میری ماں! میں نے وہ لوگ بھی دیکھے ہیں، جنھوں نے محبوب کو دیکھا تھا

www.maktabah.org

میں اُن کی تعریف کن الفاظ میں بیان کروں[1]۔

مریدوں کی تربیت

مریدوں اور طالبانِ حق کے تزکیۂ نفس کا خصوصیت سے خیال فرماتے تھے۔ شیخ سدہ نورا کا بیان ہے کہ حضرت مخدوم موسمِ گرما میں صبح کے حلقے کے بعد دالان میں تشریف فرما ہوتے۔ آپ کے مرید اور عقیدت مند آپ کے سامنے بیٹھتے، یہاں تک کہ آپ کے حجرۂ مبارک تک لوگ بھر جاتے، پھر آپ اور آپ کے مریدین مراقبے میں مستغرق ہوتے اور ان پر محویت اور استغراق کی یہ کیفیت ہوتی کہ چلچلاتی ہوئی دھوپ سروں پر پڑتی رہتی مگر مطلقاً کسی کو احساس نہ ہوتا تھا۔ تقریباً چاشت کے وقت تک یہ مجلس طول کھینچتی تھی۔ جب لوگ مراقبے سے فارغ ہو کر اُٹھتے تو زمین پسینے سے تر ہو جاتی تھی۔

شب بیداری

آپ کی خانقاہ میں شب بیداری کا خاص طور پر اہتمام ہوتا تھا۔ آپ نے ایک آدمی کو مقرر فرمایا تھا کہ وہ رات کو مقررہ وقت پر عبادتِ الٰہی کے لئے لوگوں کو بیدار کرے۔

ایک روز رات کو خانقاہ میں بعض لوگوں کو سوتا ہوا دیکھ کر نہایت متاسفانہ لہجے میں فرمایا، افسوس ہے کہ یہ لوگ اس طرح بے خبر سو رہے ہیں جس طرح سوداگر گھوڑے بیچ کر بے خبر سوتے ہیں۔

خواجہ محمد عیسیٰ دشتی کی روایت ہے کہ ایک رات مجھ پر نیند کا سخت غلبہ ہُوا۔ میں نے مسجد کے فرش کو اکٹھا کیا اور اُسے لپیٹ کر تکیہ بنا کر سو رہا۔ صبح کو حلقے کے بعد حضرت مخدوم نے اس فرش کو لپیٹے ہوئے دیکھا، اپنے دستِ مبارک سے کھولا اور بچھا دیا۔ جب آپ خانقاہ میں تشریف لائے تو مجھ سے پوچھا۔ میں نے عرض کیا کہ رات

---

[1] یہ تمام تفصیل مرغوب الاحباب قلمی تذکرہ خواجہ محمد زمان سے لی گئی ہے۔ اس میں جو اشعار آئے ہیں وہ سب سندھی میں ہیں یہاں اُن کا ترجمہ دے دیا گیا ہے۔

www.maktabah.org

مجھ پر نیند کا بیحد غلبہ تھا۔ میں نے اس فرش کو لپیٹ کر تکیہ بنا لیا تھا۔ آپ نے فرمایا بابا تم یہاں سونے کے لئے نہیں آئے ہو۔

اتباعِ شریعت

حضرت مخدوم اتباعِ شریعت کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے۔ اور مریدوں کی تربیت میں بھی ہمیشہ اس کی کوشش فرماتے کہ احکامِ شریعت پر اور سنّت نبوی پر پورا پورا عمل کیا جائے۔

ایک دفعہ حافظ صدرالدین[1] سے مخدوم علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد کسی نے آپ کے اوصاف کے متعلق پوچھا، فرمایا کیا پوچھتے ہو حضرت مخدوم تو اتباعِ رسولِ اکرمؐ کا مجسم پیکر تھے، اور آپ کے مُرید بھی اتباعِ رسول اکرمؐ میں آپ کے نقشِ قدم پر تھے۔ پھر اس کے بعد فرمایا، جب آپ بیت الخلار کے لئے تشریف لے جاتے تو میں آپ کے ساتھ جاتا، اتفاقاً ایک دفعہ راستہ میں ایک پیسہ پڑا ہوا تھا۔ میں نے چاہا کہ اس کو اُٹھالوں، آپ نے مجھے منع فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ اس کے اٹھالینے میں کیا حرج ہے۔ فقہا کا فتویٰ تو یہ ہے کہ اگر پڑی ہوئی چیز کا مالک نہ ملے تو وہ کسی مسکین کو دے دینی چاہیئے۔ مجھے بھی اگر اس کا مالک نہ ملا تو میں خیرات کردوں گا فرمایا، یہ صحیح ہے لیکن اس کا اُٹھانا خلافِ مستحب ہے۔ آج ترکِ مستحب کروگے کل ترکِ سنّت پر آمادہ ہوگے۔ اس کے بعد ترکِ فرض کی نوبت آئے گی اور ترکِ فرض بعض مرتبہ انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

جود و سخا

جود و سخا کا یہ عالم تھا کہ حضرت مخدوم نے کبھی گھر میں بچا کر کچھ نہیں رکھا۔ جس روز آپ نے رحلت فرمائی اُس روز بھی

---

[1] حافظ صدرالدین حضرت مخدوم محمد زماں اول کے مریدوں میں خاص امتیاز رکھتے تھے۔ یہ سالہا سال حضرت مخدوم کی خدمت میں رہے۔ وضو کی خدمت حافظ صاحب سے متعلق تھی حضرت مخدوم کے وصال کے بعد چالیس سال حیات رہے (مرغوب الاحباب قلمی تذکرہ حضرت محمد مخدوم زماں اول)

www.maktabah.org

آپ کے گھر میں کچھ نہ تھا۔

وفات حضرت مخدوم زماں ۶۳ سال کی عمر میں ۴ ذیقعدہ ۱۱۸۸ھ میں چاشت کے وقت واصل الی اللہ ہوئے، آپ کا مزار مبارک لواری میں مرجع خاص و عام ہے۔

خلفاء و مریدین آپ کے خلفاء و مریدین کی تعداد کثیر ہے۔ اُن میں شیخ عبدالرحیم گرہوری، شیخ محمد صالح، شیخ شعیب، حافظ عبدالمالک معروف بہ سائیں دنہ، حافظ صدرالدین اور حافظ کبیر مشہور ہیں، صاحب مرغوب الاحباب نے اپنی کتاب مرغوب الاحباب میں تفصیل سے آپ کے مریدین و خلفاء کے حالات لکھے ہیں، ہم نے اُن میں سے چند حضرات کے نام یہاں درج کر دیئے ہیں۔

اولاد آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت محبوب الصمد خواجہ گل محمد مسند آرائے رشد و ہدایت ہوئے۔ خواجہ گل محمد کی ولادت باسعادت ۱۱۴۸ھ میں ہوئی۔ اور ۷ ربیع الآخر ۱۲۱۸ھ کو آپ نے وفات پائی "وقفی اللہ" ۱۲۱۸ سے آپ کا سنہ وفات نکلتا ہے۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادے خواجہ محمد زماں ثانی اپنے بزرگوں کے جانشین ہوئے[1]۔ مخدوم محمد زماں ثانی نے ۱۲۴۷ھ میں وفات پائی[2]۔

---

[1] حضرت مخدوم محمد زماں اول کے تمام حالات مرغوب الاحباب فی رنسب اقطاب قلمی مرتبہ نظر علی تالیف ۱۲۷۳ھ سے لئے گئے ہیں [2] مخدوم محمد زماں ثانی کا سنہ وفات تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۶۹ سے لیا گیا ہے۔

(۴۶)

پیر محمد راشد

نام ونسب آپ کا اسم گرامی محمد راشد، آپ کے والد ماجد کا نام نامی سید محمد بقا تھا۔ آپ کے جد اعلیٰ سید علی مکی تھے۔ جن کا اجمالی تذکرہ حضرت شاہ صدر کے حالات میں گزر چکا ہے۔

پیر محمد راشد کے والد سید محمد بقا کی ولادت باسعادت یکم شعبان ۱۱۳۵ھ کو رسول پور عرف سائندی (علاقہ ریاست خیرپور) میں ہوئی، علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد سید محمد بقا نے مختلف سلسلوں کے بزرگوں سے روحانی فیوض حاصل کئے، سلسلۂ قادریہ میں انھوں نے سید عبدالقادر حسینی سے اکتساب فیض کیا۔ جو حضرت شیخ سید صالح شاہ قادری کے مرید و خلیفہ تھے۔

سلسلۂ چشتیہ اور نقشبندیہ میں اُن کے رہبر طریقت مخدوم محمد اسماعیل ساکن موضع پریاں لو تعلقہ روہڑی تھے، جنھوں نے ۱۱۷۴ھ میں وفات پائی۔

آپ کے سلسلۂ چشتیہ کا تسلسل مخدوم محمد اسماعیل پریاں لوئی، حضرت خواجہ جمال اللہ شیخ حاجی ایوب، شیخ سعدی لاہوری اور حضرت شیخ سید آدم بنوری سے حضرت مجدد الف ثانی تک اور حضرت مجدد الف ثانی کے بعد، حضرت شیخ رکن الدین گنگوہی[۱]،

---

[۱] حضرت شیخ رکن الدین، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی علیہ الرحمہ کے صاحبزادے تھے۔ ۵ رجمادی الاول ۸۴۳ھ کو آپ کی ولادت قصبۂ شاہ آباد میں ہوئی۔ حضرت شیخ عبدالقدوس کے حالات پر آپ کی کتاب لطائف قدسی مشہور ہے۔ (لطائف قدوسی ص۳۱)

www.maktabah.org

حضرت شیخ عبدالقدوس[1] گنگوہی، حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولوی اور حضرت شیخ جلال پانی پتی کے توسط سے حضرت خواجہ معین الدین سے جا ملتا ہے۔

سلسلۂ نقشبندیہ کا تسلسل مخدوم محمد اسماعیل پریال لوئی کے واسطہ سے حضرت مجدد الف ثانی تک اور حضرت مجدد الف ثانی کے بعد حضرت خواجہ باقی باللہ، خواجہ امکنگی درویش محمد، خواجہ محمد زاہد، خواجہ عبیداللہ احرار اور خواجہ یعقوب چرخی کے ذریعہ سے حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی سے جا ملتا ہے۔ آپ کے طریقت کے یہ تینوں سلسلے سید علی گوہر حسینی نے اپنی کتاب خزینۃ المعرفت (قلمی)، ص ۶-۸-۹ پر مفصل اور مسلسل نقل کئے ہیں

---

[1] آپ کا اسم گرامی شیخ عبدالقدوس، آپ کے والد کا نام شیخ اسماعیل اور دادا کا نام قاضی صفی دانشمند تھا۔ آپ کا سلسلۂ نسب تئیس ۲۳ واسطوں سے حضرت امام ابو حنیفہؒ سے جا ملتا ہے، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی، حضرت شیخ محمد ردولوی کے مرید اور ممتاز خلفاء میں تھے بسلسلہ صابریہ میں جو عظمت و شہرت حضرت شیخ کو حاصل ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ شیخ عبدالقدوس ابتداءً ردولی ضلع بارہ بنکی میں مقیم تھے۔ سنہ ۹۱-۱۴۹۰ء میں جب ردولی کے حالات خراب ہوئے اور کفار کا غلبہ ہوا، شعار اسلام مٹائے گئے، یہاں تک کہ سور کا گوشت بازاروں میں فروخت ہونے لگا تو آپ ترک وطن کرکے شاہ آباد تشریف لائے، جہاں آپ نے اڑتیس سال تک رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ جب افغانوں کی حکومت ختم ہوئی اور ہندوستان میں بابر کا تسلط ہوا۔ اور شاہ آباد برباد و ویران ہوا تو آپ اپنے اہل و عیال کے ساتھ گنگوہ تشریف لائے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ملک عثمان کررانی جو گنگوہ کے رہنے والے اور حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے مخلص مرید تھے ان کی بڑی آرزو یہ تھی کہ اگر حضرت شیخ کے کوئی صاحبزادے گنگوہ میں قیام فرمائیں اور اس کو اپنا وطن بنالیں تو ان کی انتہائی خوش نصیبی ہوگی۔ وہ اپنی اس تمنا کا اظہار کئی مرتبہ حضرت شیخ سے کر چکے تھے۔ آخر حضرت شیخ نے شیخ رکن الدین کو حکم دیا کہ وہ گنگوہ میں اقامت اختیار کریں۔ چنانچہ آپ کے ارشاد پر شیخ رکن الدین اور ان کے دوسرے بھائی گنگوہ تشریف لے گئے۔ ملک عثمان کررانی نے ان کے ٹھہرنے کا انتظام گنگوہ کے محلہ سرائے میں کیا اور خیمے نصب کئے اور خاطر مدارات میں کوئی کسر

www.maktabah.org

حضرت سید محمد بقا نے قادریہ، چشتیہ اور نقشبندیہ خاندان کے سرچشموں سے فیضیاب ہو کر سندھ میں عرفان و تصوّف کی دولت کو عام کیا، اور اپنی پوری زندگی رشد و ہدایت اور اعلائے کلمۃ الحق میں صرف کی۔ وہ اپنے زمانے کے نہ صرف عارفِ کامل اور عظیم المرتبت

(بقیہ فٹ نوٹس) اُٹھا کر نہ رکھی۔ لیکن حضرت شیخ رکن الدین اور ان کے بھائیوں کا وہاں دل نہ لگا۔ وہ چند روز گنگوہ میں ٹھہرے اور پھر شاہ آباد چلے آئے۔ اس کیفیت کو دیکھ کر ایک روز حضرت شیخ نے عالم کشف میں معلوم کر کے اپنے صاحبزادوں سے فرمایا، گنگوہ کو مت چھوڑو، آخر کار تھیں وہیں رہنا ہے۔ غالباً اسی واقعہ کے چند روز بعد حضرت شیخ کی بیوی نے جو نہایت عابدہ و زاہدہ بی بی تھیں، ایک رات شاہ آباد میں تہجد کی نماز کے بعد مصلے پر بیٹھے ہوئے عالم بیداری میں دیکھا کہ خراسان سے ایک آگ اُٹھی ہے جو ہر تر و خشک کو جلاتی ہوئی چلی آرہی ہے۔ صبح کو انھوں نے یہ واقعہ اپنے تمام صاحبزادوں سے بیان کرنے کے بعد فرمایا مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی بلا نازل ہونے والی ہے۔ تم سے جس قدر جلد ممکن ہو سکے یہاں سے نکلنے کی کوشش کرو۔ شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ اس کے چند دن بعد ہی مغلوں کی تاخت و تاراج شروع ہوئی۔ بابر کی آمد کی خبر جیسے ہی مشہور ہوتی تھی، ہر جگہ کے آدمی بھاگ کھڑے ہوتے تھے اور لوٹ مار شروع ہو جاتی تھی، اس زمانے میں ہم لوگ گنگوہ ہی میں پناہ لیتے تھے، چنانچہ ابراہیم لودھی کی ہزیمت سے ایک سال پہلے حضرت شیخ نے گنگوہ کو اپنا وطن بنا لیا تھا۔

حضرت شیخ عبدالقدوس ابتداءً سیاست میں حصّہ نہ لیتے تھے۔ لیکن حالات کے لحاظ سے بعد میں آپ کو سیاست میں حصّہ لینا پڑا۔ آپ نے اس دور کے سلاطین سے ربط قائم کیا۔ مکاتیب قدوسیہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے سکندر لودھی اور بابر جیسے شاہانِ وقت کو خطوط لکھے جن میں اُن کو غمخواریٔ خلق، علماء کا احترام، عدل و انصاف اور احکام شریعت کی پابندی کی طرف توجہ دلائی۔ بابر کو ایک خط میں نصیحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:-

باید د سزد کہ برائے شکر نعمت منعم سایۂ عدل بر عالمیاں چناں گسترد، ہیچ کس بر ہیچ کس ظلم نہ کند و ہمہ خلق و ہمہ سپاہ بادامر و نواہیِ شرع مستقیم و مستدیم بوند۔ نماز بجماعت

عالم تھے، بلکہ سندھی زبان کے بلند پایہ شاعر بھی تھے۔

۹ ربیع الثانی سنہ ۱۱۹۸ھ میں سید محمد بقا کتابوں کا ایک گٹھا سر پر رکھے ہوئے تشریف لئے جارہے تھے کہ راستے میں ڈاکوؤں نے اس گٹھے کو مال و دولت کا انبار

(بقیہ فٹ نوٹس) ص ۲۶۵

بگذارند، و علم و علما را دوست، و در بازار ہر شہرے محتسب بگردانند، تا شہر و بازار را بجمال عدل شرع محمدی بیارایند، و روشن و منور گردانند، چنانکہ در عہد سلف و خلفائے راشدین با جمیع شرائط بے شبہ بود۔

ان کے علاوہ آپ نے اُس زمانے کے اُمراء کو بھی خطوط کے ذریعے اتباع شریعت تقویٰ، نیکی اور پرہیزگاری کی طرف توجہ دلائی ہے۔ خواص خاں، ہیبت خان شیروانی، ابراہیم خان شیروانی، تردی بیگ وغیرہ کے نام جو خطوط آپ نے لکھے ہیں وہ نہایت اہمیت رکھتے ہیں اور آپ کی تبلیغی زندگی کے آئینہ دار ہیں۔ اسی طرح مریدوں کے نام جو خطوط آپ نے تحریر فرمائے ہیں وہ آپ کی روحانی تعلیم کو ہمارے سامنے لاتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نہ صرف جلیل القدر درویش تھے بلکہ علم و فضل میں بھی آپ کا مرتبہ بیحد بلند تھا۔ صاحب تصانیف تھے آپ کی کتابوں کو دیکھ کر آپ کے تبحر علمی، جلالت اور وسعت نگاہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ شاعر مشرق علامہ اقبال نے ان الفاظ میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے علم و فضل اور عرفان و تصوف کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے حضرت شیخ کا مندرجہ ذیل قول:۔

محمد مصطفیٰ در قاب قوسین او ادنیٰ رفت و باز گردید واللہ ما باز نگردیم (لطائف قدوسی لطیفہ ۷۹ ص ۶۵)

"محمد عربیؐ عرش معلی پر تشریف لے گئے اور پلٹ آئے۔ قسم ہے خدائے ذوالجلال کی اگر میں اس نقطہ تک پہنچ جاتا تو ہرگز واپس نہ آتا۔"

نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ ایک بہت بڑے صوفی مسلمان ولی اللہ حضرت مولانا عبدالقدوس گنگوہی رحمت اللہ علیہ کا قول ہے۔ صوفیانہ ادب کے سارے سرمائے میں شاید

www.maktabah.org

سمجھ کر آپ کو شہید کر دیا۔ قصبہ شیخ طیب (ریاست خیرپور) میں آپ مدفون ہوئے ذیل کے قطعہ سے آپ کی تاریخ شہادت نکلتی ہے۔

چوں سید محمد بقا شد شہید — حلاوت ز رحمت الٰہی چشید

(بقیہ فٹ نوٹس ۲۶۶) ہی کوئی اور مثال مل سکے، جہاں ایک مختصر سے جملے میں نبوت اور ولایت کے نفسیاتی فرق کو اس درجہ صاف اور واضح طریقے پر بیان کیا گیا ہو۔ (اسلام میں مذہبی افکار کی تجدید۔ ڈاکٹر اقبال کے ۶ خطبات ص۱۷۱) حضرت شیخ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱) شرح عوارف (یہ شرح آپ نے اپنے صاحبزادوں شیخ حمید۔ شیخ احمد اور شیخ رکن الدین کی گذارش پر لکھی تھی۔

(۲) حاشیہ فصوص الحکم (تصنیف شیخ محی الدین ابن عربی)

(۳) رسالہ قدسیہ

(۴) غرائب الفوائد

(۵) رشد نامہ

(۶) مظہر العجائب

(۷) مکتوبات قدوسیہ

(۸) حاشیہ برشرح صحائف (علم کلام)

(۹) بحر الانشعاب (علم صرف میں)

یہ حضرت شیخ کے زمانۂ طالب علمی کی تصنیف ہے جو آپ نے سوال و جواب کے طور پر لکھی تھی۔ آپ کے صاحبزادے شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ جب یہ نسخہ اساتذہ کے سامنے پیش کیا گیا تو انھوں نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ علم صرف میں صرف یہی نسخہ کافی ہے۔ افسوس ہے کہ آپ کی یہ تصنیف ہندوستان کی لڑائیوں میں ضائع ہو گئی۔

(۱۰) فوائد القراۃ (یہ رسالہ آپ نے علم تجوید میں اُس وقت لکھا تھا جب آپ شیخ سلیمان مندوی سے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔

(۱۱) نور المعانی شرح قصیدہ امالی

www.maktabah.org

بے بود نافع بہر خاص و عام　　کز وجود طالب خدا شد رسید
خرد سال تاریخ او در دلم　　بگفتا "بدرجہ شہادت رسید"

۱۱۹۸ھ

سید محمد بقا کے اٹھارہ صاحبزادے تھے۔ جن میں پیر سید محمد راشد نے اپنے علم

(بقیہ فٹ نوٹس)

(۱۲) انوار العیون (اس کتاب میں حضرت شیخ احمد عبد الحق کے حالات و ملفوظات کو حضرت شیخ نے مرتب فرمایا ہے۔

حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کے خلفاء میں جن بزرگوں نے ارشاد و ہدایت کو اپنی زندگی کا اہم ترین مقصد بنا کر چشتیہ سلسلے کو دور دور تک پھیلایا، اُن میں شیخ جلال الدین تھانیسری شیخ عبد الغفور اعظم پوری، حضرت شیخ عبد الستار سہارنپوری اور شیخ عبد الاحد والد بزرگوار حضرت مجدد الف ثانی مشہور ہیں۔

۱۵/ جمادی الاخریٰ ۹۴۴ھ کو کہ اس دن مخدوم عالم حضرت شیخ احمد عبد الحق کا عرس تھا۔ حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کو جاڑے کے ساتھ بخار آیا، چار روز تک یہ بخار تیز رہا۔ پانچویں روز جمعہ کے دن بخار میں تخفیف ہوئی اور آپ نے نماز جمعہ ادا فرمائی۔ نماز جمعہ کے بعد پھر بخار تیز ہوگیا، اور چار روز تک بخار آتا رہا، آخر منگل کے روز چاشت کے وقت ۲۳/ جمادی الاخریٰ ۹۴۴ھ کو آپ نے اس دار فنا سے دار بقا کی طرف رحلت فرمائی۔ آج بھی آپ کا مزار مبارک قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور (یوپی) میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

یہ راقم الحروف بھی حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کی اولاد سے ہے۔

گرچہ خوردیم نسبتے ست بزرگ　　ذرۂ آفتاب تابانیم

(لطائف قدوسی، اخبار الاخیار، تاریخ مشایخ چشت)

۲۔ شیخ احمد عبد الحق ردولوی، شیخ جلال پانی پتی کے خلفاء میں تھے۔ وہ قصبہ ردولی ضلع بارہ بنکی میں پیدا ہوئے۔ اخبار الاخیار میں اُن کے متعلق لکھا ہے۔

www.maktabah.org

وفضل، تقویٰ وتقدس اور عرفان وتصوف کے اعتبار سے غیر معمولی شہرت حاصل کی۔ اور عوام میں (روضے دھنی) روضے والے کے لقب سے مشہور ہوئے، آپ ہی کی اولاد سے سندھ کے مشہور پیر پگارو، پیر سکندر شاہ "شاہ مردان ثانی" کے لقب سے زینت آرائے سجادہ ہیں۔

سید محمد راشد کے عالم طفلی کے متعلق ایک روایت یہ ہے کہ آپ کی پیدائش کے بعد جب پہلا رمضان آیا تو آپ نے دن میں اپنی والدہ کا دودھ پینا چھوڑ دیا۔ قیاس چاہتا ہے کہ اس کی بنا پر آپ ابتداءً عوام میں (روزہ دھنی) کے لقب سے مشہور

(بقیہ فٹ نوٹس ص۲۶۸)

صاحب شوق و ذوق و حالت و فقر و تجرید بود، جذبے قوی داشت و نظرے موثر و تصرفے غالب، مولد او قصبۂ ردولی است۔ (اخبار الاخیار ص۱۸۰)

چشتیہ صابریہ سلسلے کا پہلا مرکز حضرت شیخ احمد عبدالحق کی خانقاہ تھی جو آپ نے ردولی میں قائم کی تھی۔ یہ خانقاہ رشد وہدایت کا بڑا مرکز تھی۔ حضرت شیخ احمد عبدالحق ۸۳۷ھ میں واصل الی اللہ ہوئے، اور ان کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ عارف نے مسند سجادگی کو آراستہ کیا۔

(تاریخ مشائخ چشت ص۲۱۴)

۳؎ شیخ جلال پانی پتی، شیخ شمس الدین ترک کے خلفا میں تھے، جو ان کے بعد مسند ارشاد وہدایت پر بیٹھے اور غیر معمولی مقبولیت حاصل کی۔ معارج الولایت میں ہے۔

مردماں از ہر جانب روئے باد می آوردند، و فتوح بیشمار آوردند۔

(تاریخ مشائخ چشت ص۲۱۶)

۴؎ خزینۃ المعرفت (قلمی)، کے مصنف سید علی گوہر حسینی نے اپنی کتاب ص۶-۷-۸-۹ پر سید محمد بقا کے تینوں طریقت کے سلسلے یعنی قادریہ، چشتیہ اور نقشبندیہ مفصل اور مسلسل نقل کئے ہیں۔

www.maktabah.org

ہوئے ہوں۔ اور بعد میں جب آپ کے مزار مبارک پر گنبد کی تعمیر ہوئی اور روضہ بن گیا تو لوگ آپ کو (روضہ دہنی) "روضہ والا" کہنے لگے۔

ولادت حضرت پیر محمد راشد کی ولادت باسعادت سنہ ۱۱۷۰ھ ہجری میں ہوئی۔

تعلیم و تربیت علوم دینیہ کی تعلیم آپ نے قصبۂ کھوڑہ کے مشہور عالم مخدوم احمدیؒ[1] اور شاہ فقیر اللہ علویؒ[2] اور دوسرے یگانۂ روزگار علما سے حاصل کی، اور اپنے والد ماجد حضرت سید محمد بقا کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر روحانی تربیت اور فیض حاصل کیا۔

اساتذہ کا ادب حضرت پیر محمد راشد اپنے اساتذہ کا بیحد ادب اور احترام فرماتے تھے، آپ کو حضرت شاہ فقیر اللہ علوی سے بے حد عقیدت و ارادت تھی اور شاہ صاحب بھی آپ سے غیر معمولی شفقت اور محبت رکھتے تھے، چنانچہ شاہ فقیر اللہ علوی کے ملفوظات میں (حضرت میاں صاحب) کے نام سے جو تذکرہ ملتا ہے اُس سے مراد حضرت پیر محمد راشد ہی ہیں۔

حضرت پیر محمد راشد کے اخلاف بھی اپنے بزرگوں کی طرح حضرت شاہ فقیر اللہ علوی سے نہایت عقیدت رکھتے تھے۔ اس عقیدت و محبت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ شاہ فقیر اللہ علوی کی وفات کے بعد ان کے کتب خانے سے صحیح بخاری کا ایک نسخہ پیر سید صبغۃ اللہ

---

[1] مخدوم امیر احمد نے تحفۃ الکرام (سندھی) کے فٹ نوٹس میں بضمن قاضی عبدالرحمٰن شہید اس کی صراحت کی ہے کہ پیر محمد راشد مخدوم احمدی کے شاگردوں میں تھے، ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ نے رسالہ تین زندگی مئی سنہ ۱۹۵۲ء کے اپنے ایک مضمون سندھ کا ایک برگزیدہ خاندان میں مخدوم احمدی کے صاحبزادے مخدوم محمد عاقل کو آپ کا اُستاد بتایا ہے۔ ممکن ہے کہ دونوں باپ بیٹے سے پیر محمد راشد نے درس لیا ہو۔

[2] خاندان راشدیہ کے فرد فرید سید حسام الدین صاحب راشدی نے مجھے بتایا کہ شاہ فقیر اللہ علوی بھی آپ کے اساتذہ میں تھے۔

www.maktabah.org

نے تبرکاً منگوایا۔ جب لوگ اُس نسخے کو لے کر آئے تو پیر صبغۃ اللہ نے ہزاروں آدمیوں کے ساتھ اپنے والد کے اُستاد کے اس نسخے کا استقبال کیا اور اِس نسخے کے حصول کو اپنی بڑی خوش قسمتی سمجھا[1]۔

رشد و ہدایت اپنے والد کی شہادت کے بعد سید پیر محمد راشد سندھ کے آسمان ولایت پر رُشد و ہدایت کا آفتاب بن کر طلوع ہوئے اور اپنے علم و فضل، عرفان و فیوض کی ضیا باریوں سے نہ صرف سندھ کو، بلکہ جودھپور، جیسلمیر اور دوسرے علاقوں کو منور اور درخشاں بنادیا۔

خلفاء حضرت پیر سید محمد راشد کے متعدد خلفا تھے۔ جنھوں نے مختلف مقامات پر ارشاد و ہدایت کی خانقاہیں آراستہ کیں، اور جن کے فیوض و برکات کا سلسلہ آج بھی مختلف مقامات پر جاری و ساری ہے، اُن میں سے بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں :-

(۱) خلیفہ محمد حسین مہیسر

(۲) خلیفہ سئی والے، جن سے بھرچونڈی کے بزرگوں نے رُوحانی اکتساب کیا اور ان سے امروٹ شریف کے بزرگوں نے اس رُوحانی امانت کو حاصل کیا، امروٹ شریف ہی کے بزرگوں کے ارشد تلامذہ میں مولینا عبیداللہ سندھی جیسے دینی اور سیاسی مفکر تھے۔ جن پر ہندو پاکستان کی تاریخ کو ناز ہے۔

(۳) خلیفہ خانگڑہ تعلقہ میرپور ماتھیلہ ضلع سکھر

(۴) خلیفہ محمود کڑیائی

(۵) خلیفہ نبی بخش لغاری مٹھی والا۔ اِن سے یہ سلسلہ کچھ اور کاٹھیاواڑ میں پھیلا

---

[1] ماخوذ از رسالہ سروش (فارسی) ۱۵ مارچ ۱۹۵۸ء مضمون شاہ فقیر اللہ علوی مرتبہ آقای سید عبدالحیٔ حبیبی۔

www.maktabah.org

اور ان علاقوں کے بہت سے لوگ، خلیفہ نبی بخش کی ہدایت سے اس سلسلے میں داخل ہوئے۔

(٦) خلیفہ گل محمد ہالائی، صاحبِ دیوانِ گل

تصانیف حضرت پیر محمد راشد کا مطالعہ بہت وسیع اور نظر بہت گہری تھی۔ رشد و ہدایت، اعلائے کلمۃ الحق سے جو وقت بچتا، اس کو حضرت پیر محمد راشد تالیف و تصنیف میں صرف فرماتے تھے۔ آپ کی تصانیف میں شرح اسماء اللہ الحسنیٰ، جمع الجوامع اور آپ کے مکاتیب آپ کی علمی اور محققانہ قابلیت، تبحر اور روحانی افکار و خیالات کے آئینہ دار ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کے ملفوظات بھی، آپ کے دو ممتاز خلفاء یعنی خلیفہ محمد حسین مہیسر اور خلیفہ محمود نظامانی گڑھ یہ دائے نے علیحدہ علیحدہ جمع کئے تھے، یہ ملفوظات عرفان و تصوف، تاریخ و تمدن اور علم و ادب کے وہ گوہر گرانمایہ ہیں کہ جن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ روحانی رہبر کی حیثیت سے حضرت پیر محمد راشد ممتاز شخصیت کے مالک تھے۔

وصال سنہ ۱۲۳۲ھ کو حضرت پیر محمد راشد نے ۶۳ سال کی عمر میں جامِ شہادت نوش فرمایا اور داصل الی اللہ ہوئے، حکیم سید محمد شجاع نے حسب ذیل قطعہ تاریخ وفات میں اپنے حزن و ملال کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

دا محمد راشدِ راہ نمائے شیخ و شاب
شد شہید از سم و واصل گشت با حق در شتاب
سال و تاریخ و روز وصال و وقت گو
اول و شعبان معہ جمعہ طلوع آفتاب[1]

---

[1] یہ تمام حالات ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کے مضمون "سندھ کا ایک برگزیدہ خاندان" سے ماخوذ ہیں جو رسالہ نئین زندگی (سندھی) ماہ مئی سنہ ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا تھا۔

www.maktabah.org

سجادگی

حضرت پیر محمد راشد کے وصال کے بعد اُن کے صاحبزادے پیر صبغتہ اللہ شاہ اول مسند آرائے رشد و ہدایت ہوئے اور دستارِ سجادگی اُن کے سر پر باندھی گئی۔ اس خاندان میں یہ پہلے پیر ہیں جو پیر پاگارا (صاحب دستار) کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اِن کے دوسرے بھائی پیر محمد یاسین جھنڈا یا علم لے کر دوسری جگہ چلے گئے، اس لیے اُنھوں نے پیر جھنڈا کے لقب سے شہرت پائی۔ پیر جھنڈا کا کتب خانہ آج بھی علمی دُنیا میں غیر معمولی شہرت و عظمت رکھتا ہے۔

سید صبغتہ اللہ اول نے جب مسند رشد و ہدایت کو زینت بخشی، اس وقت سلطنتِ اسلامیہ کا چراغ جھلملا رہا تھا۔ پنجاب پر سکھ چھائے ہوئے تھے، اور سندھ کے حصول پر انگریزوں اور سکھوں کی نظریں جمی ہوئی تھیں۔ حالات کی ناسازگاری نے مسلمانوں کو اس درجہ بدحواس، وحشت زدہ اور کم ہمت بنا دیا تھا کہ اُن کے قوائے عملی شل ہو چکے تھے، سارے معاشرے پر انحطاط کا رنگ غالب تھا۔ مذہب کی رُوح مفقود ہو چکی تھی، اوہام اور رسوم پرستی کو مذہب کا نام دیا جاتا تھا۔ اس تنزل و انحطاط کے زمانے میں شاہ صبغتہ اللہ اول نے اعلائے کلمۃ الحق، تبلیغ اور اصلاح و تربیت کا کام شروع کیا، اس مردِ حق آگاہ نے جب یہ دیکھا کہ سکھ حکومت سندھ کی جانب پھیلنے لگے ہیں تو آپ نے جہاد کا عزم مصمم کر لیا۔ آپ کا کوئی وعظ جہاد کی ترغیب اور فضائل سے خالی نہ ہوتا تھا۔ کچھ اور لارکے مُرید جوان مواعظ میں شریک نہ ہو سکتے تھے، آپ نے ان پر مختلف خطوط کے ذریعے جہاد کی اہمیت کو واضح کیا، اور انھیں جہاد کے لئے دعوت نامے لکھے۔

سید صبغتہ اللہ شاہ اول کی سندھ میں مقبولیت اور اُن کے علمی، رُوحانی مراتب کا اندازہ سید حمید الدین کے اس بیان سے ہوتا ہے جو اُنھوں نے سید صبغتہ اللہ شاہ کے متعلق تحریر کیا ہے۔

www.maktabah.org

در تمام مملکتِ سندھ ہمچو او شیخ و مرشدے در زعم مرداں ملک نیست ۔ قریب سہ لک مریدانش از قوم بلوچ ہستند ، و بکمال جاہ و جلال و رجوعات خلائق خوش میگذرانند ، در جود و کرم و اخلاص و مروّت ہم شہرۂ آفاق ۔

در خانہ سید مذکور کتب خانہ عجیب و غریب بہ نظر آمد کہ ہرگز در خانۂ سلاطین و اُمرا نبودہ باشد ، پانزدہ ہزار جلد نامی از کتبِ معتبرہ دراں موجود است ۔

باشندگانِ سندھ کے نزدیک سارے ملک میں اُن (پیر صبغۃ اللہ) جیسا کوئی شیخ و مرشد نہیں تقریباً تین لاکھ بلوچ ان کے مرید ہیں ، مرجعِ خلقِ عام ہیں ۔ جاہ و جلال سے زندگی گزار رہے ہیں ۔ جود و کرم ، اخلاص و مروّت میں بھی شہرۂ آفاق ہیں ۔

ان کا کتب خانہ بڑا عجیب و غریب کتب خانہ ہے ۔ بادشاہوں اور اُمراء کے پاس بھی ایسا کتب خانہ نہ ہوگا ۔ پندرہ ہزار معتبر کتابیں اس میں موجود ہیں ۔

انھیں مریدوں میں سے سید پیر صبغۃ اللہ نے ایسے سرفروش اور جانباز مجاہدوں کی جماعت تیار کی جو وقت پڑنے پر ملّتِ اسلامیہ کے لئے اپنی جان کی بازی لگا سکیں انھیں مجاہدین کو "حُر" کا لقب دیا گیا ، اور یہی حُر تحریک کا پہلا نقطہ تھا ۔

جب سندھ میں سید صبغۃ اللہ شاہ اس دینی تحریک کی بنیاد رکھ رہے تھے اُسی زمانے میں ہندوستان میں حضرت سید احمد شہید[1] علیہ الرحمہ کی تحریکِ آزادی سکھوں

---

[1] سید احمد شہید ۶ ر صفر ۱۲۰۱ھ مطابق ۲۹ / نومبر ۱۷۸۶ء کو پیر کے دن رائے بریلی میں پیدا ہوئے اور شاہ عبدالقادر سے عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی اور ۱۲۲۲ھ میں شاہ عبدالعزیز کے دستِ حق پرست پر بیعت کی ۔ ۱۸۲۴ء مطابق ۱۲۳۹ھ میں آپ نے انگریزوں اور سکھوں کے خلاف جہاد کے لئے مسلمانوں کی تنظیم کی ، اور ۲۴ ر ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۶ ر مئی ۱۸۳۱ء جمعہ کے دن بالاکوٹ ضلع ہزارہ میں سکھوں سے جہاد کرتے ہوئے شہادت پائی ۔ (سیرت سید احمد شہید)

www.makhtabah.org

اور انگریزوں کے خلاف شروع ہو چکی تھی۔ دونوں کا نقطۂ نظر ایک تھا۔ دونوں یہ چاہتے تھے کہ ہندوستان سے سکھوں اور انگریزوں کا اقتدار ختم کر کے اسلامی نظامِ حکومت کو برسرِ عمل لایا جائے، جو شریعت اسلامیہ کے مطابق ہو تاکہ مظلوم اور دکھی انسانیت کے درد کا مداوا ہو سکے۔

حضرت سید احمد شہید پہلے ہی حضرت سید صبغۃ اللہ کی تعریف سُن چکے تھے۔ اور آپ سے ملنے کے مشتاق تھے۔ جب حضرت سید احمد شہید غازیوں کے ساتھ سرحد جاتے ہوئے سندھ میں تشریف لائے اور آپ کا قیام رانی پُور میں ہوا تو اتفاق سے سید صبغۃ اللہ بھی اپنے ایک سو مریدوں کے ساتھ رانی پُور آئے ہوئے تھے۔ یہیں آپ کی پہلی ملاقات حضرت سید احمد شہید سے ہوئی۔ دونوں ایک دوسرے سے مل کر بیحد خوش ہوئے، اور حضرت صبغۃ اللہ نے آپ کو اپنے وطن پیر گوٹ تشریف لے چلنے کی دعوت دی۔ جس کو حضرت سید احمد شہید نے منظور فرما لیا۔ کسی ضرورت سے سید صبغۃ اللہ کو ایک دن رانی پور میں ٹھہرنا پڑا۔ لیکن آپ نے حضرت سید احمد شہید اور غازیوں کو اپنے بھائی کے ہمراہ پیر گوٹ بھیج دیا۔

۱۷ ذیقعدہ ۱۲۴۱ھ کو حضرت سید احمد شہید پیر گوٹ پہنچے۔ سید صبغۃ اللہ کے مُریدوں اور بھائیوں نے مہمان نوازی اور مدارات میں کوئی کسر اُٹھا کر نہ رکھی، دوسرے دن سید صبغۃ اللہ بھی تشریف لے آئے۔ اور انھوں نے حضرت سید احمد شہید اور غازیوں کی مہمان داری کا اس درجہ اہتمام کیا کہ خود اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتے تھے، تیسرے روز سید صاحب نے انھیں باصرار روکا اور لشکر میں رسد بٹنے لگی۔ تقریباً تیرہ روز حضرت سید احمد شہید پیر گوٹ میں مقیم رہے۔ اور وہاں سے شکار پور روانہ ہوئے۔

دونوں کے خلوص و محبت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حضرت سید احمد شہید نے

www.maktabah.org

اپنے اہل وعیال کو پیر گوٹ میں ہی سید صبغۃ اللہ کی حفاظت میں چھوڑا، دونوں میں مسلسل خط وکتابت جاری رہی۔ حضرت سید احمد شہید کی روانگی کے وقت غالباً دونوں میں یہ فیصلہ ہوا کہ جب صحیح طور پر جنگی مرکز قائم ہو جائے گا تو سید صبغۃ اللہ بھی وہاں پہنچ جائیں گے لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ سید صبغۃ اللہ جانے کے لئے بالکل تیار تھے اور اس کی اطلاع آپ نے حضرت سید احمد شہید کو دے بھی دی تھی کہ اچانک افغانستان اور پشاور کا راستہ ایرانی سرداروں کے عناد کی وجہ سے مخدوش ہو گیا اور آپ مجبوراً وہاں نہ پہنچ سکے۔

جو اعتماد، خلوص اور محبت حضرت سید احمد شہید کو سید صبغۃ اللہ سے تھی اُس کا اندازہ اُن خطوط سے ہوتا ہے جو آپ نے سید صبغۃ اللہ کو مختلف اوقات میں لکھے۔ ہم اُن میں سے چند خطوط کے اقتباسات یہاں درج کرتے ہیں۔

ایک خط میں میدانِ جہاد سے سید صبغۃ اللہ کو تحریر فرمایا۔

آپ تمام مسلمانوں کو دعوت دیں اور مخلصین کی ایک جماعت ساتھ لے کر سکھوں کی سرحد سے متصل محفوظ مقام پر بیٹھ جائیں اور جہاد شروع کر دیں۔ اپنے اہل وعیال کے ساتھ میرے اہل وعیال کو بھی کسی ایسی جگہ بٹھا دیں جو دشمن کی دسترس سے باہر ہو[1]۔

جب سرحد میں حضرت سید احمد شہید کے ہاتھ پر بیعتِ امامت ہو چکی تو آپ نے اپنے نائب بیعت لینے کے لئے مختلف علاقوں میں بھیجے۔ محمد قاسم کو بیعت لینے کے لئے سندھ بھیجتے ہوئے سید صبغۃ اللہ کو ایک گرامی نامے میں تحریر فرمایا کہ

سندھ میں نیابتاً میری جانب سے بیعت لینے کے اہل صرف آپ تھے لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں آپ کے بھائی اس کی وجہ سے رقابت میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

---

[1] مکتوب سید صاحب بنام پیر صبغۃ اللہ۔ تواریخ عجیبہ ص ۲۱۴ - ۲۱۹

www.maktabah.org

اور شاید اسی باعث اس امرِ مسنون کی بجا آوری سے محروم رہ جائیں، لہٰذا میں نے نیابت کے لئے دوسرے آدمی کو بھیج دیا۔[1]

جب آپ پنج تارے سے راج دھاری روانہ ہونے لگے تو سید صبغۃ اللہ کو لکھا:-

اگر ہماری زندگی جہاد ہی میں پوری ہو جائے تو ہمارے اہل و عیال کو حرمین شریفین پہنچا دیں۔

غرض یہ کہ سندھ میں سید صبغۃ اللہ اول ہماری تاریخ آزادی کا وہ جلی اور روشن عنوان ہیں کہ جس کو ملت اسلامیۂ ہند و پاکستان کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

اولاد ان کے بعد پیر سید محمد راشد کی اولاد راشدی خاندان سے موسوم ہوئی راشدی خاندان آج بھی اپنی وجاہت، شرافت اور علمی عظمت کے لحاظ سے سندھ کے ممتاز ترین خاندانوں میں شمار ہوتا ہے۔ سندھ کے مشہور مؤرخ سید حسام الدین راشدی اور سندھ کے مشہور صحافی پیر علی محمد راشدی یہ دونوں بھائی اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔

---

[1] سید احمد شہید ص۳۰۵ بحوالہ منظورۃ السعداء ص۱۳۹

(۴۷)

شیخ الشیوخ

حضرت شیخ نوح بھکری

حالات حضرت شیخ نوح بھکری کو سلسلۂ سہروردیہ[1] میں ایک خاص اہمیت و عظمت حاصل ہے۔ اُن کا شمار سندھ کے جلیل القدر صوفیا میں ہوتا ہے اور وہ سندھ کے اولیاء کے سرتاج سمجھے جاتے ہیں۔

بیعت حضرت شیخ نوح بھکری نے حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی[2] سے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے مرید ہونے سے پہلے بیعت اور خلافت حاصل کی، جب حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے مُرید ہوئے اور اپنے وطن ملتان رخصت ہونے لگے تو آپ نے اُن سے فرمایا کہ

---

[1] شیخ نوح بھکری کا سلسلۂ طریقت یہ ہے۔ شیخ نوح بھکری۔ شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی، شیخ وجیہہ الدین سہروردی، شیخ ابو عبداللہ، شیخ اسود احمد دینوری، شیخ ممتاز علی دینوری، خواجہ جنید بغدادی، خواجہ سری سقطی، خواجہ معروف کرخی، خواجہ داؤد طائیؒ، خواجہ حبیب عجمی، حضرت امام حسنؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (بزم صوفیہ ص۹۱)

[2] حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی (سنہ ۱۱۴۴ء تا سنہ ۱۲۳۴ء) حضرت محی الدین بن عربی کے ہمعصر تھے اور جنید بغدادی کے مکتب خیال کے لوگوں میں تھے۔ سلسلۂ سہروردیہ آپ ہی کی طرف منسوب ہے، آپ کی کتاب عوارف المعارف تصوف کی بہترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ ابن خلکان کا بیان ہے کہ آپ کے آخر عمر میں کوئی آپ کا مثل و ہم پایہ نہ تھا، اور آپ بغداد کے شیخ الشیوخ تھے۔ (ماخوذ از تاریخ مشائخ چشت ص ۱۱۴، ۱۱۵)

ہمارے بہترین مریدوں میں سندھ میں ایک ہمارا مرید ہے، اُس سے ضرور ملنا، یہ چراغ، بتی اور تیل خود دے کر ہمارے پاس آئے، اور ہم نے اُن کے چراغ کو روشن کردیا۔ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی اپنے شیخ کے ارشاد کے مطابق حضرت شیخ نوح بھکری کی ملاقات کے لئے بھکر حاضر ہوئے۔ مگر یہ اُس وقت بھکر پہنچے کہ حضرت نوح واصل الی اللہ ہو چکے تھے[1]۔

افسوس ہے کہ سندھ کے تذکروں میں اس عظیم المرتبت شیخ کے تفصیلی حالات نہیں ملتے لیکن قیاس یہ چاہتا ہے کہ سندھ میں سلسلۂ سہروردیہ کی ترقی و اشاعت انہیں بزرگ کی وجہ سے ہوئی۔

مزار آپ کا مزار مبارک قلعہ بھکر میں واقع ہے۔

فضائل صاحب حدیقۃ الاولیاء نے حضرت شیخ نوح بھکری کے زہد و ورع عرفان و تصوف کو ان الفاظ میں سراہا ہے۔

آں بزرگوارِ نامدار، سردفترِ مشائخ کبار، صاحبِ توفیق، فارسِ مضمارِ تحقیق شیخ الشیوخ شیخ نوح بھکری قدس سرہٗ از جملہ اولیائے کرام و مشائخ عظام سندھ بود و از فرقۂ مقبولان درگاہ و باریافتگان خلوت محبت اللہ دست ارادت از شہاب الحق والدین برہان الصدق والیقین شیخ شہابِ الدین گرفتہ[2]۔

صاحب تحفۃ الکرام آپ کی تعریف و توصیف میں یوں رقم طراز ہیں۔

شیخ نوح بھکری سرور ئی از اجل اولیائے سندھ و اکمل مریدان شیخ شہاب الدین سہروردیست[3]

---

[1] یہ تمام تفصیل تحفۃ الکرام ص $\frac{125}{3}$ اور حدیقۃ الاولیاء قلمی مملوکہ سندھ یونیورسٹی ص ۸۱-۸۲-۸۳ سے ماخوذ ہیں۔
[2] حدیقۃ الاولیاء قلمی مملوکہ سندھ یونیورسٹی ص ۸۱-۸۲ [3] تحفۃ الکرام ص $\frac{125}{3}$

www.maktabah.org

(۴۸)

سید نظام بھکری

حالات آپ کا نام سید نظام آپ کے والد کا نام سید ناصر تھا۔ خاندان سادات سے تھے۔ سندھ کے مشہور اور قدیم شہر بھکر کے رہنے والے تھے۔

صاحب حدیقۃ الاولیا نے ان الفاظ کے ساتھ آپ کی بزرگانہ عظمت کا اعتراف کیا ہے۔

> آں شمع شبستانِ دودمان نبوی و آں مہر سپہر خاندانِ مصطفوی دوحہ شجرہ، نگین زہرہ، درّہ لجہ صدق و صفا، مالک ممالک مہتری و سروری سید نظام ولد سید ناصر بھکری از جملہ واصلانِ حق و کاملانِ مطلق و صاحب حال و اہلِ قال بُود۔

سماع سماع[1] سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے اور اس کو اپنے لیے روحانی غذا سمجھتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد جب لوگ غسل و کفن سے فارغ ہوئے اور آپ کے جنازے کو اٹھانے لگے تو باوجود کوشش اور سعی کے جنازہ اپنی جگہ سے نہ اٹھتا تھا، سب کے سب حیران ہو کر سوچنے لگے کہ آخر اس کی کیا

---

[1] سماع کے مسئلہ میں علما اور صوفیا کا بڑا اختلاف ہے، بعض صوفیا اس کو روحانی ترقی کا ذریعہ سمجھتے ہیں، کچھ علماء اس کو حرام قرار دیتے ہیں بعض محتاط بزرگوں کا مسلک انکار کم نہ ایں کار می کنم پر ہے۔ اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں سے واقفیت کے لئے رسالہ السماع فی الرقص (ابن تیمیہ) تلبیس ابلیس (جوزی) رسالہ اصول السماع (رازی) کیمیائے سعادت (امام غزالی) کشف المحجوب اور رسالہ رقع الاسماع کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

www.maktabah.org

وجہ ہے، آخر آپ کے صاحبزادے شاہ رکن الدین کو آپ کی وصیت یاد آئی، انھوں نے لوگوں سے کہا کہ والد بزرگوار نے اپنی وفات سے کچھ دن پہلے مجھ سے فرمایا تھا کہ ہمارے جنازے کو تم ہرگز نہ اٹھا سکو گے، تاوقتیکہ نے کے ساتھ سماع کو راگ سبذورہ سے نہ شروع کرو۔ چنانچہ نے نواز کو بلایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ وہ راگ سبذورہ گانا شروع کرے، چنانچہ جیسے ہی نے نواز نے گانا شروع کیا جنازہ آسانی سے اٹھ گیا، یہاں تک کہ لوگ اس کو قبرستان لے آئے۔

مزار | آپ کا مزار روہڑی میں زیارت گاہ خلائق ہے[1]۔

---

[1] یہ تمام تفصیل حدیقۃ الاولیاء قلمی ص ۷۹-۸۰-۸۱ سے ماخوذ ہے۔

www.maktabah.org

(۴۹)

حضرت مخدوم نوح ہالائیؒ[1]

نام و نسب و خاندان آپ کا اسم گرامی لطف اللہ اور لقب مخدوم نوح تھا آپ کے والد کا اسم گرامی نعمت اللہ اور والدہ کا نام بی بی راجی تھا۔ جو قبیلۂ لاکھا سے تھیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ مخدوم نوح بن مخدوم نعمت اللہ ابن مخدوم اسحاق ابن مخدوم شہاب الدین ابن مخدوم سرور ابن مخدوم فخرالدین صغیرؒ۔ آخر میں آپ کا سلسلۂ نسب حضرت ابو بکر صدیقؓ سے جا ملتا ہے۔[2]

آپ کے جد اعلیٰ شیخ ابوبکر کتابی، شیخ احمد، شیخ محمد، شیخ علی معروف بہ قاضی اور شیخ جلال الدین یہ پانچ حضرات سب سے پہلے آکر کوٹ کرور (حدود ملتان) میں آباد ہوئے۔

شیخ ابوبکر کتابی اپنے وقت کے عظیم المرتبت صوفی اور درویش تھے۔ آپ عوام و خواص میں شیخ شمس الدین کوٹ کروری سے مشہور ہوئے اور کوٹ کرور ہی میں وفات پائی۔

---

[1] یہ نسبت قصبۂ ہالا کندی کی طرف ہے۔ جو حیدرآباد سندھ میں واقع ہے۔

[2] بیاض سچیدنہ قلمی مملوکہ سندھی ادبی بورڈ کے صفحہ ۱۲ پر آپ کا سلسلۂ نسب ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے۔ مخدوم نوح ولد نعمت اللہ صدیقی است، خود شان از اجداد خود خبر دادہ است۔ نعمت اللہ بن اسحاق بن مخدوم سرور ابن شیخ فخرالدین صغیر کہ در قریۂ ہالا کندی وے شیخ عزالدین بن شیخ فخرالدین کہ در مقبرۂ شیخ ابوبکر است وے شیخ ابوبکر کتابی ساکن کوٹ کرور بن شیخ اسماعیل ابن شیخ عبداللہ عبدالقادر کہ سر سلسلۂ سہروردیست۔ (بیاض کمتر کاتب سچیدنہ صفحہ ۲۰۸)

www.maktabah.org

شیخ ابوبکر کتابی کے صاحبزادے مخدوم فخر الدین کبیر اتفاق سے سیر و سیاحت کی غرض سے سیوستان کے قرب و جوار میں تشریف لائے اور آب و دانے کی کشش نے سندھ کو آپ کا وطن بنا دیا۔ مشہور یہ ہے کہ ابتداءً آپ نے اور آپ کے متعلقین نے اپنا وطن قصبۂ بوبک[۱] کو بنایا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے بوبک ہی میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ آپ سیوستان میں حضرت شہباز قلندر کے قرب و جوار میں مدفون ہوئے[۲]۔

اسی طرح حضرت مخدوم نوح کے جد مخدوم فخر الدین صغیر ایک دفعہ بطور سیر و سیاحت ہالہ کندی تشریف لائے۔ اہلِ ہالہ کندی نے انتہائی عزت و احترام کے ساتھ آپ کی خدمت اور میزبانی کا شرف حاصل کیا، اور لجاجت کے ساتھ تمنا ظاہر کی کہ اگر آپ ہالہ کندی کو اپنا وطن بنالیں تو ہم سب کی خوش نصیبی ہوگی۔ آپ خاموش رہے یہاں تک کہ آپ کی روانگی کی تاریخ آگئی۔ آپ کے ساتھیوں نے رخت سفر باندھا تو پھر اہلِ ہالہ نے دوبارہ اپنی تمنا ظاہر کی، آپ نے فرمایا کہ وہاں میرے رفقا اور وابستگان بے شمار ہیں۔ اہلِ ہالہ نے عرض کیا کہ اہلِ ہالہ بھی جو یہاں آپ کے توطن کی تمنا رکھتے ہیں، بے شمار ہیں۔ آپ نے اہلِ ہالہ کے اصرار پر ہالہ میں سکونت اختیار فرمائی اور اہلِ ہالہ بھی شب و روز جان و مال سے آپ کی خدمت میں مصروف ہوگئے پھر آپ تمام عمر ہالہ ہی میں مقیم رہے اور وہیں وفات پائی۔

ولادت

حضرت مخدوم نوح کی ولادت باسعادت ۹۱۱ھ میں ہوئی۔ زمانۂ طفلی ہی سے آپ کی پیشانی مبارک سے انوارِ ولایت ہویدا و تاباں تھے۔ اور اندازہ ہوتا تھا کہ آیندہ چل کر آپ آفتابِ ولایت بننے والے ہیں۔ مشہور ہے کہ مخدوم نوح ابھی سات ہی روز کے تھے اور گہوارے میں لیٹے

---

[۱] قصبۂ بوبک ضلع دادو میں واقع ہے۔ [۲] دلیل الذاکرین قلمی ص ۱۶۹

ہوئے آرام فرما رہے تھے کہ محلہ کی مسجد کے موذن نے اذاں دی، اذان کے ختم ہونے پر آپ نے فرمایا کہ نعم لا الٰہ الا اللہ ولا نعبد الا ایاہ مخلصین لہ الدین[1]۔

تعلیم آپ کی ظاہری تعلیم کے متعلق سوائے اس کے پتہ نہیں چلتا کہ آپ نے قرآن مجید کے پانچ پارے اول کے اور پندرہ پارے آخر کے مخدوم عربی دیانہ سے پڑھے۔

دلیل الذاکرین میں ہے کہ

مخدوم المعظم فرمودند کہ از آخر قرآن تا بکہف رسانیدم و از بالا تا بہ دہ سیپارہ خواندم و پنج میانہ نخواندم ولیکن خدائے تعالیٰ دقائق قرآنی برمن مکشوف ساخت[2]۔

لیکن علوم ظاہری کے اکتساب کے محدود ہونے پر بھی آپ قرآن مجید کی آیات محکمات و متشابہات کی تفسیر اتنی عمدگی سے بیان فرماتے تھے کہ بڑے بڑے فصحا و بلغا آپ سے مطالب قرآنی کو سن کر محو حیرت رہتے۔ دلیل الذاکرین میں ہے کہ:۔

و تاویلات آیات محکمات و متشابہات را بوجہے ادا میفرمودند کہ فصحائے کرام و بلغائے عظام دست از تعرض تقریر کوتاہ میداشتند و غریب تر آنکہ مکتب آنجناب از علوم ظاہریہ بیش از حفظ بیست سیپارہ پنج از اول و پانزدہ از آخر فرقان مجید نبودہ[3]۔

---

[1] دلیل الذاکرین قلمی ملوکہ سندھی ادبی بورڈ ص ۱۶۴
[2] دلیل الذاکرین ص ۱۱۵
[3] دلیل الذاکرین قلمی ص ۳۰ باب ثانی در بیان مناقب و مفاخر حضرت مخدوم نوح۔

مخدوم جان محمد جو اطراف سیوستان کے رہنے والے تھے اُن سے سید السادات سید حیدر ساکن موضع سن[1] نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ وہ نماز ظہر ادا کرنے کے بعد مسجد میں لیٹے ہوئے تھے کہ وہاں مخدوم نوح تشریف لے آئے۔ آپ نے اُن کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اقم الصلوٰۃ لذکری (اللہ کے ذکر کے لئے کھڑے ہو جاؤ) سید حیدر نے آپ کے اس ارشاد پر پوچھا من علمك (آپ کو کس نے تعلیم دی ؟) آپ نے فرمایا علمنی ربی[2] (مجھے میرے رب نے سکھلایا)

حضرت جلال الدین جلال محمد کی روایت ہے کہ میں نے بلا واسطہ حضرت نوح سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ خدائے تعالیٰ نے مجھے چار چیزوں سے مفتخر فرمایا۔ اول یہ کہ میں کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کرتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ میں کلام مجید کی تفسیر و معانی بیان کرتا ہوں۔ تیسرے یہ کہ مجھے حدیث کا علم عطا فرمایا گیا۔ چوتھے یہ کہ مجھے خواب کی تعبیر کا علم بخشا گیا[3]

علوم باطنی میں بھی حضرت مخدوم نوح کا لدنی کا علم وہبی تھا۔ بظاہر آپ کسی سے مرید نہیں ہوئے۔

دلیل الذاکرین میں ہے کہ ایک روز شیخ ابوبکر قریشی نے جو حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کی اولاد میں سے تھے، اور حضرت مخدوم نوح سے عقیدت رکھتے تھے۔ مخدوم فضل اللہ[4] سے پوچھا کہ حضرت مخدوم نوح تصوف کے کس سلسلے سے تعلق رکھتے ہیں ؟ وہ فوراً ہی اُٹھتے ہوئے حضرت مخدوم نوح کی خدمت میں حاضر ہوئے

---

[1] موضع سن سندھ کے ضلع دادو میں واقع ہے۔ [2] دلیل الذاکرین ص ۱۲۴

[3] دلیل الذاکرین ص ۱۲۰ بروایت ابو محمد۔

[4] مخدوم فضل اللہ اپنے وقت کے جلیل القدر علماء میں تھے۔ اُن کے تین صاحبزادے تھے۔ (۱) ابو الفتح (۲) محمد حسین (۳) عنایت اللہ (تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۲۲۵)

www.maktabah.org

ابھی وہ زبان سے کچھ کہہ بھی نہ پائے تھے کہ آپ نے فرمایا لَیْسَ لَهٗ مِن دُونِہٖ شَفِیعٌ وَلَا وَلِی (میرا اس کے پاس نہ کوئی شفیع ہے نہ ولی) اس سے اس طرف بلیغ اشارہ تھا کہ میں فیضان کے حصول میں کسی کا مُرید نہیں ہوں۔

اسی طرح ایک مرتبہ جب آپ ٹھٹھہ تشریف لائے ہوئے تھے اور حضرت سید علی شیرازی کے مکان میں قیام فرماتے، حضرت سید علی شیرازی کے صاحبزادے سید جلال نے پوچھا کہ سُنا گیا ہے کہ آپ کی ارادت حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہے؟ فرمایا ہاں بغیر اس درگاہ خلائق پناہ کے کوئی شخص بھی فائز نہیں ہو سکتا لیکن میں نے چودہ سال کی عمر میں قرآن مجید مخدوم عربی دیانہ سے پڑھا تھا۔

میاں محمود کا بیان ہے کہ ایک روز ایک صاحب جو حضرت غوث پاک کی اولاد میں سے تھے، مخدوم نوح کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میں آپ کو خلافت دینے اور فائدہ پہنچانے کے لئے مامور کیا گیا ہوں، اور کیمیا بھی جانتا ہوں، اگر آپ چاہیں تو آپ کو کیمیا سکھا سکتا ہوں جو شاید کسی وقت آپ کے کام آئے، فرمایا کہ جس روز سے بارگاہِ نبوی کی خدمت سے شرف اندوز ہوا ہوں دُنیا کی ہوس میرے دل سے نکل گئی، یہ کہہ کر ایک درم منگایا، اس پر مٹی ملی وہ بالکل کھرا سونا بن گیا۔[1]

ان تمام روایتوں سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ آپ نے علوم باطنی میں اکتساب کسی شیخ سے نہیں کیا تھا بلکہ آپ کا علم وہبی اور منجانب اللہ تھا۔

عبادت

آپ کا تمام وقت عبادت اور یاد الٰہی میں گزرتا تھا اور ہر وقت زبان پر ذکر الٰہی جاری رہتا تھا، ہمیشہ لب مبارک حرکت کرتے رہتے تھے، حجامت کے وقت حجام سوچتا تھا کہ اگر ایک منٹ کے لئے حضرت

---

[1] یہ تینوں روایتیں دلیل الذاکرین قلمی صہ ۴۴-۴۸-۴۹ سے ماخوذ ہیں۔

www.maktabah.org

سکوت فرمائیں تو وہ مونچھوں کو درست کر دے۔ آپ حجام کے چہرے سے اُس کے ارادے کا اندازہ کر کے فرماتے، میاں حضرت امام اعظم اور حضرت امام شافعی کا حجام جب حجامت بناتا اور مونچھیں دُرست کرنے کا ارادہ کرتا تو کہتا، اے امام المسلمین ذرا ہونٹوں کی حرکت روکئے تاکہ میں مونچھوں کو درست کر دوں، وہ فرماتے اگر تم آفتاب اور آسمان کی حرکت کو روک دو تو ہم بھی اپنے ہونٹوں کی حرکت روک سکتے ہیں[1]

توکل مخدوم نوح کو توکل اور قناعت بے حد عزیز تھا۔ آپ اِس کو توکل کی شان کے خلاف سمجھتے تھے کہ دوسرے دن کے لئے کسی چیز کو ذخیرہ کیا جائے۔

ایک دفعہ حضرت مخدوم نوح کے یہاں ایک مہمان آیا، آپ اُس کی تواضع اور مدارات کے لئے گھر میں تشریف لے گئے اور بیوی صاحبہ سے پوچھا کہ گھر میں کچھ کھانے کے لئے ہے؟ انھوں نے کہا بہت کچھ ہے، آپ نے فرمایا کیا ایک سیر غلہ ہوگا۔ بیوی صاحبہ نے فرمایا ایک سیر سے بھی زیادہ ہے، آپ کے بار بار پوچھنے اور سوال و جواب پر انھوں نے فرمایا چار سیر غلہ موجود ہے، اور اس کے سوا خدا کا دیا ہوا بہت کچھ ہے۔ یہ سُن کر حضرت مخدوم گھر سے واپس ہوئے اور فرمایا گھر میں اِس قدر سامان رکھنا شانِ توکل سے بعید ہے اور کل کے لئے (غلہ کا) ذخیرہ کرنا رازق ارزاق پر بھروسے کے خلاف ہے، یہ کہہ کر اسی وقت آپ نے فقیر فقرا کو آواز دی اور جو کچھ گھر میں موجود تھا وہ اُن کے حوالے کر دیا[2]۔

انتہا یہ ہے کہ اپنی معمولی سے معمولی ضرورتوں میں بھی کسی سے سوال کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت مخدوم نوح بخار میں مبتلا ہو کر اپنے حجرے

[1] دلیل الذاکرین ص۵۲ [2] دلیل الذاکرین ص۵۳

www.maktabah.org

میں تشریف رکھتے تھے۔ حجرے میں ایک لڑکا جو آپ کے گھر کا پلا ہوا تھا، سامنے موجود تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ ہم اور تم دونوں کے دونوں خدا کے بندے ہیں لیکن چونکہ تمھارے رزق کی کفالت ہم پر اور ہماری خدمت تم پر لازم ہے، اس لئے تھوڑا سا پانی لاؤ۔ لڑکا یہ سن کر ہنستا ہوا بھاگ گیا اور پانی نہیں لایا، فرمایا الحمد للہ کہ میں نے تمام عمر میں یہی ایک سوال کیا تھا، اور وہ بھی قبول نہ ہوا۔[۱]

استجابتِ دعا بیحد مستجاب الدعوات تھے، منقول ہے کہ ایک مرتبہ بادشاہ دھلی کی طرف سے ایک لشکر فتح سندھ کے لئے بھیجا گیا۔ لوگوں نے آکر حضرت مخدوم نوح کو اطلاع دی۔ فرمایا انشاء اللہ انجام بخیر ہوگا یہاں تک کہ وہ لشکر ہالہ کندی کے قرب وجوار کو تاخت و تاراج کرتا ہوا ہالہ پہنچ گیا، ہالہ کندی کے رہنے والے اور اہل خانقاہ لرزاں و ترساں آپ کی خدمت میں پہنچے اور حالات عرض کئے، فرمایا تھوڑی سی مٹی لاؤ، لوگ مٹی لے کر آئے، آپ نے اس مٹی پر یہ دعا پڑھی اللھم لک الحمد ولک المجد ولک الشکر والیک المشتکیٰ وانت المستعان وعلیک التکلان ومنک الفرج ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العظیم وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین یہ کہہ کر مٹی آپ نے اس لشکر کی طرف پھینکی، کہتے ہیں کہ لشکر اس بری طرح بھاگا کہ اپنے ملک تک دو روز ایک جگہ قیام نہ کرسکا اور اپنا بہت سا اسباب وسامان چھوڑ گیا۔[۲]

اتباعِ شریعت آپ اپنے مریدوں کو خصوصیت کے ساتھ شریعت کی پابندی کی طرف توجہ دلاتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے حضرت مخدوم

---

[۱] دلیل الذاکرین صہ ۵۵ [۲] دلیل الذاکرین صہ ۴۲

www.maktabah.org

نوح سے عرض کیا کہ درویش رکن الدین ابن دقیہ کو جو اپنے کشف وکرامات میں غیر معمولی شہرت رکھتے ہیں، فرماتے ہیں کہ ہر ذی روح کہ روئے زمین پر ہے، اگر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں کہ سب مرجائیں تو مجھے اُمید ہے کہ یہ دعا قبول ہوگی اور سب مرجائیں گے۔ شیخ برکیہ کاتیار نے جو اس مجلس میں حاضر تھے عرض کیا کہ اگر میں کہوں کہ خدا سب کو زندہ کردے تو مجھے یقین ہے کہ خدائے تعالیٰ سب کو زندہ کردے گا آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ تمھیں چاہیئے کہ اسلامی تعلیمات سے مُردہ دلوں کو زندہ کرو اور کوئی ایسی بات جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی زبان پر نہ لاؤ کہ اس دُنیا میں سارے عالم کا بیک وقت مرنا اور جینا محالات میں سے ہے[1]۔

شیخ درویش محمود بوبکانی روایت کرتے ہیں کہ میں نے مخدوم معظم سے سُنا کہ آپ فرماتے تھے کہ ذکر الٰہی تنہائی میں کرو۔ کسی نامحرم عورت سے بات نہ کرو۔ فساق وفجار کی صحبت سے پرہیز کرو۔ علماء سے بحث ومجادلہ نہ کرو۔ دُنیاداروں اور بادشاہوں کے گھروں پر نہ جاؤ۔ اگر وہ بلائیں تو جانے سے انکار کردو[2]۔

خدمتِ خلق خدمتِ خلق حضرت مخدوم کا خاص شعار تھا۔ حاجی عبد اللہ ابن حاجی ہارون کی روایت ہے کہ حضرت بہاء الدین زکریا کی اولاد میں سے بعض لوگوں نے حضرت مخدوم سے عرض کیا کہ ولی عہد ہم کو ہمارے وطن ٹھٹھہ سے شہر بدر کرنا چاہتا ہے؟ فرمایا کہ تقدیر پر راضی رہو اور اطاعت کرو۔ پھر وہ اپنے اسلاف سے باطن میں اور اپنے موجودہ بزرگوں سے ظاہر میں امداد کے خواہاں ہوئے۔ وہاں سے بھی یہی جواب ملا کہ یہ کام عہد حاضر کے شیخ ہی انجام دے سکتے ہیں۔ وہ لوگ پھر حضرت مخدوم کی خدمت میں آئے اور آپ کو خدا رسول کا

---

[1] دلیل الذاکرین ص ۱۱۳ [2] دلیل الذاکرین ص ۱۱۳/۱۱۴

www.makitabah.org

واسطہ دے کر دارالسلطنت ٹھٹھہ لے گئے۔ آپ نے مسجد جامع فرخ میں قیام فرمایا ٹھٹھہ کے فرمانروا میرزا عبدالباقی کو آپ کی تشریف آوری کا حال معلوم ہوا تو قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں آپ کی تشریف آوری کے لئے ممنون ہوں آپ نے فرمایا جو اولیاء اللہ کو ایذا پہنچاتا ہے اُس پر فرشتے (پرندوں کی شکل میں) مسلط ہوتے ہیں کہ اُن کی چونچیں الماس سے بھی زیادہ تیز ہوتی ہیں۔ ابھی آپ یہ فرما ہی رہے تھے کہ فضا میں پرندے ظاہر ہوئے، جنھیں پوری مجلس نے دیکھا۔ میرزا عبدالباقی نے ڈرتے ہوئے یہ خیال کیا کہ وہ آپ سے عرض کرے کہ ان کی شہر بدری اس کے دادا کے حکم کی بنا پر ہے کہ جس کے حکم سے وہ تخت پر بیٹھا ہے۔ ابھی وہ یہ بات زبان سے کہہ بھی نہ پایا تھا کہ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ تم اس پر صلح کرلو کہ ملک ان کو ممالک محروسہ سے بدر نہ کریں اور سوائے شہر کے وہ ممالک محروسہ میں جہاں چاہیں سکونت اختیار کر سکتے ہیں۔ میرزا عبدالباقی نے آپ کے ارشاد کی تعمیل کی۔ اسکے بعد ان میں سے بعض پرگنہ لکراد اور بعض شہر بدین میں آباد ہو گئے[۱]

تصنیف تصنیف و تالیف سے گریز فرماتے تھے۔ ایک دفعہ سید اسماعیل بخاری نے جو آپ کے مریدوں میں سے تھے۔ ارادہ کیا کہ جو کچھ آپ زبان مبارک سے فرماتے ہیں اس کو لکھ لیا جائے۔ آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا میاں طالبِ حق قدرت کے قلم سے ان باتوں کو صحیفۂ دل پر لکھتا ہے، کاغذ پر نہیں لکھتا۔ کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ بزرگانِ سلف کی طرح خیال ہوتا ہے کہ تصوف پر ایسی جامع کتاب لکھی جائے کہ قدماء کی کتابیں دیکھنے کی ضرورت باقی نہ رہے۔ لیکن ادب ہمیشہ مجھے اس خیال سے مانع رہا۔ میرے مریدین مستقل تصوف کی کتاب ہیں کہ جو کچھ ان کی زبان سے نکلتا ہے وہ بزرگوں کے قول کے مطابق اور شریعت کے

---

[۱] دلیل الذاکرین ص ۱۳۲ روایت حاجی عبداللہ بن حاجی ہارون۔

www.maktabah.org

موافق ہوتا ہے[1]

پہلا مرید شیخ محمود ابن صدیق فخری کا بیان ہے کہ جن دو بزرگوں نے سب سے پہلے حضرت مخدوم نوح سے کلمۂ لاالہ الا اللہ کی تلقین حاصل کی، اُن میں سب سے پہلے مخدوم ساہر لنجار، اور دوسرے شیخ ہوتی لاکھا ہیں۔ حضرت مخدوم خود بھی فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح جناب رسالت مآب نے چار اصحاب کو اختیار فرمایا تھا، فقیر کے بھی مریدوں میں چار یار بڑے ہیں۔ اُن میں ایک خلاصۂ آل طٰہٰ ویٰسین سید ابوبکر لکعلوی ہیں[2]

ملفوظات حضرت مخدوم کے ملفوظات دلیل الذاکرین میں بڑی کثرت سے نقل کئے گئے ہیں جو اثر و تاثیر، حکمت و موعظت اور بلاغت و فصاحت کے اعتبار سے بے نظیر ہیں۔ ہم ان میں سے چند یہاں نقل کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت مخدوم سے بادشاہِ وقت نے پوچھا کہ بعض فقرا یہ بتا دیتے ہیں کہ حاملہ عورت کے پیٹ میں کیا ہے، اور بارش کب برسے گی اور بعض مستقبل کے حالات بھی بتا دیتے ہیں، حالانکہ قرآن مجید میں ہے۔ ان اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث ویعلم ما فی الارحام وما تدری نفس ماذا تکسب غداً۔ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ ان چیزوں کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں۔ مخدوم نوح نے فرمایا کہ اگر تم غور کروگے تو تمھیں معلوم ہوگا کہ آیت میں لفظ نفس ہے نہ روح، اور فقیر جو کہتے ہیں وہ نفس سے نہیں کہتے، بلکہ وہ نفس سے گزر کر تخلقوا باخلاق اللہ سے متصف ہوجاتے ہیں پھر اُس بادشاہ نے کہا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیے تاکہ میں اُس پر عمل کروں، فرمایا کہ بغیر سیاست کے مُلک اہل فساد، دشمنوں اور ڈاکوؤں سے محفوظ نہیں رہتا اور

---

[1] دلیل الذاکرین ص۱۴۳ [2] دلیل الذاکرین ص۱۸۵

www.maktabah.org

سیاست وانتظام لشکر اور فوج کی خوشنودی سے بہتر ہوتا ہے، اور لشکر خزانے سے جمع ہوتا ہے اور خزانہ بغیر رعیت کے حاصل نہیں ہوتا، اور رعیت کی آبادی اور خزانے کی معموری عدل وانصاف پر منحصر ہے۔ پھر فرمایا کہ ایک بادشاہ نے ایک بزرگ سے نصیحت کی استدعا کی۔ ان بزرگ نے فرمایا مملکت کی حفاظت کے لئے تین قلعے ضروری ہیں تاکہ وہ اپنے معاندوں اور مخالفوں سے محفوظ رہے، پہلا قلعہ مٹی کا ہے وہ رعیت ہے۔ اس قلعے کو عدل وانصاف کے گلاوے سے اس طرح مضبوط کرنا چاہیئے کہ کسی ظلم کی وجہ سے اس میں رخنہ نہ پڑے۔ دوسرا قلعہ لوہے کا ہے وہ لشکر ہے جس کی تعمیر انعام وبخشش سے ہوتی ہے، یہی لوگ ملک کو فتنہ وفساد سے محفوظ رکھتے ہیں۔ اور عوام اُن کی حمایت میں رہ کر مامون رہتے ہیں۔ تیسرا قلعہ فولاد کا ہے وہ اہل اللہ ہیں۔ بادشاہ کو چاہیئے کہ بیت المال میں ان کا جو حصہ ہے وہ اُن کو دے، اور ان کو اتنی فراغت بہم پہنچائے کہ وہ مدارس میں اطمینان سے درس وتدریس میں مشغول رہیں۔ اور سلطنت کی بقا کے لئے دعا فرمائیں۔ بادشاہ کا یہ فرض بھی ہے کہ ہمیشہ ان کو معزز ومکرم رکھے اور ان کی معیشت کے انتظام کو اپنے لئے لازم جانے اور اپنے کو ان کی دعاؤں کا محتاج تصور کرے، اپنی حاجات ومطالب کو صدق دل اور خلوص کے ساتھ ان کے سامنے دعا کے لئے پیش کرے کہ حقیقت میں ملک کا نظم ونسق انھیں اہل دل کے ہاتھ میں ہے۔[1]

بعض مرتبہ مریدین کو نہایت ہی لطیف انداز میں اس طرح تربیت فرماتے کہ سننے والے اس سے اثر لیتے اور انھیں ناگوار بھی نہ گزرتا تھا۔

ایک دفعہ درویش سارا عرف بہارا اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ حضرت مخدوم نوح کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب وہ دست بوسی کا شرف حاصل کر چکے

---

[1] دلیل الذاکرین ص۶۸-۶۹-۷۰

www.maktabah.org

تو آپ نے ان کے ایک ساتھی درویش عثمان سے پوچھا کہ اس جماعت کا سردار کون ہے؟ انھوں نے بتایا کہ فُلاں ہے کہ جو حضور کے مریدوں میں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بہت سے لوگوں کو ساتھ لے کر چلنا میزبان کی تکلیف کا باعث ہے کہ جہاں وہ شب بسر کریں گے، ساتھی چار آدمیوں سے زیادہ نہ ہونے چاہئیں کہ جو ایک پیالے میں کھا سکیں[1]

درویش یحییٰ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ بی بی مریم نے حضرت مخدوم سے وسعتِ رزق کی دُعا کے لئے عرض کیا، فرمایا جو تمھارا مقدر ہے اللہ اس سے کم نہیں کرے گا۔ اور دوسروں کا نصیبہ تمھیں نہیں دیا جا سکتا۔ اور جو تمھیں نہیں مل سکتا۔ اُس کے لئے سرگرداں نہ ہو اور جو تمھارا مقدر ہے اُس کے حصول کے لئے تمھیں پریشان نہ ہونا چاہیئے[2]

ایک دفعہ لوگوں نے مخدوم نوح سے پوچھا کہ حبیب اور خلیل میں کیا فرق ہے فرمایا کہ حبیب معشوقیت کا مرتبہ رکھتا ہے اور خلیل عاشقیت کا۔ حبیب ناز کی منزل میں ہوتا ہے اور خلیل نیاز کی۔ حبیب کو دوست چاہتا ہے اور خلیل دوست کے لئے تڑپتا ہے[3]

بعض مرتبہ صوفیا کے رموزی اقوال کی نہایت عجیب انداز میں توضیح فرماتے ایک مرتبہ کسی نے سلطان العارفین بایزید بسطامی کے اس قول کا مطلب پوچھا کہ انھوں نے فرمایا ہے۔ خدائے تعالیٰ بایزید کی احتیاج رکھتا ہے لیکن بایزید اس کا محتاج نہیں، فرمایا یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ آئینہ گر آئینہ بناتا ہے۔ لیکن اپنا چہرہ دیکھنے کے لئے آئینہ کا محتاج ہے[4]

---

[1] دلیل الذاکرین ص ۸۹ [2] دلیل الذاکرین ص ۹۸ [3] دلیل الذاکرین ص ۱۰۳
[4] دلیل الذاکرین ص ۱۱۵

www.maktabah.org

شرعی مسائل کو بھی اپنے انداز سے بیان فرماتے اور قرآن مجید سے استنباط فرماتے۔

ایک آدمی نے اپنی بیوی کو بدبخت کہا، علمائے ظاہر نے فتویٰ دیا کہ اس پر کچھ لازم نہیں آتا۔ آپ نے سنا تو فرمایا کہ بدبخت کافر کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے واما الذین شقوا ففی النار اس بناء پر لازم ہے کہ یہ تجدید نکاح کرے۔

ایک دفعہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو کہا اگر تو نے دیگچی چاٹی تو تجھے طلاق ہے، عورت نے دیگچی چاٹ لی۔ علماء نے فتویٰ دیا کہ اس کو طلاق ہو گئی۔ مخدوم نوح نے سنا تو فرمایا اس کو کیسے طلاق ہو سکتی ہے اس نے تو انگلیاں چاٹی ہیں[1]۔

ایک دفعہ ایک شخص نے پوچھا کہ العلم حجاب الاکبر کا کیا مطلب ہے۔ فرمایا کہ یہ حجاب عینک کی طرح ہے کہ جو بصر اور بصیرت کو نور بخشنے والا ہے[2]۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ میرے لئے دعا فرمائیے کہ خدا مجھے علم نصیب کرے۔ فرمایا کہ علم کے حصول سے علیم کا حصول مقصود ہے، جس نے صرف علم کے حصول کی دعا چاہی اُسے صرف علم حاصل ہوتا ہے۔

ان صاحب کا بیان ہے کہ مجھے تمام عمر اس کا افسوس رہا کہ میں نے آپ سے اسی وقت کیوں نہ عرض کیا کہ میرے لئے علم اور علیم کے حصول کی دعا فرمائیے[3]۔

فرمایا کہ نماز میں تکبیر اولیٰ مثل چراغ کے ہے کہ جو کچھ تاریک گھر میں ہوتا ہے چراغ کے روشن ہونے سے ظاہر ہو جاتا ہے[4]۔

علوئے مرتبت محمود ابن صدیق فخریہ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک روز اپنے معلم کے ساتھ جن سے میں نے قرآن مجید کی تعلیم حاصل

---

[1] دلیل الذاکرین صت۱۰۷
[2] دلیل الذاکرین صت۱۵۰
[3] دلیل الذاکرین صت۱۵۰
[4] دلیل الذاکرین صت۱۵۵

www.maktabah.org

کی تھی ۔ قبیلہ اُنڑ کے بزرگ ، مخدوم ساند کی خدمت میں گیا ۔ ہم دونوں کے مجلس میں بیٹھے ہی مخدوم ساند نے مجلس کو مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا کہ ایک روز مخدوم نوح نماز چاشت کے لئے دریا کے کنارے تشریف لائے کہ اچانک ایک صاحب آئے جو خوبصورت بھی تھے اور معنوی خوبیاں بھی حدِ کمال تک اپنے اندر رکھتے تھے ۔ انھوں نے فرمایا ، اے میرے مخدوم ! سندھ کا بادشاہ میرزا پاینده بیگ[1] جو مجنون ہو گیا ہے ، لوگ اس کے لئے آپ سے دُعا کے خواستگار ہوں گے ۔ آپ ہرگز اس کے حق میں دُعا نہ فرمائیں یہ بات اُن صاحب نے تین مرتبہ مخدوم معظم سے عرض کی ، حضرت مخدوم نے فرمایا اے مخدوم لعل شاہباز آپ کے ارشاد کے مطابق میں ہرگز اس کے لئے دُعا نہیں کروں گا ۔ آخر لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مرزا پاینده بیگ کے لئے دعائے شفا کے طالب ہوئے ، آپ نے انکار فرما دیا ۔ مخدوم ساند نے یہ واقعہ بیان کر کے کہا کہ پھر یہ لوگ میرے پاس آئے اور دعا کے طالب ہوئے ۔ میں نے اُن سے کہا کہ جس کے لیے حضرت مخدوم نوح نے دعا نہیں فرمائی ، میری کیا مجال ہے کہ میں اس کے لئے دعا کروں ۔ واقعہ یہ تھا کہ میرزا پاینده بیگ نے مخدوم لعل شہباز کے روضہ مبارک کے قریب ایک عورت پر دست درازی کی تھی ۔ اُسی وقت وہ دیوانہ ہو گیا اور اپنا پیشاب و پاخانہ کھانے لگا[2]۔

---

[1] مرزا پاینده بیگ ، مرزا محمد باقی ترخان کا بیٹا تھا ، چونکہ مرزا پاینده بیگ مجنون ہو گیا تھا ۔ لہذا اس کی جگہ ٹھٹھہ کے امرائے حکومت نے ۹۹۳ھ میں مرزا محمد باقی کی وفات کے بعد مرزا پاینده بیگ کے بیٹے مرزا جانی بیگ کو ٹھٹھہ کا بادشاہ بنایا ۔ مرزا پاینده بیگ شاعر بھی تھا ۔ صاحب مقالات الشعرا نے اس کے دو شعر نقل کئے ہیں ۔

فلک بکام کہ گردید کانہ سنگش نشکند ۔۔۔ ترا ز سنگِ فلاخن قیاس باید کرد

بہر دم نعرہ زناں تا بدر دوست شدے ۔۔۔ تر ہم آں یار شود آگہ و برہم گردد

(معصومی صفحہ ۲۱۴ و مقالات الشعراء مطبوعہ صفحہ ۱۱۹) [2] دلیل الذاکرین صفحہ ۲۹۱

www.maktabah.org

وفات مخدوم نوح ستاسی سال کی عمر میں ۲۷ ذیقعدہ شب پنجشنبہ ۹۹۸ھ کو واصل الی اللہ ہوئے، صاحب حدیقۃ الاولیاء نے "شیخ منوح بود" (۹۹۸) سے آپ کی تاریخ وفات نکالی ہے[1] آپ کا مزار پُر انوار ہالہ کندی میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

ازواج و اولاد حضرت مخدوم نوح کے چار بیویاں تھیں۔ پہلی بیوی قبیلہ ترک سے تھیں، اُن کا عرف باجار تھا، اِن سے چار صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تولد ہوئیں۔ بڑے صاحبزادے کا نام محمد امین تھا۔ جن کو آپ کے بعد خلافت ملی۔ دوسرے صاحبزادے کا نام میاں حامد اور تیسرے صاحبزادے کا نام میاں نور محمد اور چوتھے صاحبزادے کا نام میاں احمد تھا۔ لڑکیوں میں ایک صاحبزادی کا نام بی بی تاج خاتون تھا جو میاں محمود سے بیاہی گئی تھیں۔ دوسری صاحبزادی بی بی رقیہ تھیں جن کی نسبت میاں قاسم ابن عبداللہ سے ہوئی تھی۔ تیسری صاحبزادی بی بی مریم تھیں جو سید عبداللہ بن یعقوب سادات بتعلوی سے منسوب تھیں۔ چوتھی صاحبزادی بی بی صحت خاتون تھیں جو میاں صالح محمد بن قاسم سے منسوب تھیں۔

دوسری بیوی سے آپ کے پانچ صاحبزادے تھے۔ جن کے نام یہ ہیں، میاں داؤد۔ میاں موسیٰ۔ میاں ہارون۔ میاں یوسف۔ میاں آدم۔

تیسری بیوی سے تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں۔ صاحبزادوں کے نام یہ ہیں۔ میاں میراں محمد۔ میاں ابراہیم ملقب بہ ادھم ثانی۔ میاں جلال الدین محمد۔ صاحبزادی کا نام بی بی بیبائی تھا جو میاں اللہ داد سے جو حضرت بلال کے صاحبزادے تھے۔ بیاہی گئی تھیں۔ حضرت بلال مخدوم نوح کے حقیقی بھائی تھے۔ چوتھی بیوی قبیلہ سمتہ سے تھیں۔ جن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

---

[1] حدیقۃ الاولیاء قلمی مملوکہ سندھ یونیورسٹی ورق ۱۱۲ الف [2] یہ تمام تفصیل ذیل الذاکرین ص ۱۶۴-۱۷۰ سے ماخوذ ہے۔

www.maktabah.org

ایں چراغے ست کہ از پرتو نورش در سند
ہر کجا می نگرم انجمنے ساختہ اند



درگاہ حضرت مخدوم نوح ہالائی قدس سرہ
واقع ہالہ نو - ضلع حیدرآباد سندھ
جن سے تمام سندھ میں عرفان و ہدایت کا نور پھیلا
(بشکریہ جناب مخدوم محمد زماں طالب المولیٰ)
سجادہ نشین درگاہ حضرت مخدوم نوح ہالائی

www.maktabah.org

www.maktabah.org

صاحب دلیل الذاکرین کا بیان ہے کہ آپ کے سب صاحبزادے نہایت متقی و پرہیزگار اور متشرع تھے اور قولاً و فعلاً ان سے کوئی حرکت ایسی سرزد نہ ہوتی تھی جو شریعت کے خلاف ہو۔[1] ان میں سے بارہ صاحبزادوں نے بڑی عمر پائی۔ اور باقی بچپن ہی میں وفات پا گئے۔

میاں محمد امین

حضرت مخدوم نوح کی وفات کے بعد حضرت محمد امین حضرت مخدوم کے جانشین ہو کر سجادۂ ولایت پر جلوہ افروز ہوئے۔ وہ زہد و تقویٰ و تقدس کے اعتبار سے اپنے والد محترم کے نقش قدم پر تھے۔ اُن سے تصوف و عرفان کا نور سارے سندھ میں پھیلا۔[2]

میاں ابراہیم ادہم ثانی

میاں ابراہیم ادہم ثانی بھی بڑے پائے کے بزرگ تھے، ان کے توکل علی اللہ کا یہ عالم تھا کہ باوجود فقر اور کثرتِ اولاد کے کل کے لئے کوئی چیز نہ رکھتے تھے، کبھی کبھی عید کے روز بھی آپ کے یہاں فاقہ ہوتا تو فرماتے الحمد للہ ہم رسولؐ اکرم کی سنت بجا لا رہے ہیں کہ ایک دن عید کے روز جناب رسالت مآبؐ[4] کے اہلِ بیت بھی فاقے سے تھے۔[3]

ایک روز ادہم ثانی حضرت ابراہیم مجلس میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے اہلِ مجلس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ سندھ کے بادشاہ میرزا جانی نے وفات پائی۔ اب اس کی جگہ کون تختِ سلطنت پر بیٹھے گا؟ حاضرینِ مجلس ادب کی وجہ سے خاموش رہے۔ حضرت عیسیٰ لکھوی جو اس زمانے میں اپنے کشف و کرامات میں مشہور تھے، اس مجلس میں موجود تھے۔ وہ بہت ادب سے دو زانو ہو کر آپ کے سامنے بیٹھے اور عرض کیا کہ اس ملک کی سلطنت کی دستار جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے میرزا غازی نے پائی ہے۔[4]

---

[1] دلیل الذاکرین ص ۹۵ و ص ۱۰۳ [2] دلیل الذاکرین ص ۱۰۶ [3] دلیل الذاکرین ص ۱۰۹/۱۸۰ [4] دلیل الذاکرین ص ۱۲۰

www.maktabah.org

حضرت جلال محمد حضرت جلال محمد بھی نہایت ہی بزرگ اور متورع تھے۔ زبان مبارک سے جو کچھ فرما دیتے وہ فوراً پورا ہو جاتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت جلال محمد نواب شاد خان[1] سے جو اس وقت ٹھٹھہ کا گورنر تھا، ملنے کے لئے تشریف لے گئے۔ وہ بدبخت نہایت بے التفاتی سے پیش آیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ مردک اس قابل نہیں کہ اسے حکومت پر رکھا جائے، اس کو فلاں جگہ بھیج دینا چاہیئے، اور اس کی جگہ ٹھٹھہ کی حکومت امیر خاں کو ملنی چاہیئے چنانچہ چند ہی روز کے بعد شاد خان کو ٹھٹھہ کی گورنری سے ہٹنا پڑا اور اس کی جگہ امیر خان ٹھٹھہ کا گورنر ہو کر آیا[1]۔

یارانِ مخدوم نوح حضرت مخدوم نوح کے مریدوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ سندھ کے اکثر اکابر صوفیا آپ ہی کے سلسلے سے متعلق نظر آتے ہیں۔ آپ کے مریدوں اور عقیدت مندوں کو یاروں سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ کسی نے حضرت مخدوم سے سوال کیا کہ آپ کے مریدوں کو یار کہتے ہیں۔ حالانکہ آپ سے پہلے جتنے بزرگ گذرے ہیں ان کے ارادتمندوں کو مرید کہا جاتا تھا آپ نے فرمایا کہ فقیر کا قدم چونکہ رسول اکرم کے قدم پر شریعت کے عین مطابق ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی بھی چونکہ یار کہلاتے تھے۔ اس لئے میرے ساتھی اور معتقدین بھی یار کہلاتے ہیں[2]۔ آپ کے مریدین اور خلفا میں جو حضرات مشہور ہیں وہ یہ ہیں:۔

(۱) مخدوم ساہر لنجار (۲) شیخ المشائخ ہوتی لاکھا

---

[1] نواب شاد خان ۴ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ تک ٹھٹھہ کا گورنر رہا۔ اس کے بعد ابو البقا امیر خان کو جو سیون میں تھا ٹھٹھہ کا گورنر بنا کر بھیجا گیا۔ ابو البقا امیر خان نے ۱۰۵۷ھ میں وفات پائی (بادشاہ نامہ جلد ۲ صـ ۳۰۳) [2] دلیل الذاکرین صـ ۱۸۲/۱۸۱ [3] دلیل الذاکرین باب ثالث صـ ۱۸۱۔

www.maktabah.org

(۳) سید ابوبکر لکعلوی — (۴) سید عبد الکریم متعلوی
(۵) حضرت بہاء الدین دلق پوش — (۶) حضرت عثمان عصار
(۷) سید علی ستھوی — (۸) درویش جمعہ جاریجہ
(۹) میاں متھا فقیر — (۱۰) حضرت نوح کاریہ
(۱۱) حضرت شیخ محمود ولد صدیق فخریہ۔
(۱۲) درویش زکریا — (۱۳) سید اسماعیل بخاری
(۱۴) حسین تمیم — (۱۵) میرن کاتیار
(۱۶) ہاشم بن حماد — (۱۷) یحییٰ برائیہ
(۱۸) قطب بری — (۱۹) حاجی لگرہ بوریا باف
(۲۰) درویش عثمان متقی — (۲۱) درویش امین ساکن قریہ لکری

ساہر لنجار حضرت ساہر لنجار مخدوم نوح کے جلیل القدر خلفا اور مریدوں میں تھے۔ ساہر نجار ہی وہ بزرگ ہیں جنھوں نے سب سے پہلے حضرت مخدوم کے حلقۂ عقیدت کو آویزۂ گوش بنایا۔ دلیل الذاکرین میں ہے کہ جنھوں نے سب سے پہلے حضرت مخدوم سے کلمۂ طیبہ لاالہ الا اللہ کی تلقین حاصل کی اُن میں سے قدوۃ الابرار مخدوم ساہر لنجار ہیں اور دوسرے شیخ المشائخ موتی لاکھا ہیں۔[۱]
ساہر نجار کا مزار موضع از پور میں ہے[۲]

سید ابوبکر لکعلوی سید ابوبکر لکعلوی کا شمار بھی آپ کے اجلّ خلفاء میں ہوتا ہے ایک مرتبہ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے صحابہ میں سے چار اصحاب کو چُنا تھا۔ میرے یاروں میں چار

---

[۱] دلیل الذاکرین ص ۱۸۵ باب ثالث در بیان مناقب و مفاخرارادہ داران و یاران مخدوم معظم
[۲] حدیقۃ الاولیا قلمی ص ۱۳۹

www.maktabah.org

بڑے یار ہیں۔ اُن میں سے ایک منبع برکات، خلاصہ آلِ طٰہٰ و یٰسین سید ابو بکر نکعلوی ہیں[1]

سید ابو بکر نکعلوی اپنے شیخ سے بیحد عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ آپ کی محبت و عقیدت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ وہ ٹھٹھ سے بہت سے تحائف وہدایا کشتی میں لاد کر اپنے شیخ کے لئے ہالہ کندی لائے۔ جب شیخ کی مسجد کے دروازے میں قدم رکھا تو انہیں یاد آیا کہ وہ سُرمہ گھر میں بھول آئے ہیں جو انھوں نے شیخ کے لئے رکھا تھا، اسی وقت وہ ٹھٹھ واپس ہوئے، اور وہ سُرمہ لے کر آئے۔

اکثر آپ بہت سا سامان، قیمتی لباس، نقد اور بہت سی چیزیں جو کچھ بھی ملتا شیخ کی خدمت میں لاتے۔ آپ کے صاحبزادے عرض کرتے کہ آجکل ہم ضرورتمند اور قرضدار ہیں۔ اگر اس میں سے کچھ تھوڑا سا ہمیں بھی عنایت فرمایا جائے تو ہم اپنی ضروریات زندگی کو پورا کر سکیں گے اور اپنا قرض ادا کر سکیں گے۔ لیکن آپ اُن کی طرف توجہ نہ فرماتے، اور سب سامان لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ جب وہ اس ساز و سامان کے ساتھ مخدوم کی مجلس میں پہنچتے تو مخدوم اُن سے فرماتے کہ اے سید! اولاد کا حق بھی لوازمِ شرعی میں ہے جسے تمہیں ادا کرنا چاہیئے اور ہماری کفالت کے لئے تو خدا کافی ہے۔ من یتوکل علی اللہ فھو حسبہ تمہارے لئے مناسب ہے کہ تم اپنے فرزندوں کی مدد کرو۔ جب وہ دیکھتے کہ شیخ ان تحائف کو قبول کرنے سے اعراض فرما رہے ہیں تو حضرت مخدوم کی بیوی سے عرض کرتے کہ حضرت سے عرض کیجئے کہ میرے بال بچوں کو خدا کے سپرد فرمائیں کیونکہ مشہور ہے کہ جو کچھ انسان کے پاس ہے وہ خرچ ہو کر رہے گا، اور جو اللہ کے

---

[1] دلیل الذاکرین ص ۱۸۵

پاس ہے وہ باقی رہے گا۔ اللہ کا انعام عام اور اس کی نعمتیں مکمل ہیں۔ اسی کی بخشش سے کام چلتا ہے، اور ہماری داد و دہش سے کیا پورا ہو سکتا ہے۔ مخدوم اُن کے پیغام کو سنتے تو اُن کے حسنِ عقیدت اور خلوص کو دیکھ کر دعائیں دیتے اور فرماتے کہ تمھاری اولاد میں چودہ پشت تک فقیروں کی دعا سے میراور پیر ہوں گے۔ اور وہ تمھاری عبادت اور خدمت کا صلہ پائیں گے۔[۱]

بعض کرامات کے اظہار پر حضرت مخدوم نے ان کو منع فرمایا کہ اس قسم کی کرامتیں ظاہر کرنا فقرا کے مناسب نہیں خصوصاً ہمارے یاروں کے لئے جو شریعت کے جادے پر استقامت اور مضبوطی سے قدم جمائے ہوئے ہیں۔ سید ابوبکر نے شیخ کے ارشاد کو جب سنا تو نادم ہو کر چار چلّے توبہ و استغفار میں گزارے۔ سید ابوبکر کی عادت مبارک تھی کہ جو کچھ اپنے شیخ سے سنتے فوراً اس پر عمل کرتے۔[۲]

حضرت بہار الدین دلق پوش

حضرت بہار الدین دلق پوش، حضرت مخدوم کے اہم خادموں اور جلیل القدر خلفاء میں تھے۔ ابتداءً یہ حضرت شیخ بہار الدین زکریا ملتانی سے عقیدت رکھتے تھے، بعد میں حضرت مخدوم نوح کے حلقۂ عقیدت کے لوگوں سے متعارف ہو کر حضرت درویش جمعہ جاریجہ کے توسط سے حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک طویل عرصہ تک خدمت اقدس میں رہ کر بیعت سے مشرف ہوئے۔ پھر اُن کو یہ شرف بھی حضرت مخدوم نے بخشا کہ اپنے صاحبزادوں کا معلم مقرر فرمایا۔

حضرت بہار الدین اپنے وقت کا بڑا حصہ عبادتِ الٰہی میں صرف کرتے اس کے بعد جو وقت ملتا وہ قرآن مجید، احادیث، کتب فقہ اور تصوف کے لکھنے میں گزارتے

۱۔ دلیل الذاکرین ص ۱۸۶۔ دوسری روایتوں سے بقیہ تین حضرات کے اسمائے گرامی بھی معلوم ہوتے ہیں وہ یہ ہیں درویش عمر، عثمان عصا، اور حضرت سید علی ستلری۔ ۲۔ دلیل الذاکرین ص ۱۸۹

یہاں تک کہ کھانا کھاتے ہوئے اور لقمہ کو چباتے ہوئے بھی وہ لکھنے میں مصروف رہتے اس کے بعد جو وقت ملتا وہ وقت قال اللہ و قال الرسول میں صرف فرماتے۔ ایک کلام مجید رات میں اور ایک کلام مجید دن میں اور ایک کلام مجید تراویح میں ختم کرتے تھے۔ رمضان میں رات کو بعض اوقات تین کلام مجید معہ اپنے اوراد و وظائف کے لوگوں کے سحری کے لئے اُٹھنے سے پہلے ختم کرتے۔

حضرت بہاء الدین دلق پوش جب پہلی مرتبہ حضرت مخدوم کی خدمت حاضر ہوئے تو پوچھا گیا میں ہمیشہ باوضو رہوں۔ آپ نے ان کا سوال سن کر فرمایا، یہ آدمی عقلمندوں میں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وضو کے ہتھیار کا طالب ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ الوضو سلاح المومن اس دن کے بعد سے شیخ بہاء الدین کی یہ کیفیت رہی کہ وہ اکثر اوقات صبح کی وضو سے عشاء کی نماز ادا فرماتے، اور تہجد کی وضو سے چاشت کی نماز ادا کرتے[1]

ظالم و جابر لوگوں کے لئے کہ جنھوں نے حضرت بہاء الدین دلق پوش پر مظالم کئے، آپ نے کبھی بددعا نہ فرمائی۔

عہد جہانگیری میں شریف الملک[2] کو، جو ٹھٹھہ کا گورنر تھا۔ جب شاہزادہ خرم

---

[1] دلیل الذاکرین ص ۱۹۹/۲۰۰

[2] شریف الملک معروف بہ شریف خان یک چشم ۱۰۳۵ھ میں ٹھٹھ کا گورنر تھا۔ اسی سال یعنی جہانگیر کی تخت نشینی کے اکیسویں سال شاہزادہ شاہجہاں اپنے والد سے ناراض ہو کر عراق عجم کے ارادے سے اپنے چند خاص مصاحبوں کے ساتھ ٹھٹھ پہنچا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ چند روز ٹھٹھ رہ کر آگے چلا جائے۔ شریف الملک نے غالباً جہانگیر کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے شہزادہ پر چند مرتبہ توپوں اور بندوقوں سے یورش کی، پیر بدر کے مزار کے نزدیک اور مکلی کے پل کے متصل بڑی سخت جنگ ہوئی۔ آخر شریف الملک نے شکست کھائی۔ کہتے ہیں کہ اسی زمانے میں شاہزادہ خرم کی بیوی جو اس کے ساتھ تھی اور حاملہ تھی۔ اس نے انار کی خواہش ظاہر کی، شاہزادے نے اپنی

www.maktabah.org

دہلی سے اپنے باپ سے ناراض ہو کر ٹھٹھہ آیا تو وہ حضرت بہاء الدین کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا اور آئندہ بادشاہ ہونے کے لئے دعا کا خواستگار ہوا، آپ نے آیت الکرسی لکھ کر شاہزادہ خرم کو دی کہ وہ اپنے جھنڈے میں اس کو باندھ لے، اور فرمایا کہ دہلی کا تاج و تخت تمھارا مقدر ہو چکا ہے۔ کوئی تمھارا حریف نہیں بن سکتا۔ شاہزادہ خرم کے ٹھٹھہ سے چلے جانے کے بعد شریف الملک نے محض اس بناء پر کہ آپ شاہزادہ[5] خرم سے ملے تھے، آپ کو قید کر دیا۔ اور آپ کے کتب خانے کو برباد کر دیا۔ اور طرح طرح کی اذیتیں آپ کو پہنچائیں۔ آپ کے صاحبزادوں اور عقیدتمندوں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ صاحبِ کرامت ہیں، اور فاجروں کے مقابلے میں کرامت کا ظاہر کرنا جائز ہے، ویسے بھی آپ علم جفر اور تکسیر میں کمال رکھتے ہیں۔ اگر آپ اس کے مقابلے میں کرامت کا اظہار نہیں فرماتے تو کم از کم اپنے اس علم سے کوئی ایسی صورت اختیار فرمائیے کہ یہ ظالم برباد ہو جائے اور آپ اس بے جا قید اور ذلت سے

(بقیہ فٹ نوٹس) حاشیہ ۳۰۱

بیگم کی فرمائش کی تکمیل کیلئے فوراً ایک رقعہ اپنے دستخطوں سے شریف الملک کے پاس اناروں کے لئے بھیجا۔ اس نے جواب دیا کہ میں خود بیگم صاحبہ کو انار بھجوا دوں گا۔ اور اسی وقت ایک فرنگی توپ انداز کو حکم دیا کہ وہ توپ کا رُخ بیگم کے خیمے کی طرف کر کے گولے پھینکے، پھر اس نے کہا کہ اس جگہ ایسے ہی انار پیدا ہوتے ہیں۔ توپ کی آواز سے بیگم کا حمل ساقط ہو گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ خود شریف الملک نے دُوربین سے دیکھ کر توپ کا رُخ شہزادے کے خیمے کی طرف کیا تھا اور توپ کو فلیتہ خود دیا تاکہ شہزادہ ہلاک ہو جائے، لیکن اسی وقت شہزادے کے اپنی جگہ سے ہٹ جانے پر شہزادہ بال بال بچ گیا اور نشانہ خطا گیا۔ نشانہ خطا ہو جانے کی وجہ سے شریف الملک کو بہت غصہ آیا اور اس نے غصے سے اپنی انگلی سے اس آنکھ کو جس سے نشانہ باندھا تھا، پھوڑ لیا۔ شاہزادہ خرم نے جب وہ بادشاہ ہوا تو اس نے اُس سے انتقام لیا اور وہ قتل کیا گیا۔ (تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۹۴)

www.maktabah.org

نجات حاصل کر سکیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں کا کہنا صحیح ہے۔ لیکن یہ ظالم اپنے ظلم سے میرے مقدر کے رزق میں ایک دانے کی کمی نہیں کر سکتا اور میرے ایمان میں سے ایک ذرہ کو بھی نہیں گھٹا سکتا، اس لئے یہ سب بے سود ہے۔ اس کے علاوہ اگر میں کسی کرامت وغیرہ سے اپنی عزت کو باقی بھی رکھوں تو یہ لوگوں میں شہرت کا سبب ہوگا۔ اور شہرت اہل اللہ کے لیے آفت ہے۔ اس لئے اس معاملے کو اسی صورت سے رہنے دو یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ کوئی بہتر صورت نکال دے۔ چنانچہ چند ہی دن میں آپ کی پیشگوئی کے مطابق شاہزادہ خرم بغیر کسی لڑائی جھگڑے کے دہلی کا بادشاہ ہوا۔ اور شریف الملک تباہ و برباد ہوا[1]۔

ایک دفعہ حضرت بہاء الدین دلق پوش سے ایک شخص نے کہا کہ میں تنہائی میں آپ سے طلب حق کے سلسلے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہو۔ اگر کوئی تمھاری بات سمجھ سکتا ہے تو وہ اہل ہے اور اہلِ سخن سے کسی نکتہ کو محفوظ رکھنا مناسب نہیں، اور اگر کوئی تمھاری بات نہیں سمجھتا وہ نادان مثل دیوار کے ہے۔ اس کی کچھ پروا نہ ہونی چاہیئے۔ اس نے کہا کہ مجھے یہ بتا دیجئے کہ اس زمانے میں کون سا ولی سدرة المنتہیٰ سے واقف ہے۔ فرمایا تم نے تو درخت کے متعلق بات پوچھی طلب حق سے اس کو کیا واسطہ ہے[2]۔

صاحب تحفۃ الطاہرین نے آپ کی عظمتِ بزرگانہ کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت بہاء الدین گودڑیہ حضرت مخدوم نوح کے جلیل القدر مریدوں میں تھے۔ صاحب وجد و حال تھے۔ اکثر آپ پر استغراق کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ جب کبھی حلقۂ سماع میں تشریف لاتے تو آپ پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی اور اپنے اختیار سے باہر ہو جاتے۔ حضرت سید علی ثانی شیرازی سے بھی آپ کی محققانہ ملاقاتیں رہتی تھیں۔

---

[1] دلیل الذاکرین ص۲۰۳ [2] دلیل الذاکرین ص۲۰۴

www.maktabah.org

ایک دفعہ راستے سے گزر رہے تھے، ایک نوجوان کو دیکھا کہ کسی کے عشق میں مبتلا ہو کر حیران و پریشان راستے میں بیٹھا ہے، لوگوں کی بھیڑ اس کے گرد جمع ہے اور لوگ طرح طرح سے اس کو ملامت کر رہے ہیں، وہ کہہ رہا ہے کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو کہ میں اپنے اختیار میں نہیں ہوں۔ حضرت بہاء الدین دلق پوش نے اس کی بات سُنی تو ایک نعرہ لگایا اور بے ہوش ہو گئے۔ تین روز تک آپ پر استغراق کی کیفیت رہی۔ آپ کا نعرہ سنتے ہی اس نوجوان کا عشق حقیقت میں تبدیل ہو گیا۔[1]

حضرت بہاء الدین دلق پوش کی تصانیف میں ایک رسالے کا پتہ چلتا ہے۔ جس کی بعض بعض روایتیں صاحب دلیل الذاکرین نے اپنی کتاب میں نقل کی ہیں۔ یہ رسالہ آپ نے حضرت مخدوم کی سوانح اور مناقب پر لکھا تھا۔[2]

آپ کا مزار ٹھٹھہ کے مشہور قبرستان مکلی میں میاں متھا فقیر کے مزار کے برابر واقع ہے۔[3]

درویش عمر

آپ کے دوسرے جلیل القدر خلیفہ و مرید درویش عمر ہیں۔ یہ بھی اُن چار یاروں میں ہیں۔ انھوں نے اپنی ساری عمر مجاہدوں اور ریاضتوں میں بسر کی اور لذاتِ دنیوی سے کوئی واسطہ نہ رکھا۔ ہمیشہ ایک گدڑی پہنے رہتے۔ جس روز آپ حضرت مخدوم کے مرید ہوئے اس دن سے کبھی کوئی لایعنی بات آپ کی زبان مبارک سے نہ نکلی۔ ہمیشہ روزے سے رہتے اور ساری ساری رات عبادت میں گذارتے، افطار چند لقموں سے کرتے۔ آپ کے بیٹھنے اور سونے کی کوئی جگہ مقرر نہ تھی اور نہ اپنے اختیار سے سوتے تھے۔[4]

حضرت عثمان عصار

آپ کے تیسرے جلیل القدر خلیفہ حضرت عثمان عصار ہیں۔ ان کا شمار بھی آپ کے ان چار یاروں میں ہے

---

[1] تحفۃ الطاہرین صفحہ ۱۶۰ — [2] دلیل الذاکرین صفحہ ۱۶۰

[3] تحفۃ الطاہرین صفحہ ۶ — [4] دلیل الذاکرین صفحہ ۱۹۳

www.maktabah.org

جن کے متعلق حضرت مخدوم نے صراحت فرمائی تھی کہ میرے چار بڑے یار ہیں۔

حضرت عثمان عصار شب و روز حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر رہتے، اور جو کوئی بھی حضرت مخدوم سے مرید ہوتا پہلے حضرت عثمان عصار سے متعارف ہوتا۔ آپ اس طالب کے سامنے حضرت مخدوم کی خاندانی شرافت اور بزرگی کے متعلق اِس دل آویز طریقے پر تقریر فرماتے کہ وہ عقیدت مند حضرت مخدوم سے زیادہ سے زیادہ فیض حاصل کرتا۔

آپ کے آئینۂ اخلاق میں توکل کا عکس سب سے زیادہ نظر آتا ہے۔ ایک چادر کے سوا آپ کچھ نہ رکھتے تھے۔ چادر کو گلے میں اس طرح باندھتے کہ وہ چادر تہبند کا کام بھی دیتی۔ کسی کی نذر قبول نہ فرماتے تھے[1]

حضرت سید علی متعلوی

چوتھے جلیل القدر مرید جنھیں حضرت مخدوم نوح نے یارانِ کبار میں ہونے کا شرف بخشا وہ حضرت سید علی متعلوی ہیں جو تقریباً چالیس سال تک حضرت مخدوم کی خدمت میں مختلف ریاضتیں اور مجاہدے کر کے اکتسابِ فیض کرتے رہے۔ صاحبِ دلیل الذاکرین نے آپ کی مختلف کرامتوں کا تذکرہ اپنی کتاب میں کیا ہے۔

میاں متھا فقیر

میاں متھا فقیر بھی مخدوم نوح کے خلفاء میں خاص اہمیت رکھتے ہیں، تحفۃ الطاہرین کے مؤلف نے اُن کے اوصاف کی صراحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔

> وے از جناب حضرت پیر ولایت، صاحب ارشاد و ہدایت مخدوم نوح قدس سرہٗ فیض وافی اندوختہ بمقام فنا فی اللہ رسیدہ۔

---

[1] دلیل الذاکرین ص ۱۹۳/۱۹۴

www.makiabah.org

میاں مقاسات سال تک متواتر حضرت مخدوم نوح کی خدمت میں رہے۔ اگرچہ بظاہر علوم ظاہری میں کسی کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہ کیا تھا، محض اُمّی تھے لیکن حضرت مخدوم کے فیض صحبت سے علم لدنّی و مکاشفے کے اس مرتبے پر فائز تھے کہ اکابر علماء کے سامنے جب وہ قرآن مجید کی تفسیر بیان فرماتے تو علماء ان کی تفسیر کی تصدیق فرماتے اور خلوصِ و عقیدت سے آپ کی خدمت بجالاتے۔ بلکہ بسا اوقات فارسی کے مشکل اشعار، دقیق قصیدے آپ سے حل کرتے۔

سندھ کے اُس دور کے ایک متبحر عالم قاضی احمد کہ جن کو اُن کے علم و فضل کی وجہ سے امام اعظم ثانی کہا جاتا تھا، معلوم ہوا کہ ایک درویش ہے کہ جو علم ظاہری کے حصول کے بغیر اور صرف و نحو اور متعلقہ علوم کو جانے بغیر آیات و احادیث و روایات فقہ کے معانی بیان کرتا ہے۔ اور مشکل اشعار اور دقیق قصائد کو حل کرتا ہے۔ انھیں بڑا تعجب ہوا۔ وہ خود دو تین مشکل اشعار سوچ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تاکہ اُن کے معانی و مطالب آپ سے پوچھیں۔ ابھی وہ اُن اشعار کو اپنی زبان سے ادا بھی نہ کر پائے تھے کہ آپ نے اُن اشعار کے معانی نحوی و صرفی اعتبارات کو ملحوظ رکھکر بیان فرمائے۔ بعض معانی جو آپ نے بیان فرمائے تھے۔ قاضی احمد اُن کو سمجھ نہ سکے اور انھوں نے فقیر متھا سے خواہش ظاہر کی کہ وہ ان معانی کو پھر بیان فرمائیں، آپ نے فرمایا قاضی صاحب آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو اُمّی آسیب زدہ ہوتا ہے، جب اس پر جن سوار ہوتا ہے تو باوجود اُمّی ہونے کہ وہ قرآن مجید پڑھتا ہے اور اس کے معنی بیان کرتا ہے۔ لیکن جب وہ جن رخصت ہوجاتا ہے، پھر وہ ویسا کا ویسا ہی اُمّی رہ جاتا ہے۔ اسی طرح فقراء علم کے سلسلے میں جو کچھ بھی بیان کرتے ہیں وہ اُن کی طرف سے نہیں ہوتا، بلکہ وہ فیضانِ ایزدی ہوتا ہے۔ وہ اپنی طرف سے اور اپنے اختیار سے کچھ نہیں کہتے۔ اس تمثیل کے سننے کے بعد قاضی احمد آپ کے بیحد معتقد ہوگئے۔

www.maktabah.org

اتباعِ شریعت کا ہر وقت اور ہر حال میں خیال رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ وجد اور سماع کی حالت میں بھی جب سجدہ کرتے تو قبلے ہی کی طرف کرتے۔

ایک دفعہ حضرت ہاشم بن حماد نے درویش بھکریہ سے پوچھا کہ حضرت متعاعین اُس وقت بھی جب کہ آپ پر وجد اور مدہوشی کی حالت طاری ہوتی ہے۔ ہمیشہ قبلے ہی کی طرف سجدہ کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ یہ اُن کے مرشد کامل کی برکت ہے کہ وہ اپنے قول و فعل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع ہیں[1]۔

ایک دن حضرت مخدوم حامد داؤدی نے حضرت متھا سے سوال کیا کہ انسان کو خدائے تعالیٰ سے کیا مانگنا چاہیے؟ فرمایا کہ شریعت کا علم، انھوں نے کہا کہ متقدمین اولیاء اللہ سے منقول ہے کہ عقلِ ثابت طلب کرنی چاہیے۔ حضرت متھا نے حدیث سے استدلال کرتے ہوئے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عقل دُنیا پر دلالت کرتی ہے اور علم اللہ تعالیٰ کے اوامر پر دلالت کرتا ہے۔ جو عقل کا اتباع کرتا ہے وہ دُنیا کا اتباع کرتا ہے اور جو دنیا کا اتباع کرتا ہے وہ نفس کا اتباع کرتا ہے اور جو نفس کا اتباع کرتا ہے وہ آگ کا اتباع کرتا ہے، اور جو علم کا اتباع کرتا ہے وہ شریعت کا اتباع کرتا ہے اور جو شریعت کا اتباع کرتا ہے وہ اللہ کا اتباع کرتا ہے۔ جو اللہ کا اتباع کرتا ہے وہ اُس کے نور کا اتباع کرتا ہے، اور اس کا نور اسی کے نور سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا قل رب زدنی علما اور یہ بھی آیا ہے کہ من اعتصم بعقلہ ضل[2] (جس نے عقل پر بھروسہ کیا گمراہ ہوگیا)

اپنے مریدوں اور معتقدوں کی اصلاح و تربیت کی طرف خصوصیت سے توجہ فرماتے، ان کے شکوک و شبہات کا ازالہ نہایت ہی لطیف انداز میں فرماتے۔ اُن کے جوابات میں جگہ جگہ آیات قرآنی اور احادیث نقل کرتے اور تصوف کی کتابوں کا حوالہ دیتے۔

---

[1] یہ تمام روایتیں دلیل الذاکرین قلمی مولکہ سندھی ادبی بورڈ کے صفحہ ۲۱۲، ۲۱۳ سے ماخوذ ہیں [2] دلیل الذاکرین ص ۲۱۵/۲۱۶

www.maktabah.org

مرزا بایزید[1] جو ٹھٹھہ کا حاکم تھا۔ وہ حضرت متھا کا بے حد معتقد تھا۔ جب کبھی آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتا چاندی کے بیس روپے آپ کے قدموں پر رکھتا، ان روپوں کو حضرت متھا کے خادموں، ملازموں اور فقراء میں سے کوئی نہ چھوتا۔ یہاں تک کہ مرزا بایزید کے خدمتگار ہی ان کو موقع پاکر اُٹھا لیتے تھے ایک روز مرزا بایزید آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے پوچھا کہ ہم بھی کھاتے پیتے پہنتے اور اپنی بیویوں سے ملاطفت کرتے ہیں، اور آپ بھی۔ فرق سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ہمارے پاس دنیوی ساز و سامان بہت زیادہ ہے، پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ کو اہل اللہ کہتے ہیں اور ہم کو اہل دُنیا۔ حالانکہ ہم بھی خدا کی طلب اپنے حوصلے کے مطابق کرتے ہیں۔ حضرت متھا نے اس کے جواب میں فرمایا کہ تم نے جو کچھ سوال کیا بہت ٹھیک کیا۔ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الدنیا جیفۃ وطالبہا کلاب (دنیا مردار ہے اور اس کے طالب کتّے ہیں) ہم اہل اللہ اس سے اس قدر حاصل کرتے ہیں کہ جس کے حصول کے بغیر چارہ نہیں اور اس مردار سے ایک ہی لقمے پر اکتفا کرتے ہیں اور منھ پھیر لیتے ہیں اور تم اس مردار کے دو تین لقموں پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ خوب (پیٹ بھرکر) مردار کھاتے ہو۔ اُسی کے ساتھ سوتے ہو۔ اسے اپنے لئے نعمت سمجھتے ہو، اُس سے لذت حاصل کرتے ہو اور غیر معمولی محبت رکھتے ہو۔ قرآن مجید میں ہے :-

زین للناس حب الشھوات من النساء والقناطیر
المقنطرۃ من الذھب والفضۃ والخیل المسومۃ

---

[1] مرزا بایزید بخاری جلوس جہانگیر کے پندرھویں سال ۱۰۲۸ھ میں منصب دو ہزاری اور ایک ہزار پانچسو سواروں کی سرفرازی کے ساتھ جہانگیر کے حکم سے فوجداری بھکر سے منتقل ہوکر ٹھٹھہ کا صوبہ دار مقرر ہوا۔ اس کے بعد نواب شریف الملک یک چشم جس کا تذکرہ کسی گذشتہ فٹ نوٹ میں گذر چکا ہے ٹھٹھہ کا گورنر مقرر ہوا۔ (تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۹۴)

www.maktabah.org

والانعام والحرث ذلك متاع الحیوۃ الدُّنیا

اور اہل فقر کا مشرب اس آیت کریمہ سے یہ ہے کہ :-

واذکر اسم ربك وتبتل الیہِ تبتیلا

پھر مرزا بایزید نے پوچھا کہ بعض اہل اللہ جو مرتبۂ فنا فی اللہ اور بقا باللہ پر فائز ہیں تو پھر وہ کس کے لئے نماز ادا کرتے ہیں ؟ آپ نے فرمایا کہ شب معراج میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب عالم ناسوت و ملکوت و جبروت و لاہوت سے گزر کر قرب حق سے اس طرح واصل ہوئے کہ جیسے آنکھ کی سفیدی سیاہی کے ساتھ بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب جیسا کہ صورت کا عکس پُتلی میں، پس اس وقت آپ نے ایک آواز سُنی جو حضرت ابوبکر صدیق کی آواز کے مشابہہ تھی کہ :-

قف ان ربك فی الصلوٰۃ ای فی الرحمۃ علیك وعلی امتك

ٹھہر جاؤ کہ تمہارا رب نماز میں ہے۔ یعنی تم پر اور تمہاری امت پر رحمت بھیج رہا ہے۔

پس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، اے پروردگار تیری نماز کیا ہے اور کس کے لئے ہے۔ فرمایا کہ میری نماز میرے لئے ہے کہ اپنی ذات کی ثنا اپنی ذات کے لئے ہے۔ رسول اکرم نے فرمایا :-

لا احصی ثنا علیك کما انت کما اثنیت علی نفسك۔

تیری ثنا اس طرح ممکن نہیں کہ جس کا تو مستحق ہے اور جیسا تو اپنی ذات کی ثناء کرتا ہے۔

ایک درویش نے جو اس گفتگو کے وقت حاضر تھے کہا کہ آپ جو معراج کا مرتبہ بیان کرتے ہیں یہ تو ہر ایک کو حاصل ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے :-

نحن اقرب من حبل الورید

www.maktabah.org

آپ نے فرمایا کہ تم نے جو کچھ پوچھا ٹھیک پوچھا۔ لیکن تمھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ آئینے کے دو رُخ ہوتے ہیں۔ ایک رُخ بالکل مجلّیٰ و صاف ہوتا ہے اور دُوسرا مکدر جو ذرا سی بھی صفائی نہیں رکھتا۔ پس انبیار اور اولیاء اللہ صاف آئینہ رکھتے ہیں، کہ جو الوہیت کا مظہر ہے[1]۔

حضرت متا بعض مرتبہ اپنے ملفوظات میں نہایت ہی لطائف پیدا فرماتے تھے ایک دفعہ فرمایا کہ اگر میرے نام کے پہلے حرف کو رفع دیا جائے یعنی مُتھا کہا جائے تو میں مغضوب ہو جاؤں گا، اور اگر میرے نام کے پہلے حرف کو نصب دیا جائے یعنی مَتھا کہا جائے تو میری قسمت گر جائے گی۔ میں نے تو کسرِ نفسی ہی سے شیرینی حاصل کی ہے۔ اسی لئے میرا نام بھی لوگوں کو حلاوت اور شیرینی بخشتا ہے۔ اسی بنار پر لوگ سب مجھے میرے نام کے پہلے حرف کو کسرہ دے کر متھا کہتے ہیں[2]۔

آپ ساری عمر ٹھٹھہ کی مسجد جامع فرخ[3] میں مقیم رہے اور ٹھٹھہ ہی میں آپ نے وفات پائی۔

آپ کا مزار کوہ مکلی پر پیر اسات کی سیڑھیوں کے متصل واقع ہے[4]۔

درویش جمعہ جاریجہ

درویش جمعہ جاریجہ بھی حضرت مخدوم کے جلیل القدر مریدوں اور خلفار میں سے تھے۔ یہ حضرت سید علی متلوی کے توسط سے حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شرفِ بیعت حاصل کیا۔ اُن کی عظمت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مخدوم یوسف کے صاحبزادے مخدوم امام ایک مرتبہ حضرت

---

[1] یہ واقعہ دلیل الذاکرین ص ۲۱۷/۲۱۸ کی ایک طویل روایت سے اختصار کے ساتھ ماخوذ ہے۔
[2] تحفۃ الطاہرین ص ۱۶ [3] جامع فرخ کی تعمیر ثانی شاہجہاں نے اپنے دورِ حکومت میں کرائی تھی۔ شاہجہاں کا عہدِ حکومت ۱۰۳۷ھ سے ۱۰۶۸ھ تک ہے۔ [4] لطائف، وفات اور مزار کے متعلق معلومات تحفۃ الطاہرین ص ۱۶ سے ماخوذ ہیں۔

www.maktabah.org

سید علی متعلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حاضرین مجلس میں سے بعض نے جو مخدوم امام کو جانتے تھے کہا کہ ایک بزرگ جو بزرگوں کی اولاد میں سے ہیں اور خود بھی مردانِ خدا میں سے ہیں آپ کی خدمت میں تشریف لائے ہیں۔ آپ نے یہ سُنا تو فرمایا کہ اِس زمانے میں مردانِ خدا میں سے ایک میں ہوں اور دوسرے جمعہ جاریجہ، اس کے علاوہ میں اس ملک میں کسی تیسرے کو نہیں جانتا۔ مخدوم امام فرماتے ہیں کہ اس ارشاد کے بعد میرے سر سے پندار اور خودی کا نشہ اُتر گیا اور میں نے اپنی حقیقت کو پہچان لیا۔[۱]

فرمایا کرتے تھے کہ اقلیم محبّت کی خلافت مجھ کو حاصل ہے۔ جس کو عشق کی منزلوں میں کوئی منزل پیش آئے اُسے ہم سے حاصل کرنا چاہیئے۔

حضرت نوح کاریہ

حضرت بہاء الدین دلق پوش کا بیان ہے کہ درویش نوح کاریہ جب حضرت مخدوم سے مرید ہوئے اور آپ نے اُنھیں ذکرِ جلی کی تلقین کی تو اُن کے اعضاء کا بند بند جُدا ہو جاتا تھا۔ صاحبِ خوارق و کرامات تھے۔ صاحب دلیل الذاکرین نے آپ کی متعدد کرامات کا تذکرہ اپنی کتاب میں کیا ہے۔[۲]

حضرت شیخ محمود

حضرت شیخ محمود ولد شیخ فخریہ بھی حضرت مخدوم کے خاص مریدوں میں تھے، فرمایا کرتے تھے کہ میری زبان میں لکنت تھی۔ میری والدہ مجھے مخدوم کی خدمت میں لے کر آئیں، اور عرض کیا کہ اس بچے کی زبان میں لکنت ہے، کسی طرح یہ دُور ہو جائے۔ اس وقت حضرت مخدوم کھانا تناول فرما رہے تھے۔ آپ نے اپنے منھ میں سے کچھ ٹکڑا میرے منھ میں رکھ دیا اور فرمایا کہ یہ بچہ فصیح اور کلام اللہ کا حافظ اور اپنے وقت کا ولی کامل اور شیخ ہوگا۔[۳] چنانچہ حضرت مخدوم کے ممتاز خلفاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

۱؎ دلیل الذاکرین ص ۱۹۵ ۲؎ دلیل الذاکرین ص ۲۲۳ ۳؎ دلیل الذاکرین ص ۲۳۱

www.maktabah.org

اس دور کے ایک بزرگ ریدنہ کا بیان ہے کہ میں نے چند سال تک پہاڑوں میں مجاہدے کیے ہیں اور آبادی میں نہیں آیا۔ صرف گھاس سے افطار کرتا تھا، لیکن شیخ محمود بارہ سال تک پہاڑوں میں مجاہدے کرتے رہے اور ایک دفعہ بھی آبادی میں نہیں آئے اور ہمیشہ گھاس سے افطار کرتے رہے۔[1]

ایک دفعہ مخدوم بہاء الدین دلق پوش سے کسی نے سوال کیا کہ ذکر کی کتنی قسمیں ہیں، اور اُن میں ذکرِ خفی کون سا ہے۔ آپ نے اُس سے فرمایا کہ میری تقریر اس باب میں اتنی مشکل ہوگی کہ شاید تم نہ سمجھ سکو، اس لئے تمھارے لئے مناسب ہے کہ تم یہ سوال سلطان الواصلین حضرت مِٹھا سے کرو کہ وہ نہایت آسان طریقے پر تمھیں جواب دے کر مطمئن کر سکیں گے۔ وہ شخص آپ کے ارشاد کے مطابق حضرت مِٹھا کے خدمت میں حاضر ہوا اور وُہی سوال آپ سے کیا۔ آپ نے فرمایا کہ کتاب آئینۂ روشن جو تصوف کے موضوع پر ہے لاؤ اور اُس کے فلاں باب کو دیکھو اُس میں لکھا ہے کہ ذکر کی آٹھ قسمیں ہیں۔ پہلے آنکھ کا ذکر، دوسرے زبان کا ذکر، تیسرے کان کا ذکر، چوتھے ہاتھ کا ذکر، پانچویں پاؤں کا ذکر، چھٹے سر کا ذکر، ساتویں قلب کا ذکر، آٹھویں تمام وجود کا ذکر۔ اُس شخص نے پوچھا کہ اس اجمال سے میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ ذرا وضاحت اور تفصیل سے بیان فرمائیے، فرمایا اچھا سنو آنکھ کا ذکر یہ ہے کہ تم آنکھ سے قرآن مجید کی تلاوت کرو اور علماء و اولیاء، پیرانِ طریقت اور والدین کی زیارت کرو۔ اور صانع کی صنعتوں اور عجیب و غریب پیدا کی ہوئی چیزوں کو دیکھو، اور خراب اور تباہ شدہ مقامات کو دیکھ کر عبرت اور نصیحت حاصل کرو، اور نامحرم عورتوں، امردوں اور محرمات کے دیکھنے سے اپنی نظر کو روکو۔

زبان کا ذکر یہ ہے کہ اس سے قرآن، تفسیر، احادیث، فقہ اور علوم شرعیہ

---

[1] دلیل الذاکرین ص ۲۳۲

www.maktabah.org

اور مشائخِ طریقت کے احوال پڑھے جائیں اور لغو و بیہودہ باتوں کے تکلم اور جھوٹ و تہمت و غیبت و چغل خوری اور ان جیسی دوسری باتوں سے زبان کو روکا جائے۔ اور زبان کو قرآن مجید کے تعلیم و تعلّم میں صرف کیا جائے یا اگر کوئی ناراض ہو تو اس کے راضی کرنے میں قوتِ گویائی کو صرف کیا جائے۔

کان کا ذکر یہ ہے کہ اس سے قرآن، مواعظ اور تذکیر اور ان جیسی اچھی اچھی باتوں کو سُنا جائے اور جو بُری باتیں ہیں جیسے لغو، لہو، مزامیر، طنبور، دف، کذب فحش، حاسدانہ باتیں اور غیبت وغیرہ۔ ان سے سماعت کو روکا جائے۔

ہاتھ کا ذکر یہ ہے کہ اُن سے آلاتِ فسق اور حرام اشیاء کو نہ پکڑا جائے۔ اور کسی کو اُن سے تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ اور اُن سے لوگوں کی خدمت اور اچھے اچھے کام کئے جائیں۔

پاؤں کا ذکر یہ ہے کہ اُن سے انسان علمی مجلسوں میں اور مرشد کامل کی طلب میں جائے۔ اور فسق و فجور کی مجالس میں جانے سے پاؤں کو روکے، یا کسی ناواقف اور نابینا کو راہ بتائے اور ان تمام نیکیوں کو بجالائے جو قدم سے تعلق رکھتی ہیں۔

سر اور گردن کا ذکر یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے امر کے سامنے گردن جھکا دی جائے اور اور اس سے سرکشی نہ کی جائے۔

قلب کا ذکر یہ ہے کہ نیک اعمال کی نیت اور اُن کا ارادہ دل میں رکھا جائے اور فسق و فجور کے ارادوں سے قلب کو پاک رکھا جائے۔

تمام وجود کا ذکر فروتنی اور اپنی خودی کو راہِ حق میں مٹا دینا ہے۔ اور اپنے اعمال کا محاسبہ ہے اور یہی ذکرِ خفی ہے۔[1]

---

[1] دلیل الذاکرین ص ۱۱۲ اس روایت میں جس کتاب کا حوالہ حضرت مصنف نے دیا ہے افسوس ہے کہ وہ نام کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے پوری طرح پڑھا نہیں گیا میرے خیال میں جو لفظ بن سکتا تھا وہ "آئینہ روشن" ہے۔

درویش زکریا

درویش زکریا بھی حضرت مخدوم کے خاص مریدوں میں تھے۔ یہ قبیلہ بابرہ سمہ سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے انھیں ذکر کی تلقین فرمائی۔ ذکر کی تلقین کے ساتھ ہی درویش زکریا پر بیخودی کی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ پندرہ روز تک ایک پہلو پر پڑے رہے اور دُنیا و مافیہا سے بے خبر رہے۔ حضرت مخدوم کو اُن کی کیفیت معلوم ہوئی تو فرمایا انھیں میرے پاس لے آؤ۔ درویش زکریا آپ کے سامنے لائے گئے، اور آپ کی نظر فیض اثر پڑتے ہی وہ فوراً ہوش میں آگئے۔ حضرت مخدوم نے اُن سے فرمایا جاؤ، فقراء اور اہل اللہ کو دیکھو۔[1]

حضرت درویش زکریا بے حد متبعِ شریعت تھے۔ درویش حسین تمیم کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت درویش زکریا کی ایک بدعتی سے ملاقات ہوئی، آپ نے دیکھا کہ وہ لوگوں کو بھنگ کا پیالہ پلارہا ہے۔ اُس نے ایک پیالہ بھر کر آپ کے سامنے بھی پیش کیا آپ نے فرمایا کہ یہ پیالہ کیا پیش کرتے ہو اس کا نشہ تو زائل ہو جاتا ہے۔ ہم تو شریعت کے پیالے کا نشہ رکھتے ہیں جو کبھی زائل نہیں ہوتا۔ یہ سُن کر وہ بدعتی اسی وقت تائب ہوگیا اور آپ کی رفاقت اختیار کرلی۔[2]

ایک دفعہ استنجے کے لئے ڈھیلا اُٹھایا، وہ آپ کے چھُونے سے سونا بن گیا اُسے دیکھ کر فرمایا اے پروردگار اگر تمام عالم بھی زر و جواہر ہو جائے تو فقیر زکریا تجھ سے روگردانی نہیں کرسکتا۔[3]

سید اسماعیل بخاری

سید اسماعیل بخاری کا شمار حضرت مخدوم کے جلیل القدر مریدوں میں ہوتا ہے۔ آپ اپنے وقت کا بڑا حصہ ذکرِ الٰہی میں گزارتے تھے۔

---

[1] دلیل الذاکرین ص۲۳۲ [2] دلیل الذاکرین ص۲۳۳ [3] دلیل الذاکرین ص۲۳۴

ایک دفعہ سید رکن الدین متعلوی اور سید عبد الکریم آپ کی خدمت حاضر ہوئے دیکھا کہ زبان سے ذکرِ الٰہی میں مشغول ہیں، ان دونوں حضرات نے کہا کہ شغلِ باطنی کے ساتھ شغل ظاہری لاحاصل ہے، آپ نے فرمایا ایسا نہیں ہے بلکہ اعضائے ظاہری کو بھی اعضائے باطنی کے ساتھ عبادت میں مشغول رکھنا چاہیئے کہ مشاہدے کے باوجود کسب ظاہری بھی ضروری ہے، پھر ان دونوں نے کہا کہ لوگوں کے ازدحام کے باوجود ہم عبادت خداوندی سے بے نیاز نہیں ہوتے۔ اور تم باوجود شہرت اور خزینۂ اسرار الٰہی کے فارغ البال نظر آتے ہو۔ سید اسماعیل نے فرمایا تم دونوں نے شہرت کا خیمہ نصب کیا ہے اور اپنے ساتھ لفظ مرشد کا اضافہ کیا ہے۔ فقرار کے مرتبے سے ان باتوں کو کیا نسبت ہے[1]

میرن کا تیار

میرن کا تیار اور حضرت سید عبد الکریم متعلوی ابتداء میں کاشتکاری کرتے تھے۔ دونوں نے حضرت مخدوم کی ولایت و کمال کا غلغلہ سُنا اور ہالکنڈی پہنچ کر شرفِ بیعت حاصل کیا[2]۔ حضرت میرن کا تیار کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ اُن کی صاحبزادی حضرت مخدوم کے صاحبزادے سلطان ابراہیم کے عقد میں آئیں۔

حضرت میرن کا تیار کو اپنے شیخ سے جو محبت و عقیدت تھی اس کا اندازہ اِس سے ہوتا ہے کہ وہ متواتر تئیس سال تک مہینے میں تین مرتبہ اپنے شیخ کی خدمت

---

[1] دلیل الذاکرین صـ۲۴۳

[2] میرن کا تیار کے متعلق تحفۃ الکرام جلد ۳ صـ۱۶۱ پر ایک روایت یہ بھی مذکور ہے کہ ابتداء میں آپ کشتی پر جا رہے تھے کہ اچانک آپ پر جذب الٰہی کی کیفیت طاری ہوئی۔ لوگ اُن سے اُن کی حالت پوچھتے مگر وہ کچھ جواب نہ دیتے تھے لیکن ایک دفعہ انھوں نے اپنی حالت کسی سے بیان کردی جس کی وجہ سے وہ کیفیت جاتی رہی، اس کیفیت کے زائل ہونے کی وجہ سے وہ کھانے کا طباق سر پر رکھ کر جوگیوں کی طلب میں دیوانہ وار پھرنے لگے، اتفاقاً ان کی ملاقات سید عبد الکریم متعلوی سے ہوئی۔ وہ اُن کو مخدوم نوح ہالائی کی خدمت میں لے کر آئے۔ مخدوم نوح کی ملاقات ہی سے وہ پہلے سے بھی زیادہ عرفان و تصوف کے اعلیٰ مراتب پر پہنچے۔

www.maktabah.org

میں پابندی سے حاضر ہوتے تھے۔ اور جو کچھ آپ کے پاس نقد اور جنس کی قسم سے ہوتا، اپنے شیخ کی خدمت میں نہایت عقیدت سے نذر گزرانتے۔ اور زمانۂ قیام دالہ کنڈی میں حضرت مخدوم کے صاحبزادے سلطان ابراہیم کے گھر میں لکڑیاں چن کر اُن کا گٹھا بنا کر لاتے، ایک روز سلطان ابراہیم نے اپنے والد حضرت مخدوم معظم سے عرض کیا کہ فلاں سید میرے گھر میں بعض اوقات لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر لاتا ہے۔ فرمایا، کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے وقت کا مقتدیٰ و پیشوا ہوگا۔ اس سے کہو کہ وہ لاتا رہے کہ من تواضع للہ رفعہ اللہ (جس نے اللہ کے لئے تواضع اختیار کی اللہ اس کو سربلند کرتا ہے)

ایک روز میرن کاتیار نے حضرت مخدوم سے عرض کیا کہ میں نے واقعتاً دیکھا ہے کہ میں مرگیا ہوں اور مرنے کے بعد ماہتاب ہوگیا ہوں۔ فرمایا کہ تم اپنی وفات کے بعد مشہورِ زمانہ ہوگے۔

حضرت مخدوم کی وفات کے بعد میرن کاتیار تمام عمر اپنے مخدوم زادے سلطان ابراہیم کی خدمت گذاری میں سرگرمِ عمل رہے[1]

حضرت یحییٰ برایۃ

حضرت یحییٰ الملقب بہ رایۃ حضرت مخدوم کے یاروں میں سے تھے۔ صاحبِ کرامات تھے۔ آئین ریاضات و مجاہدات کے ماہر تھے۔ ہمیشہ اوراد و وظائف میں مصروف رہتے تھے۔ خصوصاً حرز یمانی، حزب البحر، حزب مجبوبی، حزب جعفری، مسبعات عشر اور دوسرے اوراد میں مشغول رہتے اور اپنا سارا وقت یادِ الٰہی میں گزارتے تھے۔

حضرت مخدوم معظم کی وفات کے بعد ان کا تمام وقت آپ کے صاحبزادے

---

[1] یہ تمام واقعات دلیل الذاکرین ص ۲۵۲/۲۵۳ سے ماخوذ ہیں۔

حضرت سلطان ابراہیم کی خدمت میں بسر ہوا۔

توکل واستغنا کی یہ کیفیت تھی کہ معتقدین جو تحایف اور نذریں آپ کی خدمت میں پیش کرتے وہ آپ فقرار میں تقسیم کر دیتے اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ خود فاقے سے رہتے۔

حضرت یحیٰی نے سلطان ابراہیم ہی کے سامنے وفات پائی۔[1]

---

[1] دلیل الذاکرین ص ۲۵۵

www.maktabah.org

درویش وہیہ قدس سرّہٗ

حالات آپ کا اسم گرامی وہیہ، آپ کے تقدس، زہد و ورع اور محبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے صاحبِ حدیقۃ الاولیاءؒ نے آپ اویس ثانی لکھا ہے۔

محبتِ رسولؐ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہلِ بیت کی محبت سے آپ کا قلب سرشار تھا۔ عشق رسولؐ کی یہ کیفیت تھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ سن کر آپ کا چہرہ متغیر ہو جاتا اور آپ پر دیر تک گریہ وزاری کی کیفیت طاری رہتی۔ اتباعِ سنت کا خاص لحاظ رکھتے تھے اور ہمیشہ اتباعِ شریعت و سنت کی تلقین فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر لوگوں کے متعلق سنتے کہ انھوں نے ذرا بھی شریعت کے خلاف قدم اُٹھایا ہے تو بے چین ہو جاتے۔ اور اُن کی اصلاح کی کوشش فرماتے تھے۔ بدعات و فسق و فجور کے مٹانے اور شریعتِ حقہ کو سربلند کرنے میں آپ تمام عمر سرگرم عمل رہے۔

حدیقۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ

در متابعتِ سننِ پیغمبر کہ مقتضائے آیۂ کریمہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ وسیلہ محبت اللہ است قیام می نمود۔ و بر اشاعتِ احکام شریعت وانہدامِ اسابِ بدعت ثابت قدم بود حتیٰ کہ اگر سرِ موئی

www.maktabah.org

خلاف مقتضای شریعتِ غرّا بر سامعۂ آں صاحبِ صدق و صفا می رسید قرار و آرام بروی حرام می گردید و در تدبیرِ اصلاح می کوشید ۔

امراء اور اہلِ حکومت پر اثر

خدائے تعالیٰ نے آپ کی ذات ستودہ صفات میں وہ ہیبتِ حق رکھی تھی کہ بڑے بڑے متمرد اور سرکش اُمرائے حکومت آپ کے ارشاد کی اطاعت کو اپنے لئے موجب سعادت سمجھتے تھے ۔ آپ اکثر امراء و اہلِ حکومت کو ان کی لغزشوں پر تنبیہہ فرماتے رہتے تھے ۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے زمانے میں کوئی حاکم بھی خلافِ شرع قدم نہیں اُٹھاتا تھا ۔ اور آپ کے فیوض وبرکات کی وجہ سے ملک کے کسی حصے میں بھی ظلم و بدعت کا ... نہ پایا جاتا تھا ۔ آپ کی نگاہِ دُور رس زندگی کے تمام شعبوں کا جائزہ لیتی اور آپ کے اصلاحی ہاتھ کا اثر دور دور تک محسوس ہوتا تھا ۔

طریقۂ اصلاح

اگر کوئی مرید طالب دُنیا ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو نہایت شفقت سے فرماتے کہ پہلے زمانے کے لوگ طالب دین بن کر بزرگوں کے پاس آتے تھے ، اور اتباعِ شریعت کی کوشش کرتے تھے اور بزرگوں سے صدقِ دل اور یقین کے ساتھ ایمان کی سلامتی کے خواستگار ہوتے تھے ۔ آج یہ زمانہ آیا ہے کہ تمام لوگ بزرگوں کے پاس مال کے طالب بن کر آتے ہیں ۔ اور متاعِ دُنیوی کی کھوٹی محبت کو اپنا مطمحِ نظر بنائے ہوئے ہیں[1]

ادبِ رسول

آپکے آئینۂ اخلاق میں ادبِ رسول و محبتِ اہلِ بیت کا عکس سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے ۔

---

[1] یہ فقرہ آپ نے لدہ نامی اپنے ایک خادم سے ارشاد فرمایا تھا جو دودھ کے لئے ایک چوپائے کا طالب ہوا تھا ۔ (حدیقۃ الاولیاء، قلمی صفحہ ۱۵۶ ملوکہ سندھ یونیورسٹی)

صدہو نوہریہ نامی ایک جاہل فقیر جسے عوام اہل اللہ میں شمار کرتے تھے ۔ ایک مرتبہ اس بدبخت نے اپنی بدبختی و شقاوت کی بنا پر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں بعض ایسے کلمے استعمال کئے جن میں بوئے گستاخی آتی تھی ۔ جب آپ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ بے چین ہوگئے ۔ یہاں تک کہ راحت و آرام حرام ہوگیا ، اور آپ نہایت مکدر ہوئے ۔ یہ خبر صدہو نوہریہ کو پہنچی ، وہ شرمندہ ہوکر اور بہت سے تحائف لے کر معذرت کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ، ابھی وہ دروازے تک پہنچنے نہ پایا تھا ۔ آپ کو اس کی آمد کی اطلاع ملی ۔ غصہ سے چہرۂ مبارک متغیر ہوگیا اور اسی وقت نہایت درشت لہجے میں فرمایا کہ اس نابکار سے کہہ دو کہ وہ وہیں سے لوٹ جائے اور میرے سامنے نہ آئے ، اس خبیث نے جو کلمہ اپنی زبان سے نکالا ہے ۔ یقیناً یہ اس کی سزا بھگتے گا اور اسے سانپ ڈسے گا ۔ صدہو نوہریہ یہ سن کر کانپ اٹھا ۔ اور اس پر شدید خوف طاری ہوا اور فوراً ہی اپنے گھر واپس ہوگیا ۔ خوف کی وجہ سے اس کی یہ کیفیت تھی کہ راستے میں اس کو ہر چیز سانپ دکھائی دیتی تھی ۔ شام کے وقت جیسے ہی وہ اپنے گھر پہنچا اور اپنی سواری سے نیچے اترا ، سانپ نے اسے ڈس لیا اور اسی رات مرگیا ۔

سادات کا بحد احترام فرماتے تھے ، اور دوسروں کو بھی اُن کی عزت و توقیر کی تاکید فرماتے تھے ۔

ایک روز نصرپور[1] کی سادات کی مسجد میں آپ تشریف فرما تھے ۔ داؤد نامی

---

[1] نصرپور ضلع حیدرآباد میں واقع ہے ، سلطان فیروز تغلق نے اپنے ایک امیر نصر نامی کو ۷۵۱ھ میں حکم دیا تھا کہ سارکہ کے کنارے ایک قلعہ تعمیر کرے ۔ قلعہ کی تعمیر کے بعد یہ شہر اسی امیر کے نام سے آباد ہوا ۔ آب و ہوا اور کثرت باغات اور دریا کے کنارے آباد ہونے کی وجہ سے یہ شہر بے نظیر سمجھا جاتا تھا ۔ ترخانی امیر اپنی سکونت کے لئے اسی شہر کو پسند کرتے تھے ۔ اب اس کے باغات خراب ہوچکے ہیں وہ کیفیت باقی نہیں رہی ۔ تحفۃ الکرام ص۱۵۵ ج۲

www.maktabah.org

ایک بوڑھا نجّار جو وہیں کا رہنے والا تھا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اُس وقت مسجد میں لوگوں کا اجتماع تھا اور آپ ان لوگوں کو نصیحت فرماتے ہوئے ارشاد فرما رہے تھے کہ جب کہ تم ساداتِ عالی درجات کے پڑوس میں مقیم ہو، تمہارے لئے مناسب یہ ہے کہ نماز جو دین کا ستون ہے اس کو پابندی سے ادا کرو اور اس کی ادائیگی میں کسی قسم کی سستی و کاہلی اختیار نہ کرو۔ بدبخت داؤد نجار نے یہ سنکر سادات سے اپنی کسی دیرینہ عداوت کی وجہ سے کہا کہ ہم تو سیدوں کے گھروں کو آگ لگا دیں گے اُن بدبخت کی یہ بات سن کر آپ غصّے سے بے چین ہو گئے۔ ہر چند سادات نے اُس کی طرف سے معذرت کرتے ہوئے عرض کیا کہ یہ بوڑھا آدمی ہے اور بہت قدیم زمانے سے ہمارے ساتھ رہتا ہے۔ اس نے اپنی جہالت کی وجہ سے ایسا کہہ دیا ہے لیکن آپ پر اس سفارش کا کوئی اثر نہ ہوا اور آپ نے اُسی غضب کی حالت میں فرمایا کہ اس شخص کو گستاخی کی یہ سزا ملے گی کہ یہ کنویں میں زندہ دفن ہو گا۔ اس واقعہ کو دو تین روز بھی نہ گزرے تھے کہ ایک ہندو نے شہر نصرپور میں ایک کنواں کھدوایا اور داؤد بڑھئی کو اس کنویں پر لکڑی ڈالنے کے لئے بلوایا۔ یہ اور اس کے دو تین ساتھی کنویں کے اندر اُتر کر کچھ کام کر رہے تھے کہ اتفاق سے کنویں کی دیوار سے مٹی کا ایک بڑا حصہ گرا۔ جس میں داؤد اور اُس کے تینوں ساتھی دب گئے۔ اس کے ساتھی تو کسی طرح بچ گئے۔ مگر داؤد کی موت اسی کنویں میں واقع ہوئی۔

وفات عارف باللہ، درویش دہیہ نے سنہ ۱۰۰۱ھ میں وفات پائی اور موضع ذرکی میں نہر سارہ کے کنارے مدفون ہوئے، آپ کی تاریخ وفات <u>مات فی عشق</u> سے نکلتی ہے[1]۔
۱۰۰۱ھ

---

[1] درویش دہیہ کے تمام حالات حدیقۃ الاولیا، قلمی ص ۱۵۲-۱۵۳-۱۵۴-۱۵۶-۱۵۹-۱۶۰-۱۶۱-۱۶۲-۱۶۳-۱۶۴-۱۶۵ سے ماخوذ ہیں۔

www.maktabah.org

(۵۱)

شیخ الشیوخ
شیخ ہوتی لاکھا

حالات شیخ ہوتی لاکھا اپنے وقت کے بڑے برگزیدہ بزرگ تھے۔ سندھ کے اولیائے کرام کے سب سے پہلے تذکرے حدیقۃ الاولیاء میں اس کے مؤلف عبدالقادر نے اُن کی عظمت و بزرگی کو ان الفاظ میں سراہا ہے۔

آں سر دفترِ مشائخ کبار، سالار قوافلِ احرار روزگار صدر نشینِ محافلِ روحانی، محرمِ خلوت اسرارِ یزدانی، طائرِ ریاضِ قدس، سائرِ منازل اِنس شیخ ہوتی لاکھا از جملہ عارفانِ مولیٰ و سالکانِ مسلکِ صدق و صفا و صاحب حال و قال بود۔

ریاضت و عبادات ریاضت و عبادات میں آپ کا یہ حال تھا کہ راتوں کو عبادت الٰہی میں گزار کر صبح کر دیتے اور سارا سارا دن ذکرِ الٰہی میں گزارتے۔ وجد و سماع کی طرف بے حد راغب تھے۔ اکثر سرخ لباس پہنتے اور تیر و کمان ساتھ رکھتے تھے۔ صاحب کرامات تھے، حدیقۃ الاولیاءٔ اور تحفۃ الکرام میں آپ کی متعدد کرامتیں مذکور ہیں۔

کرامت بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کی نمازِ جنازہ میں اکابرِ علماء، مفسرین اور اہل اللہ شریک تھے۔ ایک صاحبِ حال

www.maktabah.org

بزرگ کا بیان ہے کہ میں نمازِ جنازہ میں صفِ اول میں تھا۔ میں نے اپنی دائیں طرف دیکھا کہ خود شیخ ہوتی لاکھا نمازِ جنازہ میں شریک ہیں۔ میں نے حیرت سے اُن سے پوچھا کہ عجیب بات ہے کہ آپ اپنے جنازے پر خود ہی نماز ادا فرما رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس پر تعجب نہ کرو اور ہمیں زندہ سمجھو کہ شمشیرِ محبت کے شہید ہمیشہ حیاتِ ابدی حاصل کرتے ہیں پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ولاتقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاءٌ ولکن لاتشعرون۔

آپ کا مزار موضع موریانی میں مرجع خلق اللہ ہے۔

اولاد آپ کے دو صاحبزادے تھے۔ ایک صاحبزادے کا نام احمد اور دوسرے کا محمد تھا۔ یہ دونوں سندھ کے اولیائے کبار میں شمار ہوتے ہیں۔

احمد مقامِ قربِ حق میں مرتبۂ عالی پر فائز تھے۔ صاحبِ حال، واصلِ حق اور مستجاب الدعوات تھے۔ کبھی ایسا نہ ہوتا تھا کہ آپ نے کوئی دُعا فرمائی ہو اور وہ قبول نہ ہوئی ہو۔ اکثر محفلِ ذکر و سماع میں شریک ہوتے اور آپ پر وجد و حال کی کیفیت طاری ہوتی۔

آپ کے دوسرے صاحبزادے محمد بھی صاحبِ زہد و ورع اور حافظِ کلام اللہ تھے۔ اُن کے وقت کا بڑا حصہ عبادات و مجاہدات میں گزرتا تھا اور اپنا تمام وقت اوراد و وظائف اور ذکرِ الٰہی میں گزارتے تھے۔

مزار دونوں صاحبزادوں کا مزار اپنے والد بزرگوار شیخ ہوتی لاکھا کے مزار کے قریب موضع موریانی میں ہے[1]۔

---

[1] شیخ ہوتی لاکھا اور اُن کے دونوں صاحبزادوں کے حالات حدیقۃ الاولیاء، قلمی صفحہ ۱۱۲ - ۱۱۳ - ۱۲۱ - ۱۲۲ / ۱۲۳ - ۱۲۷ - ۱۲۹ سے ماخوذ ہیں۔

www.maktabah.org

(۵۲)

درویش یعقوب پلیچہ

حالات درویش یعقوب پلیچہ صاحبِ حال اور اہلِ کمال بزرگ تھے اور مرزا شاہ حسن ارغون کے ہمعصر تھے۔ ان کی متعدد کرامتوں کے تذکرے تحفۃ الکرام اور حدیقۃ الاولیاء میں ملتے ہیں۔

مرزا شاہ حسن ارغون کے عہدِ حکومت میں ایک رئیس آپ سے بیحد عقیدت وارادت رکھتا تھا۔ لیکن مرزا شاہ حسن کسی وجہ سے اس رئیس سے مکدر تھا، ایک دفعہ مرزا شاہ حسن اپنے لشکر وخزانے کو لے کر کشتیوں میں کسی جگہ روانہ ہوا۔ جب اس رئیس کے گاؤں کے قریب پہنچا تو اس نے اپنی کشتی رکوائی اور اس رئیس کو اور اس کے بھائی کو طلب کر کے دونوں کو قتل کر دینے کا فرمان صادر کر دیا۔ صدورِ فرمان کے ساتھ ہی جلاد نے اس کے بھائی کو قتل کر دیا اور یہ خوف ودہشت سے کسی طرح بھاگ کر درویش یعقوب کی خدمت میں پہنچا، اور اپنا سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم مطمئن رہو تمھیں کوئی قتل نہیں کر سکتا، اب تم اطمینان سے شاہ حسن کی خدمت میں حاضر ہو۔ بجائے اس کے کہ تمھیں قتل کرے وہ تمھیں پنج نوبت اور خلعت سلطانی سے سرفراز فرمائے گا۔ اور تمھارے بھائی کے قتل کا خون بہا بھی دے گا۔ یہ رئیس آپ کے ارشاد کے مطابق نہایت خلوص واعتقاد سے شمشیر گردن میں ڈال کر شاہ حسن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شاہ حسن نے نہ صرف اس کو معاف کر دیا بلکہ درویش یعقوب پلیچہ کی پیشگوئی کے مطابق پنج نوبت اور خلعتِ سلطانی سے سرفراز فرمایا، اُس کے بھائی کا خون بہا

www.maktabah.org

بھی دیا اور شاہانہ الطاف و عنایات سے بھی سرفراز فرمایا۔

وفات کے بعد درویش یعقوب کے روضۂ مبارک میں رات کے وقت کچھ ڈاکو آکر سو گئے۔ خواب میں درویش یعقوب پلیجہ نے اُن کو متنبہ فرمایا کہ ایک تو تم یہ افعالِ ذمیمہ کرتے ہو اور پھر ہمارے روضہ میں آکر سوتے ہو۔ میں چاہتا تھا کہ تمھارا وجود جو شجرِ خبیثہ کی حیثیت رکھتا ہے، اُسے بیخ و بن سے اُکھاڑ کر پھینک دوں۔ مگر میں اس مرتبہ درگزر سے کام لیتا ہوں، ابھی فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔ اگر آئندہ تم تائب نہ ہوئے اور اس قسم کی گستاخی کی تو تم اس کا مزہ موت اور دوسرے مصائب کے ساتھ چکھو گے۔ اس خواب کے دیکھنے کے بعد ڈاکوؤں کی آنکھ کھلی۔ وہ دہشت زدہ ہو کر فوراً ہی وہاں سے فرار ہو گئے۔ ایک سال گزرنے کے بعد پھر ایک مرتبہ وہ رات کو ڈاکہ ڈال کر آپ کے روضۂ مبارک میں سو رہے۔ اس مرتبہ پھر انھوں نے آپ کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ تم متنبہ کرنے پر بھی باز نہ آئے۔ اب تیار ہو جاؤ کہ تمھارے قتل کا حکم جاری ہو چکا ہے۔ تم میں سے سوائے ایک کے کوئی زندہ نہ بچے گا۔ وہ بھی صرف اس لئے کہ وہ اس واقعہ کو لوگوں سے بیان کر سکے۔ ڈاکوؤں کی یہ جماعت نو افراد پر مشتمل تھی۔ خواب دیکھتے ہی پریشان ہو کر اُٹھے اور وہاں سے بھاگے۔ جیسے ہی یہ روضہ سے باہر نکلے پولیس ان کی تاک میں تھی اُس نے ان کو گرفتار کر کے آٹھ کو وہیں قتل کر دیا۔ صرف ان میں سے ایک ڈاکو جان بچا کر بھاگ سکا۔ اس فراری ڈاکو نے یہ ساری داستان لوگوں سے بیان کی اور بہت سے لوگوں نے اس سے عبرت حاصل کی۔

وفات درویش یعقوب پلیجہ نے غالباً اپنے وطن موضع نارہ[2] میں وفات پائی۔ اور وہیں مدفون ہوئے[1]۔

---

[1] یہ تمام تفصیل حدیقۃ الاولیا، قلمی مملوکہ سندھ یونیورسٹی ص ۲۳۹-۲۴۰-۲۴۱-۲۴۲-۲۴۳ سے ماخوذ ہے۔

[2] حدیقۃ الاولیا کا جو نسخہ میرے پیش نظر رہا ہے اس میں لفظ موضع کے بعد اس موضع کا نام متروک ہے، تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۷۹ پر صراحت ملتی ہے کہ ان کا وطن موضع نارہ تھا قیاس چاہتا ہے کہ انھوں نے اپنے وطن ہی میں وفات پائی ہوگی تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۷۹

خواتین

www.maktabah.org

www.maktabah.org

(۵۳)

بی بی تاریؒ

نام و خاندان اصل نام بی بی تاری تھا، آپ کا وطن ٹھٹھہ تھا۔ سندھ کے مشہور سومرہ[1] خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔

خشیت الٰہی تمام محاسن کردار کا سرچشمہ خشیت الٰہی ہے۔ جس قلب میں خشیت الٰہی نہیں، اس پر ولایت و عرفان کے دروازے نہیں کھل سکتے۔

بی بی تاری کا خشیت الٰہی سے یہ عالم تھا کہ ہمیشہ خوف الٰہی سے روتی رہتیں اور کبھی لیٹ کر نہ سوتیں۔ اگر نیند کا غلبہ زیادہ ہوتا تو کچھ دیر دیوار کا سہارا لے کر سو رہتیں، اور جب آنکھ کھلتی تو آسمان کی طرف دیکھتیں اور روتے ہوئے کہتیں کہ الٰہی تو وہ کریم ہے کہ تو نے مجھ کو تمام آفات سے محفوظ رکھا، اور میں وہ غافل بندی ہوں کہ ہر وقت تجھے بھلائے ہوئے ہوں۔

روزہ روزے بڑی کثرت سے رکھتی تھیں۔ افطار کے وقت یوں ہی کچھ تھوڑا سا چکھ لیتی تھیں۔ تیسرے روز آش کا

---

[1] سومرہ سندھ کی ایک قوم ہے، جس کا جد اعلیٰ سومرہ نامی ایک شخص تھا، جو سومرہ خاندان کا سب سے پہلا بادشاہ ہوا۔ سومرہ خاندان کی حکومت ۴۴۲ھ سے شروع ہو کر ۷۵۲ھ پر ختم ہوئی۔ (تاریخ سندھ۔ معصومی)

نصف پیالہ افطار کے وقت کھائیں، اور اس میں بھی پانی ملالیتیں تاکہ بے ذائقہ ہو جائے۔

استجابت دُعا | مستجاب الدعوات تھیں، جو کوئی اُن کی خدمت میں کوئی حاجت لے کر آتا، اُس کے لئے دُعا فرماتیں، اور خدا کے حکم سے اس کی حاجت پوری ہو جاتی۔

مزار | بی بی تاری کا مزار ٹھٹھہ کے قبرستان مکلی میں ہے[1]۔

---

[1] یہ تمام تفصیل تحفۃ الطاہرین ص۴۲ سے ماخوذ ہے۔

(۵۴)

بی بی جمال خاتون سیستانی

نام و خاندان آپ کا نام بی بی جمال تھا۔ آپ سندھ کے مشہور عارف میاں میر لاہوری کی بہن تھیں۔ ترک دنیا و توکل میں اپنے دور کی رابعہ بصری کہلاتی تھیں۔ اُنھوں نے تصوف کی تعلیم پہلے اپنی والدہ اور پھر اپنے بھائی سے حاصل کی۔

کرامتیں داراشکوہ نے بی بی جمال کی متعدد کرامتیں اپنی مشہور کتاب سفینۃ الاولیا میں نقل کی ہیں۔ اسی میں سے آپ کی بعض کرامتیں یہاں نقل کی جاتی ہیں

ایک دفعہ آپ نے اپنے ہاتھ سے ایک مٹکے میں دو من گیہوں بھرے برابر ایک سال تک آپ اُس مٹکے سے غریبوں کو گیہوں تقسیم کرتی رہیں۔ مگر مٹکے میں کمی نہ آتی تھی۔

ایک دفعہ ایک مچھلی شکار کر کے بی بی جمال خاتون کے پاس لائی گئی، فرمایا اسے اسی طرح رہنے دو، خادموں نے اس مچھلی کو اُٹھا کر ایک طرف رکھ دیا۔ یہاں تک کہ رکھے رکھے وہ خشک ہوگئی، اِس خشک مچھلی سے بھی بعض لوگوں نے عجیب عجیب برکتیں دیکھیں

وفات بی بی جمال خاتون نے ۱۰۴۹ھ میں وفات پائی۔ غلام سرور لاہوری نے حسب ذیل قطعہ کہا، جس سے آپ کا سنہ وفات نکلتا ہے۔

عارفہ خاتونِ دیں۔ بی بی جمال
ذاتِ او آمد سعیدہ اعظمہ
ارتحالِ او چو جستم از خرد
شد ندا از دل وحیدہ عالمہ
۱۰۴۹ھ

ؔ یادداشت سندھی قلمی سید حسام الدین صاحب راشدی ص۴۳۔

www.ahlehaq.org

بی بی رانیؒ

حالات بی بی رانی ٹھٹھہ کی رہنے والی اور اپنے وقت کی ولیہ کاملہ تھیں۔ ان کا شمار اس زمانے کے اصحاب عرفان میں ہوتا تھا، ولایت کے جلیل القدر مرتبے پر فائز ہونے کے باوجود اپنے حالات کو اس قدر چھپاتی تھیں۔ کہ کوئی بھی اُن کے متعلق یہ نہ جانتا تھا کہ وہ عرفان وولایت کا جوہر کامل اپنے اندر رکھتی ہیں۔

اتفاقاً ایک مرتبہ اُن کا ایک پڑوسی کسی سخت بیماری میں مبتلا ہوا وہ اپنی عقیدت وارادت کی بنا پر حقائق ومعارف آگاہ حضرت بہاء الدین فقیر گوڈیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کا طالب ہوا۔ آپ نے اس کا حال سن کر مراقبے میں سر جھکالیا اور تھوڑی دیر کے بعد فرمایا۔ تم نے کسی صاحب دل کو اپنی کسی حرکت سے تکلیف پہنچائی ہے، اُن کی بددعا کا تیر تمھارے وجود میں اس طرح بیٹھا ہے کہ میں ہر چند کوشش کرتا ہوں مگر وہ تیر تمھارے جسم سے نہیں نکلتا، تمھارا چارۂ کار میری دسترس سے باہر ہے، لیکن تمھارے پڑوس میں ایک خاتون رہتی ہیں جو بہت بڑی صاحبدل، پارسا، متقی اور اپنے وقت کی ولیہ کاملہ ہیں، ان کا نام بی بی رانی ہے۔ تم اُن کی طرف رجوع کرو۔ میرا خیال ہے کہ اُن کی دُعا سے تمھاری مشکل حل ہوگی۔ وہ شخص فوراً ہی بی بی رانی کی خدمت میں پہونچا، اور

www.maktabah.org

نہایت ہی مضطر ہو کر اپنی تکلیف اُن سے بیان کی۔ بی بی رانی نے فرمایا کہ پریشان مت ہو، انشاء اللہ تم اچھے ہو جاؤ گے، پھر فرمایا کہ میں گوشۂ تنہائی میں اپنی زندگی گزارتی تھی اور کوئی مجھ سے واقف نہ تھا، اب عالم آشکارا ہو کر زندگی کا کوئی لطف نہیں۔ اس لئے دُنیا سے اُٹھ جانا ہی بہتر ہے۔ آپ کی اس بشارت کے تیسرے روز اُس شخص نے اپنی بیماری سے صحت پائی۔ اور اُسی دن بی بی رانی نے وفات پائی اور ٹھٹھہ کے محلہ تندسر میں مدفون ہوئیں[1]۔

---

[1] بی بی رانی کے تمام حالات تحفۃ الطاہرین ص ۱۴۱ سے ماخوذ ہیں۔

www.maktabah.org

(۵۶)

بی بی فاطمہؒ

معروف بہ

بی بی حاجیانی

نام و عرف اصل نام فاطمہ تھا۔ ٹھٹھہ کی رہنے والی تھیں۔ جب آپ حج و زیارت سے فارغ ہو کر آئیں تو لوگوں میں بی بی حاجیانی کے لقب سے مشہور ہو گئیں۔

عبادت و ریاضت حافظ قرآن مجید تھیں، اور تلاوت قرآن مجید سے غیر معمولی شغف رکھتی تھیں۔ جب حج کے لئے تشریف لے گئیں تو دورانِ سفر میں رات اور دن میں ایک قرآن مجید ختم کرتیں اور اس کا ثواب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بخشتی تھیں۔

استجابتِ دعا مستجاب الدعوات تھیں۔ مشہور ہے کہ جب آپ حج و زیارت سے فارغ ہو کر حرمین شریفین سے واپس ہونے لگیں تو راستے میں سمندر میں ایسا خوفناک طوفان آیا کہ جو مسافر کشتی میں سوار تھے۔ اُن کی جان کے لالے پڑ گئے اور ہر ایک اپنی زندگی سے مایوس ہو گیا۔ مسافر پریشان ہو کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، آپ مستجاب الدعوات ہیں

www.maktabah.org

دُعا فرمائیے کہ ہم اس مصیبت سے نجات حاصل کریں۔ بی بی حاجیانی نے دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے اور نہایت ہی تضرع اور زاری سے کہا۔ الہٰی میں تیری رضا پر راضی ہوں، اور تیرے حکم کے سپرد اپنی جان کرتی ہوں، لیکن یہ تیرے ضعیف بندے تیرے کرم پر بھروسہ رکھتے ہیں، ان کے حال پر رحم کر اور ان کی مصیبت کو آسان فرما۔ ابھی وہ دُعا ہی میں مصروف تھیں کہ طوفان رُک گیا اور کشتی کو مخالف ہواؤں سے نجات حاصل ہوئی، سب لوگ مطمئن ہو گئے۔

مدفن بی بی فاطمہ ٹھٹھہ کے قبرستان مکلی میں مدفون ہیں اور آپ کا مزار زیارت گاہ خاص و عام ہے[1]۔

---

[1] یہ تمام تفصیل تحفۃ الطاہرین ص۱۹ سے ماخوذ ہے۔

www.maktabah.org

(۵۸)

بی بی نور بھری رح

حالات

آپ کا نام بی بی نور بھری تھا۔ اور قوم دبہ گراں سے تعلق رکھتی تھیں آپ پر جذب و سلوک کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ صاحب تحفۃ الکرام کا بیان ہے کہ وہ اپنے وقت کی رابعہ ثانی تھیں۔ آپ کا مزار نصرپور کے بازار میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔[1]

تمام شد

---

[1] یہ تمام تفصیل تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۵۷ سے ماخوذ ہے۔

مُوسپر آرٹ انگریورز پریس کراچی

www.[illegible].org

www.maktabah.org

www.maktabah.org

www.maktabah.org

www.maktabah.org

Maktabah Mujaddidiyah
www.maktabah.org

This book has been digitized by Maktabah Mujaddidiyah (www.maktabah.org).

Maktabah Mujaddidiyah does not hold the copyrights of this book. All the copyrights are held by the copyright holders, as mentioned in the book.

Digitized by Maktabah Mujaddidiyah, 2012

Files hosted at Internet Archive [www.archive.org]

We accept donations solely for the purpose of digitizing valuable and rare Islamic books and making them easily accessible through the Internet. If you like this cause and can afford to donate a little money, you can do so through Paypal. Send the money to ghaffari@maktabah.org, or go to the website and click the Donate link at the top.